سلسلہ صلاح و فلاح 4

# کتاب الاذکار

تالیف: امام محی الدین ابی زکریا یحیی بن شرف نووی



جلد اوّل

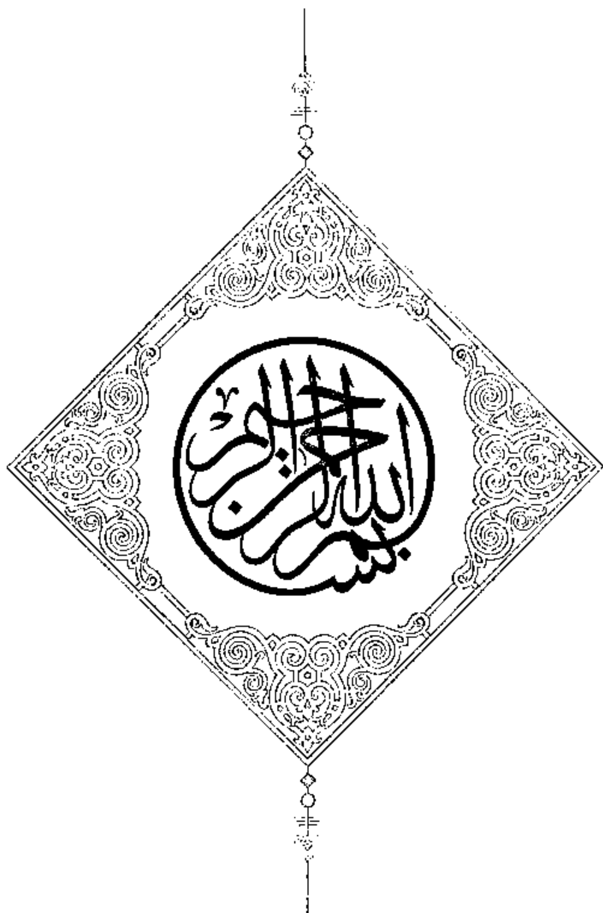
مترجم عبد القوی لقمان کیلانی حفظہ اللہ

ایم فل علوم اسلامیہ فاضل مدینہ یونیورسٹی

مرکز الکتاب



کتاب الاذکار



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

سلسلہ صلاح وفلاح 4

# کتاب الاذکار


مترجم عبدالقوی لقمان کیلانی

ایم فل علوم اسلامیہ [illegible]


جلد اول




ناشر

مرکز الکتاب


یہ کتاب مفت تقسیم کے لیے ہے

ھذا الکتاب یوزع (مجانا) ولا یباع

نام کتاب: کتاب الاذکار (جلد اول)

مؤلف: امام محی الدین ابی زکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ

مترجم: عبدالقوی لقمان کیلانی حفظہ اللہ
(ایم فل علوم اسلامیہ، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تعداد 500

ڈیزائننگ وپرنٹنگ حافظ سعدالحمید +92 322 6495123

ناشر **مرکز الکتاب**

225-2D1 عمر چوک، ٹاؤن شپ لاہور

رابطہ پاکستان 0331-4479200 • 0332-4581060
0336-4392981

رابطہ متحدہ عرب امارات 00971507459032

یہ کتاب مفت تقسیم کے لیے ہے

هذا الكتاب يوزع (مجانا) ولا يباع



# انتساب

اس ہستی اقدس ﷺ

کے نام جس کی اطاعت

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

# فہرست مضامین

## اللہ کے رسول ﷺ پر درُود کی کتاب



## ان اُذکار اور دعاؤں کے بارے میں جو نا گہانی پیش آمدہ صورتِ حال میں پڑھے جاتے ہیں

## بیماری، موت اور ان سے متعلق دیگر مواقع پر پڑھے جانے والے "أذکار" کے بارے میں

## مخصوص نمازوں میں پڑھے جانے والے اَذکار کی کتاب

## روزے کے اُذکار کی کتاب

## حج کے اَذکار کی کتاب



## دوران جہاد پڑھے جانے والے اَذکار کی کتاب

## مسافر کے اذکار کی کتاب








## کھانے اور پینے کے اَذکار کی کتاب









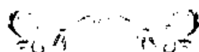
## نکاح کے اَذکار کی کتاب اور اس کے متعلقہ مسائل

# ناموں کی کتاب









# کلمہ مترجم

شہرۂ آفاق ''کتاب الاذکار'' کا آسان اُردو ترجمہ ہر عام و خاص مسلمان کے لیے پیش خدمت ہے۔ اس کتاب کے ترجمے پر انگیخت دلانے والی یہ سوچ اور فکر تھی کہ اگر شیطان انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے تو الرحمٰن اپنے بندے کے لے سب سے بڑا رحیم و کریم ہے، شیطان لعین ہمہ وقت یہ چاہتا ہے کہ وہ بندے اور معبود حقیقی کے درمیان قائم تعلق کو توڑ کر خود اس کے روح اور جسم پر حاوی ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر لمحہ اپنے شیطانی ہتھکنڈوں اور الاؤ لشکر کو تیار رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾

''شیطان ان پر تسلط قائم کر لیا اور انہیں اللہ جل شان کی یاد سے غافل کر دیا۔''

پھر اس سے بھی خطرناک بات یہ کہ یہ ہمارا ازلی دشمن اور اس کے چیلے چانٹے ہماری نظروں سے تو اوجھل رہتے ہیں مگر ہم ہر وقت ان کی نظروں اور ہدف پر ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾

''یقیناً وہ (شیطان) اور اس کا کنبہ قبیلہ تمہیں اپنی نگاہ میں رکھتے ہیں جبکہ تم انہیں نہیں دیکھ پاتے۔''

اور یہ کیفیت ہر وقت کی ہے، لہٰذا ہم پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک اس کے نشانے پر رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس لعین نے انبیاء و رسل علیہم السلام کی ہستیوں کو بھی معاف نہیں کیا۔ صرف عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بوقت پیدائش بتوفیق اللہ تعالیٰ اس کے کچوکے سے بچ پائے۔

پھر مزید یہ کہ شیطان ہم پر دینی و روحانی اعتبار سے حملہ آور نہیں ہوتا بلکہ جسمانی اعتبار

سے بھی یہ انسانیت کا سب سے بڑا قاتل ہے۔ بلا مبالغہ یہ موقعہ ملتے ہی انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے میں سرایت کرتا اور انسانی جسم میں خون کی طرح Sirculate یعنی گردش کرتا ہے۔ بعد ازاں ایک مدت تک اندر رہ کر انسانی اعضائے رئیسہ کو ناکارہ بناتے ہوئے اسے کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے جیسے عورتوں کو بانجھ بنا دینا، دل کی بیماری لگا دینا، لبلبے پر بیٹھ کر اسے خراب کر کے انسان کو شوگر میں مبتلا کر دینا نیز کینسر جیسے موذی مرض کا بھی بڑا یہی سبب بتایا گیا ہے۔ (والعیاذ باللہ من ذلك)

قارئین کرام! ہر قسم کے ذہنی امراض، جنون، مرگی، پاگل پن، نظر بد، حسد، جادو وغیرہ تمام ہلاکت خیز بیماریوں کا اکثر و بیشتر سبب یہی ہمارا ازلی لعین دشمن شیطان ہے۔ لہٰذا اس کو روکنے اور اس سے ہمہ وقت بچنے کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے اپنے حقیقی رحیم و کریم پروردگار سے انتہائی مضبوط وابستگی۔ یہ تعلق جس قدر مضبوط اور پائیدار ہوگا اسی قدر وہ شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ ہوگا۔ اپنے خالق حقیقی سے تعلق مضبوط رکھنے کا ذریعہ اس کی بندگی و اطاعت اور کثرت سے ذکر ہے۔ اللہ جل شانہ نے واضح الفاظ میں فرمادیا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝﴾

''اور جو شخص بھی ''رحمٰن'' کی یاد سے بے تعلق ہوا تو ہم اس کے ساتھ ایک شیطان کو مقرر کر دیں گے جو اس کا لنگوٹیا ساتھی بن جائے گا۔''

ایسے شخص کا دین و عمل، دنیا و آخرت، صحت و عافیت اسی ''قرین'' ہم جولی ساتھ کے چنگل میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۝﴾

''کہ جس نے میری یاد سے بے رخی برتی تو اس کے لیے ایک تو زندگی تنگ اور دشوار گزار ہو جائے گی اور دوسرا یہ کہ ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

(العیاذ باللہ)




ان تمام مذکورہ آفات و امراض اور ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہنے کے لیے اور ساتھ ہی اللہ کی مدد اور اس کی معیت کے حصول کے لیے یہ معمولی سی کاوش ہدیہ قارئین کی ہے جس کا اصل فائدہ زندگی دیگر معمولات میں شامل کر کے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾

''خبردار دلوں کو سکون صرف اللہ عزوجل شانہ کی یاد سے ہی ملتا ہے۔''

قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ جب بھی وہ کتاب ہذا سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور سراپا التجا ہوں۔ وہاں اور ہر خاص وقت اور مقام رب اپنے بھائی (مترجم) کو بھی نیز ان تمام محسنین و مصلحین جو اس کتاب کی تیاری میں میرے مدد و معاون رہے ہیں کو بھی شامل کر لیں، جس سے ان کی دعا آہ و زاری بارگاہِ ایزدی میں مزید قبولیت کا باعث بنے گی۔ اس لیے کہ حدیث کے مطابق دعا کی قبولیت کا ایک بڑا سبب، اپنے بھائی کے لیے (اس کی عدم موجودگی میں) دعاء کرنا ہے۔ (واللّٰہ ولی التوفیق)

مترجم کی جانب سے بعض ''ملاحظات'' جنھیں کلمہ مترجم میں ذکر کرنا ضروری ہے:

[1]:...... پوری کتاب کا ترجمہ اوّل سے آخر بمعہ تخریج کیا گیا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ عبارات سے کوئی لفظ اور اس کا مفہوم چھوٹنے نہ پائے۔ (اور حقیقی علم اللہ وحدہ لاشریک کو سزاوار ہے)۔

[2]:...... قدرے مشکل اور مبہم یعنی غیر واضح الفاظ عبارات اک ترجمہ کرتے وقت ساتھ ہی ان کا سلیس اور آسان الفاظ میں ترجمہ بریکٹ ( ) کے اندر لکھ دیا گیا ہے تاکہ عبارات میں ربط رہے اور عام فہم قاری کو بھی سمجھنے میں آسانی رہے۔

[3]:...... زیادہ طویل عبارات کے مفہوم کو اصل متن کے نیچے حاشیے میں نمبر دے کر یا پھر سٹاپ * کی علامت سے واضح کر دیا گیا ہے۔

[4]:...... ضرورت اور مصلحت کی بناء پر عام افادہ کے لیے کبھی کبھی (مترجم) کی جانب

سے کتاب کے اصل متن پر حاشیہ بھی رقم کیا گیا ہے۔

[5]:...... بسا اوقات دورانِ مطالعہ قارئین کرام کو یہ الفاظ (میں کہتا ہوں:) بھی پڑھنے کو ملیں گے تو ان الفاظ سے مراد اصل ہیں امام موصوف، صاحب کتاب امام نووی رحمہ اللہ ہیں۔

[6]:...... ترجمے میں بریکٹ [ ] کا زیادہ استعمال اگرچہ اس کی افادیت اور حسن کو ختم کر دیتا ہے مگر اس سے کہیں زیادہ اس بات کی اہمیت ہے کہ ایک تو علمی امانت کی پاسداری رہے اور دوسرا عام فہم آدمی کو بھی ذکر کردہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

[7]:...... کتاب کے متعدد موضوعات کی ابتداء میں، خاص طور پر شافعی مسلک کے حامل ائمہ واہل علم کے متفرق اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ جیسے جنازے کے بارے میں مسائل وغیرہ اور ان اقوال کی بنیاد بعض روایات ہیں۔ قارئین کرام کے استفادہ کے لیے ان تمام روایات کی تخریج یا ان کے صحت وسقم کا حکم واضح کر دیا گیا ہے تاکہ صحیح اور ضعیف روایات کی پہچان ہو سکے۔

نیز بعض ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال ایسے بھی ملیں گے جن کی کوئی شرعی دلیل نہیں اور انہیں بطور استحسان کے ذکر کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ ذہن میں رہے کہ کسی بھی عمل پر اجر وثواب کے لیے صحیح شرعی دلیل کا ہونا ازبس کہ ضروری ہے۔

مثال کے طور پر جنازے کے باب میں ''میت کی تدفین کے بعد اس کے سر کی جانب کھڑے ہو کر اسے تلقین'' کرنا وغیرہ۔

[8]:...... کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے شرعی نصوص اور اذکار واوراد کے الفاظ بھی ذکر کرنا از حد ضروری تھا۔ اس سے کتاب کی ضخامت تو بڑھ گئی ہے مگر فائدہ دو چند ہو گیا ہے۔

## کتاب الاذکار کی چند خصوصیات:

[1]:...... اوّل سے آخر یہ کتاب صبح وشام کیے جانے والے اذکار اور دعاؤں پر مشتمل ہے۔

[2]:...... ہر نئے موضوع پر اذکار وادعیہ کے ذکر سے پہلے متعلقہ حصے کو کتاب، باب اور ذیلی فصلوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ تیز قاری کی آسانی کے لیے کسی بھی عمل سے متعلقہ ذکر یا دعا کے سلسلے سے پہلے آغاز میں وضاحتی عنوان بھی رقم کردیا گیا ہے۔

کتاب ہذا کی خصوصیات میں سرفہرست اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب سے بیک وقت تشنگان علم دین، محققین، مصنفین، مدرسین و مقررین اور خطباء اور عامۃ المسلمین سب اپنے اپنے دائرہ کار میں استفادہ کرسکتے ہیں۔ گویا یہ کتاب مقالہ نگار (Research Scholars) حضرات کے لیے بھی ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

[4]:...... ہر کتاب کے آغاز میں، نئے موضوع کی اہمیت و افادیت کتاب و سنت کے دلائل سے واضح کی گئی ہے اور مزید ضرورت کے مطابق اہل علم خصوصاً امام شافعی و ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

[5]:...... کتاب کے آخر میں اُن جامع اذکار وادعیہ کا بھی ذکر آ گیا ہے، جو صبح و شام، کسی بھی وقت یا جگہ پڑھے جاسکتے ہیں۔

[6]:...... کتاب کی افادیت کو مزید چار چاند لگانے کے لیے حسن اختتام ان چند احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جن پر اہل علم کے ہاں پورے ''دین اسلام'' کا مدار ہے۔ (واللہ تعالی الموفق) اور دیگر اذکار وادعیہ کی طرح ان احادیث کی اسنادی حیثیت کو بذریعہ تخریج کے واضح کردیا گیا ہے تاکہ اہل علم استفادہ کرسکیں۔

اور یہاں میں اپنے ہردلعزیز فاضل برادرم مولانا فواد بھٹوی حفظہ اللہ کا ذکر کرنا از بس ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود نہ صرف بندہ کی اس کارِ خیر میں حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ انتہائی کم وقت میں پوری کتاب کو ایک نظر دیکھتے ہوئے مفید باتوں کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ .

شیخ کرامت رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ جو کہ احمد بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں ایک بڑی مسجد اور اس کے تحت چلنے والے دیگر ویلفیئر ٹرسٹ (خاص طور پر فری ڈسپنسری) کو ...



جاری وساری رکھنے اور جملہ امور میں ایک سرگرم شخصیت تھے، ان کی خاص توجہ دلانے پر اس کارِ خیر کا آغاز کیا گیا۔ اللہ جل شانہ ان کی اس محنت و کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے، صدقہ جاریہ بنائے اور انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

قارئین کرام سے مرحوم کے حق میں دعاء کی درخواست ہے۔

**المترجم**

عبدالقوی لقمان کیلانی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

از مولف رحمہ اللہ

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾

''تو تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری مت کرو۔''①

ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جو یکتا، زبردست، ہر چیز پر غالب آنے والا، بار بار بخشنے والا، ہر چیز کو اپنی حکمت و مشیت سے اور ایک مقررہ اندازے میں رکھتے ہوئے، جملہ امورِ کائنات کو اپنی نگرانی میں چلانے والا اور ہر رات کے دبیز پردے سے نیز دن کو ڈھانپنے والا، کہ اس سے اہلِ عقل و بصیرت کو بصارت و راہنمائی مرحمت فرمائے اور وہ ذات کہ جس نے اپنی مخلوق میں سے اس ہستی کو اٹھایا اور جسے منتخب فرما کر پسندیدہ اور بہترین بندوں میں شامل کیا، نیز اپنے بندوں میں سے جسے پسند فرمایا، اسے اپنے مقرب اور نیکوکار لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق بخشی اور انھیں لوگوں میں سے جنھیں اپنا محبوب بنایا، ان کو اس دارِ فانی میں نُورِ بصیرت اور نعمتِ زُہد سے نوازا۔ تو اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے اس کی رضا کے حصول اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے خوب محنت و ریاضت کی، جبکہ ہمیشگی کے گھر (جنت) میں بسنے اور عذابِ جہنم سے بچنے کے لیے بہت زیادہ تگ و دو کی اور رات اور دن کی تمام گھڑیوں میں حالات کے رُخ بدلنے کے باوجود لگاتار اپنے آپ کو سختی اور پابندی سے اللہ جل شانہ کی اطاعت وفرماں برداری میں لگائے رکھا، جس کے نتیجے میں ان کے دل ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھے۔

میں اللہ جل جلالہ کی عطاء کردہ تمام نعمتوں پر اس کی ایسی تعریف میں رطب اللسان ہوں، جو اس کی ذات کے شایانِ شان ہر قسم کی تعریف کو شامل ہو، اور اس کے مزید فضل و کرم کا

---

① سورۃ البقرۃ 152۔

خواستگار بھی اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عظمت والے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، جو یکتا، بے نیاز، غالب اور اپنے ہر کام اور فیصلے میں حکیم ہے۔ اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں، کہ بلاشک حضرت محمد ﷺ اس کے مخلص بندے، اس کے سچے رسول اور اس کے پیارے خلیل ہیں، جو ساری مخلوقات سے افضل اور گزشتہ اور آئندہ آنے والے لوگوں میں سب سے بڑھ کر معزز و محترم ہستی ہیں۔ اللہ رب العزت کی رحمتیں اور اس کی سلامتی ہو آپ پر، تمام دیگر انبیاء و رُسُل علیہم السلام پر، ان کی آل پر اور بقیہ سارے نیکوکار بندوں پر، (آمین یا الٰہ العٰلمین)

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر ان گنت درود و سلام کے بعد، واضح ہو۔ رب اللہ عظمت والے، غالب و حکمت والے کا ارشاد ہے:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [1]

''کہ تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔''

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔'' [2]

تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ فضیلت والا عمل یا بندۂ مومن کے لیے سب سے بہتر حالت یا گھڑی وہ ہے، جس میں وہ جہانوں کے پروردگار کو یاد کرتا اور سارے رسولوں کے سردار، اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ سے وارد (مسنون) دعاؤں اور ذکر اذکار میں مشغول رہتا ہے۔

اور اہل علم رحمہم اللہ نے ''رات اور دن میں کیے جانے والے اَعمال'' اور پڑھی جانی والی دُعاؤں اور ذکر و اذکار پر بہت کتابیں تصنیف کی ہیں، جنھیں اہل معرفت جانتے ہیں۔ یہ کتابیں

---

[1] سورۃ البقرۃ 152۔

[2] سورۃ الذریات 56۔

(روایات کی) اسانید اور تکرار کی بناء پر خاصی طویل و ضخیم ہیں، جس سے پڑھنے والوں کے حوصلے کمزور پڑ جاتے ہیں، لہٰذا میں نے اس سلسلے میں چاہت رکھنے والوں کے لیے آسانی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کتاب کی تیاری میں اختصار سے کام لیا اور زیادہ تر اسانید کو حذف کر دیا ہے، تا کہ کتاب ممکنہ حد تک مختصر رہے اور قارئین کے لیے بامقصد باتیں درج کر سکوں۔ اور یہ اس لیے بھی کہ عبادت گزار بندوں کا اصل مقصود اور موضوع تو "مسنون دعائیں یا ذکر و اَذکار" ہیں، (نہ یہ کہ وہ اُسانید)[1] جن کی پہچان یا ان کی حقیقت پر مطلع ہونے کے لیے اپنی

① "اُسانید" سند/ اِسناد کی جمع ہے اور اس سے مراد "متن حدیث" کی سند کی بابت راہنمائی کرنا ہے، جبکہ "سند" سے مراد راویوں کا سلسلہ، یعنی "رجال" ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "سند" اور "اِسناد" دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔" اور ابن علان رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے:

"صحیح حدیث" اور اس کی دو قسمیں ہیں: ① صحیح لِذاتہٖ: وہ ہے کہ جس کی "سند" شروع سے آخر تک متصل اور اس کے راوی عادل، ثقہ، یعنی پرہیزگار اور قابلِ اعتبار حافظہ کے مالک ہوں۔ ② "صحیح لغیرہٖ": کہ جس کے راوی "صحیح لذاتہٖ" کے مقابلے میں ضبط و اِتقان، یعنی حافظے اور ثقاہت میں کم ہوں اور باقی شرائط وہی "صحیح لذاتہٖ" والی ہوں اور ایسے راوی سے مروی حدیث حسن کہلاتی ہے مگر اپنے متعدد طرق (اُسانید) کی بناء پر "صحیح لغیرہٖ" کا درجہ پاتی ہے۔ اور اسی طرح "حسن" کی بھی دو قسمیں ہیں (①) "حسن لذاتہٖ": اور جیسا کہ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف میں کہا ہے۔ "کہ جس کا راوی صدق و امانت میں مشہور ہو لیکن "صحیح" کے درجہ پر نہ پہنچ پایا ہو اور یہ "صحیح" کی نسبت حفظ و اِتقان میں کمی کی بناء پر ہے، جبکہ اس راوی کی حیثیت اس شخص سے اوپر ہے، جس کا تفرُّد (یعنی اکیلا پن، پر حدیث کو "منکر" کی سطح پر لے آتا ہے۔ اور "حسن لغیرہٖ" کی بابت امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس کی سند میں ایسا مستور پوشیدہ حال راوی ہو کہ جس کی اہلیت بھی واضح نہ ہو اور نہ اس حد تک غافل کہ اپنی روایت میں کثرت سے خطاء کا مرتکب ہوتا ہو اور نہ حدیث کی روایت میں اس پر جھوٹ کی تُہمت ہو، نہ اس سے کوئی ایسا کام سرزد ہوا ہو جو فسق کا سبب بنے اور اس کی حدیث، روایت میں اپنی مثل یا کسی دیگر کی وجہ سے "معروف" ہو تو ایسی حدیث، کسی بھی قسم کی علتِ قادحہ (عیب دار) یا شذوذ سے محفوظ ہونے کی بناء پر "حسن" کا حکم رکھتی ہے۔

اور "ضعیف" حدیث وہ ہے کہ جس میں کسی ایسی شرط کا فقدان ہو، جو "صحیح اور حسن" دونوں حدیثوں کو قبول کرنے کی شروط کو شامل ہو، جیسے: سند کا متصل ہونا، راوی کا عادل وضابط ہونا اور حدیث کا کسی بھی علت قادحہ (عیب دار یا نقص والی) اور شذوذ سے محفوظ و مامون ہونا۔ اور اس "ضعیف" کی آگے کئی ایک اقسام ہیں، جن میں سے "شاذ" اور "منکر" حدیثیں بھی ہیں۔ دیکھیے: "الفتوحات الربانیۃ" جلد 1 ص 24،23۔

اور "منکر" حدیث وہ ہے جس کا راوی وہمی یا فاسق یا بدعتی ہو۔" (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

کوششیں اور وقت صرف کریں، بلکہ سوائے چند گنے چنے حضرات کے، ان ''اَسانید'' کا اختصار بھی اکثر لوگوں کے لیے گرانی کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ ان کے ذکر سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ راہِ ہدایت کے مُتلاشیوں کے لیے، صحیح ذکر و اَذکار، ان پر عمل پیرا ہونے کے طریقے اور شکوک وشبہات کے مقامات واضح ہو جائیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں ان اَسانید کے بدلے، ان چیزوں کو ذکر کرنے میں ترجیح دوں گا، جو ان کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور جن کا عدمِ ذکر غالباً قارئین کے لیے ذہنی تشویش اور خلل کا باعث ہوتا ہے۔''

اور وہ اہم چیزیں ''صحیح، حسن، ضعیف اور منکر اَحادیث کا بیان اور ان کی نشاندہی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جس کی معرفت کے، سوائے چند محدثین رحمہم اللہ کے تمام لوگ محتاج ہیں۔ اور یہی وہ اہم ترین کام ہے، جس کا اہتمام ہر دم واجب ہے اور جسے ایک راہِ حق کی جستجو رکھنے والا (طالب علم)، علم حدیث کے ثقہ حفاظِ کرام اور قابلِ اعتماد ائمہ عِظام کی محنتوں اور کاوشوں کی بدولت، عمل میں لاتا ہے۔

اور اگر اللہ کریم جل جلالہ کی توفیق شامل حال رہی تو میں اپنی کتاب میں علم حدیث کے گوہر، علم فقہ کے نکات، اصول وقواعد کے اہم امور، تزکیہ نفس کے وسائل وطرق اور ان جملہ آداب کو احاطۂ تحریر میں لاؤں گا جن کی پہچان راہِ حق کے سالکین (چلنے والوں) کے لیے ازبس ضروری ہے اور جو کچھ بھی میں ذکر کروں گا، وہ سارے کا سارا اس وضاحت کے ساتھ ذکر کروں گا، کہ اس کا سمجھنا ہر عام و خاص، سوجھ بوجھ رکھنے والے اور ان پڑھ پر آسان ہو جائے۔ (وما توفیقنا إلا باللہ)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا»

"کہ جس شخص نے راہِ ہدایت کی طرف دعوت دی اس کے لیے اجر، ان لوگوں کے اجر وثواب کی مانند ہے، جنھوں نے اس دعوت (کو قبول کرتے ہوئے اس) کی پیروی کی، جبکہ اس سے ہدایت یافتہ لوگوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"[1]

لہٰذا، میں نے اس سلسلے میں اہل خیر کے ساتھ تعاون کے ارادے سے، نہ صرف یہ کہ اپنا اندازِ تحریر آسان اور اسلوبِ بیان واضح اختیار کیا ہے، بلکہ اس جانب مناسب اشارات اور راہنمائی بھی دی ہے"۔ تو کتاب کے آغاز ہی میں پہلے میں ان ضروری فصلوں کا ذکر کروں گا، جن کی خود اس کتاب کے مؤلف اور دیگر، مطالعہ کے شائقین حضرات ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر اصحابِ رسول ﷺ میں سے کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کسی صاحب کے ہاں علم حدیث میں اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے اتنی شہرت نہ رکھتا ہو، کہ وہ اس کے صحابی رضی اللہ عنہ ہونے میں یقین کر سکے تو میں نے ایسے موقعہ پر متنبہ کرتے ہوئے واضح طور پر "روینا عن فلان الصحابي" کہ ہمیں فلاں صحابی سے یہ روایت ملی ہے۔" کے الفاظ ذکر کیے ہیں تاکہ اس کے صحابی رسول ﷺ ہونے میں شک نہ کیا جا سکے۔"

اور میں اس کتاب میں صرف ان اُحادیث کو ذکر کرنے پر اکتفاء کروں گا، جو ان مشہور "کتبِ حدیث" میں ذکر ہوئی ہیں جنھیں ایک طرح سے "اسلام کے اُصول" کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اور وہ پانچ مشہور کتابیں یہ ہیں۔: ① صحیح بخاری ② صحیح مسلم ③ سنن ابی داوٗد ④ جامع الترمذی ⑤ اور سنن النسائی اور کبھی کبھار میں ان کے علاوہ دیگر مشہور کتب حدیث سے بھی اُحادیث ذکر کروں گا۔

مگر جہاں تک "اَجزاء" اور "مسانید" کا تعلق ہے تو ان میں سے بہت کم مقامات پر روایت نقل کروں گا نیز مشہور اصولی کتبِ حدیث میں سے کوئی ضعیف حدیث ذکر نہیں

[1] صحيح مسلم، حديث: 2674، و سنن أبي داوٗد، حديث: 4609، و جامع الترمذي، حديث: 2676، و مؤطا امام مالك رحمه الله، جلد1، ص: 218.

کروں گا، سوائے چند ایک جگہوں کے جہاں حدیث کے ضعف کو بھی ساتھ ہی بیان کر دیا جائے گا، جبکہ ان کتب حدیث سے زیادہ تر ''صحیح''[1] احادیث کو ہی لانے کا اہتمام کروں گا۔

تو اسی بنا پر ہی میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب (اپنے موضوع میں) اصل اور قابل اعتماد کتاب تسلیم کی جائے گی (ان شاء اللہ)، پھر یہ بھی واضح رہے کہ میں کسی ''باب'' میں صرف وہی احادیث ہی ذکر کرنے کی جسارت کرونگا، جو ''باب'' سے متعلقہ مسائل کے ساتھ واضح مطابقت اور ظاہری دلالت رکھتی ہوں گی۔ اور یہاں میں اپنے حقیقی معبودِ برحق اللہ بزرگ وبرتر کے حضور سراپا التجاء ہوں کہ جس کارِ خیر کو میں نے سرانجام دینے کا قصد کیا ہے، اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے! اور ساتھ ہی میں اللہ جل شانہ کے حضور ہر بھلائی کے کام میں آسانی، اسی ذات کی طرف رُخ کرنے، اسی سے مدد لینے، راہِ ہدایت کی طرف گامزن رہنے اور ہر شر سے بچنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور میرے نیک احباب کو عزت کے گھر اکٹھا ہونے کی توفیق دے، ہر قسم کی عزتوں اور بھلائی کے کاموں کے حصول میں سہولت مرحمت فرمائے اور حقیقی و ابدی مسرتوں اور راحتوں کے سارے سامان وافر مقدار میں عطاء فرمائے! (آمین یا الہ العالمین)

اور میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے، نہ مجھ میں نیکی کرنے کی طاقت ہے اور نہ ہی برائی سے بچنے کی قوت سوائے اللہ غالب، حکمت والے کی توفیق سے، جو کچھ اللہ چاہے (وہی کچھ ہوتا ہے) مجھ میں کسی کام کو کرنے کی ہمت نہیں، سوائے اللہ کی توفیق کے، تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اللہ ہی کے ساتھ (مضبوطی سے) وابستہ رہا، اللہ ہی سے مدد چاہی اور اپنا ہر کام اللہ ہی کے سپرد کیا، نیز اپنا دین، اپنی جان، اپنے والدین، اپنے احباب اور اپنے تمام محسنین اور سارے مسلمان اور وہ تمام لوگ کہ جن کی بناء پر، اخروی اور دنیوی

[1] ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہاں امام نووی رحمہ اللہ کے ہاں ''صحیح حدیث'' سے مراد وہ جو ''صحیح لغیرہ'' بلکہ ''حسن'' کو بھی شامل ہے اور ''صحیح'' سے مراد ''مقبول حدیث'' بھی ہے کیونکہ بہت سارے ائمہ حدیث نے اس پر ''صحیح'' کا اطلاق کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

معاملات کے بارے میں مجھ پر انعام فرمایا اور ان تمام لوگوں پر بھی، (یہ سب کچھ) میں اللہ جل شانہ، کی ذات کو سونپتا ہوں۔ بے شک وہ پاک ذات جسے جب بھی اور جو کچھ بھی سونپا جاتا ہے، وہ اس چیز کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر محافظ و نگہبان ہے۔"

[**فصل**]: (تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال میں اچھا ارادہ اور اِخلاص رکھنے کے حکم کے بارے میں)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾

"اور انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ خالصتاً اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔"①

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾

"اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اسے تو تمھارا تقوی (پرہیز گاری) پہنچتا ہے۔"②

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیتِ کریمہ میں مذکور (وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ) کا معنیٰ (وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ النِّيَّاتِ مِنْكُمْ) کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو تمھارے دلوں کے ارادے مطلوب ہیں۔

✳ ہمارے استاذ الإمام الحافظ ابو البقاء خالد بن یوسف بن الحسن بن سعد بن الحسن بن المفرج بن بکار المقدسی النابلسی پھر الدمشقی رحمہ اللہ نے ہم کو خبر دی، وہ کہتے ہیں: کہ ہمارے استاد ابو الیمن الکندی نے ہمیں خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ محمد بن عبد الباقی الانصاری نے ہم کو خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ ابو محمد الحسن بن علی الجوہری نے ہمیں خبر دی، وہ کہتے ہیں: کہ ہمارے استاذ ابو الحسین محمد بن المظفر الحافظ نے ہم کو خبر دی، وہ کہتے ہیں: کہ ہم کو خبر

① سورہ البینۃ: 5.    ② سورۃ الحج 37.

دی ہمارے استاذ ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان الواسطی نے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہمارے استاذ ابوالنعیم عبید بن ہشام الحلبی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہمارے استاذ عبداللہ بن مبارک نے (اور آگے) عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید۔ جو کہ انصاری ہیں۔ سے روایت کرتے ہیں۔، وہ روایت کرتے ہیں اپنے استاذ محمد بن ابراہیم التیمی سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے استاذ علقمہ بن وقاص اللیثی رحمہ اللہ سے، آگے وہ روایت کرتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»

"بے شک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور یقیناً ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے، جس کی اس نے نیت کی، تو جس شخص کی ہجرت (اس کی نیت میں) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی تو (حقیقت میں) اسی شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے اور (اس کے برعکس) جس شخص کی ہجرت (کا اصل مقصود) دنیا یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی ہجرت انہی چیزوں کی جانب ہے جن کے حصول کی خاطر اس نے ہجرت کی۔"[1]

یہ حدیث "صحیح"[2] ہے اور اس کی صحت پر کبار محدثین کا اتفاق ہی نہیں بلکہ اہل علم رحمہم اللہ نے ایک ساتھ اس کی عظمت وجلالت کو تسلیم کیا ہے، اور یہ ان احادیث مبارکہ میں سے ایک ہے، جن پر اسلام کا دارو مدار ہے، نیز سلف صالحین اور ان کے بعد آنے والے ائمہ رحمہم اللہ اپنی "تصنیفات" کی ابتداء اس حدیث سے کرنا، اس لیے پسند کرتے تھے۔ تاکہ مطالعہ کرنے والے کو اچھی نیت سے کتاب پڑھنے اور (شروع سے آخر تک) اسی خالص جذبے کو اپنے پیشِ نظر رکھنے پر متنبہ کیا جا سکے۔

* امام ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ ''کہ جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرنے کا خواہاں ہو تو اسے اپنی کتاب کی ابتداء اس حدیث سے کرنی چاہیے۔''

* اور امام ابوسلیمان الخطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ ہمارے پہلے اساتذہ کرام رحمہم اللہ ہر اس چیز سے پہلے حدیث «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَ مَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ» کو ذکر کرنا پسند کرتے تھے، جس کی ابتداء اور اٹھان دینی امور سے ہوتی اور یہ اس بناء پر کہ دینی معاملات اپنی جملہ اقسام سمیت ہر فرد کی ضرورت ہیں۔''

* اور ہمیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ بات پہنچی ہے، وہ کہتے ہیں: 'إِنَّمَا يُحْفَظُ الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ نِيَّتِهِ' کہ یقیناً آدمی نیت (دل کے ارادے) کے حساب سے حفاظت کیا جاتا ہے۔ یا اپنے ارادے کے مطابق محفوظ کر پاتا ہے۔''...... کسی اور صاحب کا یہ کہنا ہے:

* 'إِنَّمَا يُعْطَى النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ نِيَّاتِهِمْ' ''کہ لوگ اپنی نیتوں کے مطابق نوازے جاتے ہیں۔''

* اور جلیل القدر السید[2] ابوعلی الفضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: «تَرْكُ الْعَمَلِ لِأَجْلِ النَّاسِ رِيَاءٌ وَالْعَمَلُ لِأَجْلِ النَّاسِ شِرْكٌ، وَالْإِخْلَاصُ أَنْ يُعَافِيَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْهُمَا» کہ لوگوں کی وجہ سے ''عمل'' کو چھوڑ

① صحيح البخاري، حديث: 1 و صحيح مسلم، حديث: 1907، و سنن أبي داؤد، حديث: 2201، و جامع الترمذي، حديث: 1647، و سنن النسائي، جلد: 1، ص: 60,59.

② ''السید'' بمعنی آقا، یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ مخلوق پر ''السید'' کا لفظ بولا گیا ہے اور یہ جائز ہے، جبکہ ''النحاس'' نے اسے ''مکروہ'' جانا ہے اگر یہ ''ال'' کے ساتھ آئے۔'' دیکھیے: الفتوحات الربانية جلد: 1 ص: 68.

دینا دکھلاوا ہے اور لوگوں کی خاطر کوئی عمل انجام دینا شرک ہے، جبکہ اِخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں (قسم کے گناہوں) سے عافیت میں رکھے۔"

* اور امام حارث المحاسبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صادق (سچا) وہ ہے، کہ اگر مخلوق کے دلوں میں موجود اس کی ساری قدر ومنزلت اس وجہ سے ختم ہوتی ہو کہ اس کے بدلے اس کے دل کی اصلاح ہو جائے تو اسے اس بات کی مطلق پرواہ نہ ہو۔ اور نہ اسے یہ پسند ہو کہ لوگ ایک رائی کے کے دانے کے برابر بھی اس کی اچھے عمل پر مطلع ہوں اور نہ ہی لوگوں کا اس کے برے عمل سے باخبر ہونا اس کے لیے ناگوار ہو۔"

* اور حذیفہ المرعشی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: "اَلْإِخْلَاصُ أَنْ تَسْتَوِيَ أَفْعَالُ الْعَبْدِ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ" اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہری و باطنی (ہر قسم کے) اعمال ایک جیسے ہو جائیں۔" (مطلب یہ کہ ظاہر و باطن میں تضاد نہ رہے۔)

* اور امام الاستاذ ابو القاسم القشیری رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ انسان کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دل کے سچے ارادے سے اطاعت وفرماں برداری میں یکتا ماننا "اِخلاص" ہے اور یہ کہ وہ اپنی اس اطاعت گزاری، میں سوائے کسی اور چیز کے صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتا ہو اور بجائے اس کے کہ وہ مخلوق کو باور کرانے کے لیے کسی قسم کی ملمع سازی کرے یا مخلوق کے ہاں دادِ تحسین چاہے یا مخلوق سے تعریفی کلمات کی جسارت کرے یا پھر اسی قبیل کی کسی اور چیز کے حصول کا اردہ رکھے، وہ صرف اور صرف اللہ جل شانہ، کے قرب کی جستجو رکھتا ہے۔

* السید الجلیل ابو محمد سہل بن عبد اللہ التستری رحمہ اللہ کا قول ہے: "کہ اہل علم وفضل کی ایک جماعت نے "اخلاص" کی تفسیر میں غور وخوض کیا تو بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے: کہ مخلص انسان کی ہر حرکت وسکون خواہ وہ پوشیدہ ہو یا ظاہر، اس حد تک اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہو جائے، کہ اس میں کسی ذاتی حرص، خواہش اور دنیوی میلان کا شائبہ تک نہ ہو۔"

* اور الاستاذ ابو علی الدقاق رحمہ اللہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "اخلاص" یہ ہے کہ انسان (عمل کرتے وقت) لوگوں کے ملاحظہ (دیکھنے) سے بچے اور "صدق" (عمل

میں سچائی) یہ ہے کہ انسان کوئی کام کرتے وقت ذاتی خواہش کو خاطر میں نہ لائے۔ تو "مخلص" ریا کار نہیں ہوتا اور صادق (سچا) کسی چیز کا اثر قبول کرتے ہوئے اس کا "اسیر" نہیں ہوتا۔"

* اور حضرت ذی النون المصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: «ثَلَاثٌ مِنْ عَلَامَاتِ الْإِخْلَاصِ: اِسْتِوَاءُ الْمَدْحِ وَالذَّمِ مِنَ الْعَامَّةِ، وَنِسْيَانُ رُؤْيَةِ الْأَعْمَالِ فِي الْأَعْمَالِ، وَاقْتِضَاءُ ثَوَابِ الْعَمَلِ فِي الْآخِرَةِ» کہ تین باتیں اخلاص کی علامات میں سے ہیں:

① عامۃ الناس کی جانب سے کسی انسان کے اعمال پر تعریف اور مذمت برابر کی سطح پر ہو۔

② اعمال کی بجا آوری میں وہ اعمال لوگوں کو دکھانا بھول جائے۔

③ وہ عمل کا بدلہ (بجائے کسی دنیوی منفعت کے) اخروی زندگی میں پانے کا متمنی ہو۔

* اور امام القشیری رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "کہ سچائی کا سب سے کم درجہ باطن وظاہر کا برابر، یعنی ایک جیسا ہونا ہے۔"

* اور سہل التستری سے روایت ہے: "وہ شخص سچائی کی کبھی خوشبو نہیں پا سکتا، جس نے اپنی ذات کو یا کسی اور کو دھوکا دیا۔ اور اس موضوع میں بے شمار اقوال ہیں اور جن کی طرف میں نے یہاں اشارہ کر دیا ہے صاحب توفیق کے لیے (إن شاء اللہ) یہی کافی ہوں گے۔

[**فصل**]: اور یہ بات جان لیجیے! کہ جس شخص کو فضائل اعمال میں سے کوئی چیز ملے تو خواہ ایک بار ہی، اسے اس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ اس کا شمار "عاملین" میں ہو سکے۔ اسے بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے، بلکہ نبی ﷺ کی اس صحیح اور متفق علیہ حدیث کی بنا پر جہاں تک بن پڑے اسے بجالائے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

"کہ جب (دینی امور سے متعلق) میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم حسب استطاعت اس پر عمل کرو۔"[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 7288، و صحيح مسلم، حديث: 1337، و جامع الترمذي، حديث: ⇐⇐

[**فصل**]: علمائے محدثین، فقہائے عظام اور دیگر اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ فضائل اعمال'' اور ''ترغیب وترہیب'' کے باب میں ''ضعیف حدیث'' جب تک وہ ''موضوع''[1] نہ ہو۔ پر عمل جائز اور مستحب ہے۔ اور جہاں تک ''اَحکام'' کا تعلق ہے، جیسے حلال وحرام بیع (خرید وفروخت) اور نکاح وطلاق وغیرہ تو ان میں صرف ''صحیح'' یا ''حسن'' حدیث پر عمل کیا جائے گا، سوائے اس کے کہ ان میں سے کسی چیز کے بارے میں حد درجے کی احتیاط مقصود ہو، جیسا کہ بعض اشیاء کی خرید وفروخت یا ازدواجی رشتوں کے بندھن میں ''کراہت'' کی کوئی ''ضعیف حدیث'' وارد ہو تو ایسے میں اس ''ضعف حدیث'' کی بناء پر اس عمل سے رُک جانا مستحب تو ہوگا مگر واجب نہیں اور میں نے اس فصل کو اسی لیے ذکر کیا ہے کہ اس کتاب میں ایسی احادیث آئیں گی کہ جن کے صحیح یا حسن یا ضعیف ہونے پر میں صریح حکم لگاؤں گا یا پھر عدم توجہ اور بھول جانے کے سبب ان پر حکم لگانے سے سکوت (خاموشی) اختیار کروں گا۔ تو میں نے یہ چاہا کہ یہ اصول (اور قاعدہ) اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے (ہر وقت) پیشِ نظر رہے۔ (واللہ تعالیٰ ولی التوفیق)

[**فصل**]: اور جان لیجیے: جس طرح ''ذکر'' کرنا مستحب ہے، اسی طرح اہلِ ذکر کے

---

⇐ 2681، و سنن النسائي ج 5 ص: 110 اور اس میں یہ الفاظ ہیں «دَعُوْنِی مَا تَرَکْتُکُمْ، إِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» ''کہ مجھے اسی حال میں رہنے دو، جس پر میں نے تم کو چھوڑا ہے، یقیناً تم سے پہلے لوگوں کو، ان کے سوالات کی کثرت اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اختلاف نے ہلاک کر دیا، تو جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے باز رہو۔ اور جب کسی بات کا حکم دوں تو اپنی طاقت کی حد تک اس پر عمل کرو۔''

[1] «مَا لَمْ يَكُنْ مَوْضُوْعًا» کہ جب تک وہ حدیث موضوع نہ ہو'' ابن علان رحمہ اللہ کا کہنا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اس کا ضعف شدید ترین نہ ہو'' تو ایسے شخص کی ''خبر'' پر عمل کرنا جائز نہیں، جو جھوٹ سے متہم اور پھر منفرد (اکیلا) ہو، نیز ''ضعیف حدیث'' پر عمل کرنے کی دو شرطیں ہیں:

① کہ اس کی ایسی اصل ہو جس کا کوئی ''شاہد'' ہو، مثلاً: یہ کہ اس کا اندراج کسی عموم یا کلی قاعدے کے تحت ہو۔

② اس پر عمل کرتے وقت اس کے حکم کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ ہو، بلکہ احتیاط ملحوظِ خاطر ہو۔ (اللہ اعلم)

حلقوں میں بیٹھنا بھی پسندیدہ عمل ہے اور اس کے حق میں کئی ایک دلائل وارد ہوئے ہیں، جن کا اپنے مناسب مقام پر ان شاء اللہ ذکر ہوگا، سردست اس بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث کافی ہوگی، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا. قَالُوا: وَمَا رِيَاضُ الجَنَّةِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: حِلَقُ الذِّكْرِ، فَإِنَّ لِلّٰهِ تعالى سَيَّارَاتٍ مِنَ المَلَائِكَةِ، يَطْلُبُوْنَ حِلَقَ الذِّكْرِ، فَإِذَا أَتَوْا عَلَيْهِمْ حَفُّوا بِهِمْ»

"جب تم جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو، تو ان کے (خوب) میوے اور پھل کھاؤ، (یہ سن کر) صحابہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذکر کی مجلسیں، بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایسے گھومنے پھرنے والے فرشتے بھی ہیں جو انھی ذکر کی مجلسوں کی طلب میں چلتے پھرتے رہتے ہیں تو جونہی وہ انھیں پاتے ہیں تو انھیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔"[1]

* اور صحیح مسلم[2] میں مذکورہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حلقے میں تشریف لائے اور فرمایا: "کہ تم

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب "الامالی علی الأذکار" میں کہتے ہیں: کہ یہ مذکورہ حدیث میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی نہ کسی مشہور حدیث کی کتاب میں پائی ہے اور نہ ہی اسکا کچھ حصہ مجھے متداول "اجزاء" میں کہیں مل سکا ہے، البتہ اسی معنی و مفہوم میں مختصر الفاظ کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث موجود ہے۔ اور امام السیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تحفۃ الأبرار بنکت الأذکار" صفحہ نمبر 3 پر یہ ذکر کیا ہے: "کہ امام النووی رحمہ اللہ یہاں کہنا تو یہ چاہتے تھے: کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے مگر (ایک انسان ہونے کے ناطے) ان کا قلم "حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی طرف سبقت لے گیا۔

② صحيح مسلم، حديث: 2701، و جامع الترمذي، حديث: 3376، و سنن النسائي، جلد 8، ص: 249. اور حدیث میں الفاظ (يُبَاهِي بكم الملائكة) کا مطلب یہ ہے: "کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ہاں تمھاری فضیلت و بزرگی کا اظہار فرماتا، تمھارے اچھے اعمال انھیں دکھلاتا اور ان کے سامنے تمھاری تعریف فرماتا ہے۔

لوگوں کو یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ہم یہاں اس لیے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس (اللہ وحدہ لاشریک) نے جو ہمیں اسلام لانے کی نعمت سے نوازا ہے، اس پر اس ذات کی حمد وثناء کریں تو آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''کیا اللہ نے تم کو اسی خاطر بٹھایا ہے؟.......... لیکن حال ہی میں میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے ہیں اور انھوں نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے (فرشتوں کے پاس) فخر کرتا ہے۔''

* اور ''صحیح مسلم'' ہی میں حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

«لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ تَعَالٰى إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيمَنْ عِنْدَهُ»

''جب بھی کسی قوم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتے ہیں تو فرشتے ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر طمانیت (کی برکھا) برستی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے ہاں (فرشتوں اور دیگر مخلوق میں) کرتے ہیں۔''[1]

[فصل]: ''ذکر'' دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی اور افضل یہ ہے کہ ذکر دل اور

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2700، جامع الترمذي، حدیث: 3578 اور حدیث میں الفاظ «غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ» کا معنیٰ ہے، ''کہ اللہ کی رحمت انھیں ہر طرف سے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ اور لفظ «السَّكِينَةُ» سے مُراد وہ طمانیت ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہوا ہے۔ «هو الذی أنزل السَّكِينَةَ فی قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ...... الآية» (سورۃ الفتح: 4) ''وہی ذات ہے، جس نے اہل ایمان کے دلوں میں اطمینان ڈال دیا تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ مزید اطمینان کا اضافہ کرلیں۔''

زبان دونوں سے ایک ساتھ ہو اور اگر ذاکر دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء چاہے تو دل افضل ہے، پھر اس گمان کے خوف سے کہ کہیں یہ ریاکاری (دکھلاوہ) نہ ہو، دل کے ساتھ زبان سے ذکر ترک نہیں کر دینا چاہیے، بلکہ اللہ جل شانہ کی رضا (اور خوشنودی) چاہتے ہوئے، دل اور زبان دونوں سے ایک ساتھ ذکر کرنا چاہیے۔

اور ہم نے قبل ازیں حضرت فضیل رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کا اپنا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''کہ لوگوں کی خاطر کسی عمل سے رُک جانا ریاکاری، (یعنی دکھلاوہ) ہے'' اور ویسے بھی اگر انسان اپنی ذات پر لوگوں کے ملاحظہ، (یعنی عمل کی نگرانی) کا دروازہ کھول لے تو اس (احتیاطی) طرزِ عمل کی وجہ سے ان پر بہت سے بھلائی کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ خود بھی اپنے حق میں دینی سرگرمیوں سے متعلق بہت کچھ ضائع کر بیٹھے گا اور یہ اندازِ فکر عارفین (اہلِ معرفت) کا نہیں۔'' (کہ محض لوگوں کے دیکھنے کی بناء پر کسی کارِ خیر کو چھوڑ دیا جائے۔)

* اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے، وہ کہتی ہیں کہ یہ آیت کریمہ (وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا) ''اور آپ اپنی پکار نہ زیادہ بلند آواز سے کریں اور نہ بالکل پست آواز سے...... الخ''[1] دُعا کے بارے میں نازل ہوئی۔''

[**فصل**]: یہ بات جان لیجیے! کہ ذکر کی فضیلت، تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر،[2] اور اسی طرح کے دیگر اذکار میں ہی محصور (بند) نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ہر عمل کرنے والا شخص، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے، یہی بات حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل علم نے کہی ہے۔

* حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ ذکر کی مجلسیں حقیقت میں ''حلال و حرام'' کی مجلسیں ہیں، کہ آپ کوئی چیز کیسے خریدیں گے؟ کیسے بیچیں گے؟ اور آپ کیسے نماز پڑھیں

---

[1] سورة الإسراء 110.

[2] تسبیح سے مراد سبحان اللہ، تہلیل سے مراد لا إلہ إلا اللہ، تحمید سے مراد الحمد للہ اور اسی طرح تکبیر سے مراد اللہ اکبر کہنا ہے اور یہ کم از کم الفاظ میں (مترجم)



گے؟ کیسے روزہ رکھیں گے؟ اور کیسے نکاح کریں گے؟ کیسے طلاق دیں گے؟ اور اسی طرح آپ کیسے مناسکِ حج ادا کریں گے؟ نیز اس طرح کے دیگر بھلائی کے کام آپ کیسے بجالائیں گے؟

**[فصل]**: اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مومن عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''[1]

* اور صحیح مسلم[2] میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

① سورة الأحزاب 35.

② صحيح مسلم، حديث: 2676، و جامع الترمذي، حديث: 3590 اور آیت کریمہ میں "المفرّدون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو دیگر لوگوں سے منفرد اور مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔'' اور حاشیہ (أ) میں یہ عبارت ہے: (اَلْمُفَرِّدُونَ) ''راء'' کے فتح اور کسرہ، یعنی زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے مگر ''کسرہ'' کے ساتھ زیادہ مشہور ہے جیسے (اَلْمُفَرِّدُونَ) اور مُراد ان سے وہ لوگ ہیں، جن کے دل و دماغ میں ''ذکر'' گھر کر جائے اور سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ''یاد'' کے انھیں ہر چیز سے الگ تھلگ کر دے اور وہ ''ذاکرین'' اللہ تعالیٰ کو ''ذکر'' سے یکتا تسلیم کرتے اور ''ذکر'' کے علاوہ اور کوئی چیز اس کی ذات سے وابستہ نہیں رکھتے۔'' ⇦⇦

نے ارشاد فرمایا:

«سَبَقَ الْمُفَرِّدُونَ، قَالُوا: وَمَا الْمُفَرِّدُونَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّ الذَّاكِرَاتُ»

''سبقت لے گئے مفرّدون لوگ، صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مفرّدون کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّ الذَّاكِرَاتُ»، یعنی آیتِ کریمہ کی رُو سے، کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔''

میں (امام نووی رحمہ اللہ) کہتا ہوں: کہ «الْمُفَرِّدُونَ» میں ''راء'' کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اور مشہور ''قراءت'' جیسا کہ جمہور اہل علم کہتے ہیں: ''راء'' کی شد کے ساتھ ہے اور یہ بات بھی جان لیجیے! کہ یہ آیتِ کریمہ[1] ان آیاتِ مبارکہ میں سے ہے، جن کی بابت معرفت کا اہتمام اس کتاب کے مؤلف (اور اسی طرح اس کے مطالعہ کرنے والے) کو ضرور کرنا چاہیے۔ اور اہل علم کے ہاں اس آیتِ کریمہ کے مفہوم میں مختلف اقوال ہیں:

① امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، کہ آیتِ ہذا میں مذکور وہ ذکر کرنے لوگ مراد ہیں، جو دن اور رات کی فرض نمازوں کے بعد اور اپنی آرامگاہوں میں جب وہ سوتے اور سو کر اٹھتے ہیں اور اسی طرح صبح وشام اپنے گھروں میں آتے جاتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

② حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس وقت تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿الذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا والذَّاكِرَاتِ﴾ میں شامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے (ہر حالت میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے۔

① اس آیت کریمہ سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب 35)

③ اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ جو شخص پانچ فرض نمازیں ان کے حقوق بجالاتے ہوئے ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے۔ ﴿الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا والذّٰكِرَاتِ﴾ اور یہ ساری عبارت ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ کی نقل کردہ ہے۔

✵ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی رات کے وقت اپنی اہلیہ کو جگائے، پھر وہ دونوں نفلی نماز ادا کریں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دونوں مل کر دو رکعت نماز ادا کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت لکھ دیے جائیں گے۔ ﴿الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا والذّٰكِرَاتِ﴾'' [1] یہ حدیث مشہور ہے اور اسے امام ابوداود، امام النسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔''

✵ اور شیخ الامام ابوعمرو بن الصلاح رحمہ اللہ سے ''ذکر'' کی مقدار کے بارے میں پوچھا گیا، جس کی بناء پر کوئی شخص ﴿الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا والذّٰكِرَاتِ﴾ کے زمرے میں شامل ہوسکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا: کہ جب کوئی شخص صبح وشام پڑھے جانے لے وہ اذکار ماثورہ [2] رات اور دن مختلف اوقات اور حالات میں بلاناغہ پڑھے جو کہ ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' [3] کی

---

① سنن أبي داؤد، حدیث: 1309 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی السنن الکبریٰ میں، سنن ابن ماجہ (1335) نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تخریج میں کہتے ہیں: کہ امام موصوف رحمہ اللہ کے اس قول ''یہ حدیث مشہور ہے'' سے مراد لوگوں کی زبان پر اس کا شہرت پانا ہے، نہ کہ ''علم المصطلح'' کی رُو سے اصطلاحی معنیٰ'' جبکہ یہ علی بن الاقمر جو کہ الاغر سے روایت کرتا ہے۔ کے افراد میں سے ہے، پھر حافظ موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: کہ اسے امام أبوداوٗد نے اور دیگر حضرات (محدثین) نے روایت کیا، جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے مگر انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ذکر کیا ہے تو میں نہیں جانتا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کیوں حذف کردیا ہے جس نے بھی ان دونوں سے ایک ساتھ اس حدیث کو نکالا ہے ''مرفوع'' نکالا ہے اور جس نے اکیلے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے یہ حدیث ذکر کی ہے تو اس نے (مرفوع کے بجائے) موقوف بیان کی ہے۔ دیکھیے: ''الفتوحات الربانیة'' جلد 1 ص: 122۔

② ''ماثورہ'' اذکار سے مراد وہ اذکار اور دعائیں ہیں، جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور ان میں باہمی تعارض کے وقت، جو سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہوگی، اسے دوسروں پر مقدم کیا جائے گا۔''

③ یعنی ہر وہ کتاب جو اس موضوع پر تالیف کی گئی ہے۔ جیسے: امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب: ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' وغیرہ۔

کتاب میں واضح طور پر بیان ہوئے ہیں تو وہ ﴿الذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا والذّٰكِرَاتِ﴾ میں سے شمار ہوگا۔" (اور اس بارے میں اصل حقیقت اللہ جل شانہ ہی جانتے ہیں)۔

* اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بے وضوء اور جنبی شخص اور اسی طرح حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے تسبیح و تہلیل، تحمید و تکبیر، اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے ساتھ دُعا وغیرہ کرنا جائز ہے، مگر جنبی، حیض اور نفاس والی عورتوں پر قرآنِ حکیم کی تلاوت حرام ہے اور اس میں کم زیادہ یا بعض آیات کی تلاوت، سب کا حکم ایک جیسا ہے، جبکہ اسے لوگوں کے لیے دل (کی تختی) پر رکھ کر، بغیر الفاظ ادا کیے اور اسی طرح مصحف سے دیکھ کر بغیر زبان استعمال کیے قرآنِ حکیم کو جاری رکھنا جائز ہے۔

ہمارے اساتذہ کرام کا اس بارے میں یہ کہنا ہے: "کہ قرآن حکیم کی تلاوت کا قصد کیے بغیر مصیبت کے وقت (إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَجِعُونَ )[1] کہ بے شک ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور اسی کی جانب لوٹنے والے ہیں۔" سواری پر سوار ہوتے وقت "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِينَ"[2] "کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے تابع فرمان بنادیا، حالانکہ ہم میں اس کو مسخر کرنے کی طاقت نہ تھی۔" اور دُعاء کے وقت "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"[3] کہ "اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں (بھی) نیکی عطاء فرما! اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔" صرف حائضہ اور جنبی کے لیے پڑھنا جائز ہے۔ اور انہیں دونوں کے لیے بِسْمِ اللّٰهِ اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا بھی جائز ہے اگر وہ نیت میں قرآن حکیم کے الفاظ مراد نہ لیتے ہوں خواہ ان کا اس سے ذکر کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ گناہ گار اسی

---

① سورة البقرة 156 .

② سورة الزخرف: 13، اور ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس کے آیت دوسری آیت بھی ملائی جائے۔ (وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ) "اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں۔" "الفتوحات الربانية" جلد 1 ص: 130.

③ سورة البقرة 201.

وقت ہوں گے جب وہ یہ الفاظ کہتے وقت قرآنِ حکیم مراد لیں۔

اور اسی طرح ان دونوں (حائضہ اور جنبی) کے لیے ان آیات کی قراءت بھی جائز ہے، جن کی تلاوت تو منسوخ ہو چکی ہے (مگر حکم باقی ہے) جیسے «اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا» ''کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب دونوں زنا کا ارتکاب کریں تو انھیں رجم کر دو۔''

اور اگر یہ دونوں قرآنِ حکیم کا قصد (ارادہ) کیے بغیر کسی انسان کو یہ الفاظ کہیں (خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) کہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو! یا (اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ) ''کہ اس جگہ سلامتی کے ساتھ امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ! یا اسی مفہوم کے دیگر الفاظ تو یہ جائز ہے۔ اور اگر پانی دستیاب نہ ہونے کی بناء پر یہ دونوں تیمّم کر لیں۔ تو ایسے میں ان کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے، خواہ اس کے بعد وہ بے وضوء بھی ہو جائیں تب بھی یہ قرآن پڑھ سکتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے ایک انسان غسل طہارت کے بعد بے وضوء ہو جاتا ہے۔ (اور اس کے لیے قرآن پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہوتی) اور ایسی صورت میں یہ فرق نہیں کیا جائیگا کہ آیا انھوں نے اقامت کی حالت میں پانی نہ ملنے کی بناء پر تیمّم کیا ہے یا کہ دورانِ سفر، لہٰذا کوئی بھی صورت ہو، تیمّم کے بعد بے وضوء ہو جانے پر وہ قرآن حکیم پڑھ سکتے ہیں۔

اور اس مسئلہ میں ہمارے بعض اساتذۂ کرام کا یہ کہنا ہے، کہ اگر ایسا شخص مقیم ہو تو ایسے تیمّم سے وہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نماز میں قراءت بھی کر سکتا ہے مگر نماز کے علاوہ قرآن پڑھنا اس کے لیے جائز نہیں اور درست بات یہی ہے کہ وہ نماز کے علاوہ بھی قرآن پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اس لیے کہ تیمّم بہر حال غسل کے قائم مقام ہے۔

اور اگر جُنبی شخص پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کر چکا ہو اور پھر پانی دیکھ لے تو اس پر پانی سے غسل کرنا لازم ہوگا اور اس کے بغیر قرآن حکیم کی تلاوت نیز ہر وہ چیز اس پر حرام ہوگی، جو کہ غسل سے پہلے ایک جنبی شخص پر حرام ہوتی ہے۔

اور ایسا شخص جس نے تیمّم کر لیا ہو، پھر نماز پڑھ لی اور قرآن حکیم بھی پڑھ لیا اور بعد ازاں

بے وضوء ہو جانے پر یا دوسرے فرض کی ادائیگی کے لیے یا کسی اور غرض سے وہ دوبارہ تیمم کرنا چاہے تو اس حالت میں بھی اس کے لیے قرآنِ حکیم پڑھنا حرام نہیں۔"

اور اس مسئلہ میں یہی درست اور پسندیدہ مذہب ہے اور ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اسے "حرام" قرار دینا "ضعیف" قول ہے۔ (واللہ اعلم)

اور اگر جنبی شخص غسل کے لیے نہ پانی پا سکے اور نہ تیمم کے لیے مٹی تو اندریں صورت نماز کا وقت نکل جانے کے ڈر سے وہ اسی حالت میں نماز ادا کرلے مگر نماز کے علاوہ، اس پر قرآن پڑھنا حرام ہوگا اور اسی طرح نماز میں بھی سورۃ الفاتحہ سے زائد قرآن کی تلاوت ممنوع ہوگی۔

اور کیا ایسی صورت میں سورت فاتحہ بھی پڑھنا حرام ہے؟ تو اس میں دو قول ہیں:

① دونوں میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ایسے میں سورت فاتحہ پڑھنا حرام نہیں بلکہ واجب ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور اس لیے بھی کہ جس طرح ضرورت کی بناء پر نماز کا پڑھنا جائز ہوا، اسی طرح نماز میں سورت فاتحہ کا پڑھنا بھی جائز ہوگا۔

② کہ سورت فاتحہ کا پڑھنا حرام ہے، بلکہ (اس کے بجائے)، وہ ایسے اذکار پڑھے، جو قرآنِ حکیم کو اچھے انداز سے ادا نہ کر سکنے والا پڑھتا ہے۔

☀ اور جو کچھ میں نے پہلے ذکر کیا ہے، اس سے متعلقہ یہ چند فروعات (جزئیات) تھیں، جن کا تذکرہ کرنا میں یہاں مناسب سمجھتا تھا، وگرنہ ان سے متعلق کامل مباحث اور ان پر مفصل دلائل کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔"

[**فصل**]: اور ذاکر (ذکر کرنے والے) کو چاہیے کہ وہ دورانِ ذکر کامل اور عمدہ صفات کا حامل ہو، اگر وہ کسی جگہ بیٹھا ہے تو قبلہ رُخ ہو کر نہایت عاجزی و انکساری، پورے خشوع و خضوع اور مکمل اطمینان و وقار کے ساتھ، اپنے سر کو نیاز مندی کے لیے جھکائے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں بیٹھے۔ اور اگر وہ ان کیفیات سے ہٹ کر ذکر کرتا ہے تو اس کے حق میں بغیر کراہت کے جائز ہے لیکن اگر بغیر کسی معقول عذر کے وہ ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتا تو پھر افضلیت سے محروم رہ جائے گا۔ مگر یہ عام کیفیت مکروہ نہیں اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ،الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ....﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے، نیز آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔“[1]

* اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث ہے، وہ کہتی ہیں: ”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں میری گود سے سہارا لیے ہوئے کہ میں حائضہ ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ رہے ہوتے۔[2] اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں۔ (وَ رَأْسُهُ فِي حِجْرِي وَ أَنَا حَائِضٌ)[3] ”اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں ہوتا اور میں حائضہ ہوتی۔“ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات بھی مروی ہے، وہ کہتی ہیں: میں اپنا ”حزب“[4] اس حال میں پڑھتی کہ میں اپنی چارپائی پر چت لیٹی ہوتی تھی۔“

[**فصل**]: اور جہاں انسان ذکر کرے وہ جگہ ہر قسم کے شور وغوغا، لوگوں کی چہل پہل سے خالی اور ہر طرح کی گندگی ونجاست سے پاک اور صاف ہونی چاہیے اور یہ بات خود ذکر کے عمل اور جس ذات کا ذکر کیا جاتا ہے، دونوں کی عزت واحترام کی بہت بڑی علامت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مساجد اور ان جیسی دیگر بابرکت جگہوں میں ذکر کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔

* اور جلیل القدر امام ابو میسرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف

---

[1] سورۃ اٰل عمران 191,190 .

[2] صحيح البخاري، حديث:297، و صحيح مسلم، حديث:301 .

[3] صحيح البخاري، حديث:7549 .

[4] ”حزب“ سے مراد قرآنِ حکیم میں کسی مخصوص حصے کی تلاوت۔ (مترجم)

پاکیزہ جگہ میں کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ''ذاکر'' کا منہ بھی پاک اور صاف ہونا چاہیے تو اگر اس کے منہ میں کسی ناپسندیدہ چیز کا شائبہ ہو تو مسواک سے اس کا ازالہ کرے اور اگر کوئی گندگی ہو تو پانی سے اچھی طرح صاف کر لے اور اگر وہ دھوئے بغیر اسی حالت میں ذکر کرے گا تو یہ عمل حرام تو نہیں مگر مکروہ ہوگا اور اسی طرح عام ذکر سے ہٹ کر منہ میں گندگی کے ہوتے ہوئے اگر قرآن حکیم پڑھتا ہے تو اسے بھی مکروہ کہا گیا ہے۔ جبکہ اس کے حرام ہونے کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ہاں دو آراء ہیں، جن میں سے زیادہ صحیح رائے یہی ہے کہ ایسا کرنا حرام نہیں۔

یہ بھی بات جان لیجیے! کہ ذکر کرنا[1] ہر حالت میں ہی محبوب عمل ہے سوائے ان چند حالات و کیفیات کے کہ جن میں ذکر کرنا شریعت کاہرہ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور ہم یہاں ان احوال سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ جن کا ذکر عنقریب ان کے متعلقہ ابواب میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا، چند ایک کو اشارۃً ذکر کرتے ہیں، مثلاً: قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے ''ذکر'' کرنا، میاں بیوی کی ہم بستری کے وقت، یعنی جماع کی حالت میں، خطیب کے خطبہ کے دوران اگر وہ خطیب کی آواز سن سکتا ہو اور اسی طرح نماز میں ''قیام'' کی حالت میں جبکہ اس وقت ذکر کی بجائے قرآن حکیم کی قراءت و سماعت میں مشغول رہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جب آدمی اونگھ رہا ہو'' تو ان مذکورہ حالات و کیفیات میں ذکر مکروہ گردانا گیا ہے مگر راستے میں یا حمام کے اندر ذکر ''مکروہ'' نہیں سمجھا گیا۔ (واللہ اعلم)

**[فصل]**: اور ذکر سے اصل مقصود (اللہ کی بارگاہ میں) دل کی حاضری اور یکسوئی ہے۔ اور یہی ذکر کرنے والے کا مقصود و مطلوب ہونا چاہیے اور اسی کے حصول کی اسے ہر دم تڑپ رہنی چاہیے، لہٰذا جن چیزوں کو وہ پڑھے، ان میں غور و فکر کرے اور ان کے معانی کو بھی سمجھے تو ذکر میں غور و خوض ایسے ہی مطلوب ہے جیسے قرآن حکیم کی قراءت میں کیونکہ دونوں چیزوں کا مقصود ایک جیسا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحیح اور پسندیدہ مذہب کے مطابق ''ذاکر'' کا کلمۂ توحید

[1] یہاں ''ذکر'' سے مراد زبان سے ذکر کرنا ہے۔

«لا إله إلا الله» کو لمبا کر کے پڑھنا، اس لیے پسند کیا گیا ہے کہ پڑھائی کے دوران کلمات کے معانی ومفاہیم میں ''تدبر'' کا موقع مل جاتا ہے۔ اور اس بارے میں سلف صالحین اور بعد میں آنے والے ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال خاصے مشہور ہیں۔

[**فصل**]: ایسا شخص جس کا اذکار میں سے کوئی وظیفہ رات یا دن یا نماز پنجگانہ کے بعد یا کسی اور وقت میں مقرر ہو اور پھر وہ اس سے چھوٹ جائے تو اس تساہل کا اسے تدارک کرنا چاہیے اور جب بھی اس کے لیے ممکن ہو، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے وہ اس متعین وظیفے کو بعد میں پڑھ لے،[1] اس لیے کہ جب اس نے اور زمرہ کی زندگی میں ایک ذکر کو معمول بنالیا ہے۔ تو پھر اس خیر وبرکت کے عمل کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے کہ کہیں اس کی قضاء میں سستی اور غفلت ان اذکار کو ان کے اصل وقت پر پڑھنے میں رکاوٹ نہ بن جائے۔

* اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو اپنا ''حزب'' یا اس کا کچھ حصہ پڑھے بغیر سو جائے اور بعد ازاں وہاں سے نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان (کسی بھی وقت) پڑھ لے تو اس کے لیے اتنا ہی اجر لکھ دیا جائے گا جیسا کہ اس نے اسے رات کو ہی پڑھا ہو۔''[2]

بسا اوقات ذکر کرنے والے کو ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں کہ جن میں اس کے لیے

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ کے اس بیان سے مراد وہ وظائف اور اذکار ہیں جو خود بھی اور ان کے پڑھنے کے اوقات بھی کتاب وسنت سے ثابت ہیں اور کوئی شخص ان میں سے بعض کو شب وروز پڑھنے کا معمول بنالیتا ہے۔ کیونکہ کسی بھی قسم کے ذکر کی تعیین میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ آیا وہ ذکر یا اس کے وقت کا تعین صحیح شرعی نصوص سے ثابت ہے یا کسی اور ذریعہ سے لہٰذا وحی الٰہی (کتاب وسنت) سے ہٹ کر کسی بھی ''ذکر'' یا ''دعا'' کو از خود معمول بنانا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ ہی چھوٹ جانے پر اس کی قضاء لازم ہے۔'' (مترجم)

[2] صحیح مسلم، حدیث: 747، و سنن أبي داؤد، حدیث: 1313، و جامع الترمذي، حدیث: 581 اور موطا جلد 1، ص: 200 اور حدیث میں ''قرآن حکیم'' کے ''حزب'' سے مراد، وہ مخصوص حصہ ہے، جسے انسان ہر روز باقاعدگی سے (بلاناغہ) پڑھتا ہے۔ اور اس حدیث میں ''حزب'' سے مراد وہ ذکر ووظائف یا نفلی نماز یا قرآنِ حکیم کی تلاوت ہے، جسے ایک شخص اپنے روزانہ کے معمولات میں باقاعدگی سے بجالاتا ہے۔

ذکر کو روک دینے اور بعد ازاں ان حالات کے ختم ہو جانے پر دوبارہ ذکر کی طرف لوٹنا مستحب عمل ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے، کہ جب اس کو سلام کہا جائے تو وہ ذکر کو روک کر سلام کا جواب دے اور پھر ذکر کی طرف پلٹ آئے، اسی طرح اگر اس کے پاس کسی کو چھینک آئے تو وہ چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دے اور پھر ذکر کرنا شروع کر دے اور یہی انداز خطیب کا خطبہ سن کر اپنائے، نیز یہ کہ جب وہ مؤذن کی اذان سنے تو اذان و اِقامت کے کلمات کہہ کر اس کا جواب دے اور پھر سے اپنا ذکر شروع کر دے۔ اور اسی طرح دوران ذکر، اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کا ازالہ کرے، اگر کوئی اچھائی نظر آئے تو اس کی جانب راہنمائی کرے یا کوئی شخص اس سے کوئی دینی بات پوچھ لے تو وہ (اپنی علمی استعداد کے مطابق) اسے جواب دے اور پھر ذکر کی طرف لوٹ آئے اور اگر دورانِ ذکر اسے اونگھ آجائے تو پہلے آرام کر لے، اور پھر تازہ دم ہو کر ذکر کرے یا اسی طرح کے دیگر احوال میں یہی طرزِ عمل اختیار کرے۔

[**فصل**]: اور یہ بات جان لیجیے! کہ مشروع اذکار و وظائف خواہ نماز میں پڑھنے کے لیے ہوں یا نماز کے علاوہ، واجب ہوں یا مستحب ان میں کوئی چیز بھی اس وقت تک نہ شمار کی جائیگی اور نہ اس پر کوئی اجر لکھا جائے گا، جب تک کہ وہ ان کو اپنے الفاظ میں اس حد تک ادا نہ کر لے، کہ اسے خود وہ الفاظ (اپنے تئیں) سُنائی دیں، [1] اگر اس کی قوتِ سماعت صحیح طور پر کام کرتی ہو۔

[**فصل**]: یہ بات بھی جان لیجیے! کہ ائمہ کرام ﷭ کی ایک پوری جماعت نے "عَمَلُ

[1] بعض کج فہم اور کم علم لوگ دوسروں کے دیکھا دیکھی اور اپنی قوتِ گویائی صحیح سالم ہوتے ہوئے بھی بغیر زبان سے الفاظ ادا کیے اور اپنی توجہ خاص سمت مرکوز کرتے محض اپنے دل سے ذکر کرتے ہیں اور معاملہ یہاں تک جا پہنچتا ہے کہ وہ اپنے خیالات و تصورات میں ہی نمازیں اور حج بھی ادا کر لیتے ہیں، اور قرآن کی تلاوت بھی، اور بعد تو یہ دعویٰ کرنے سے بھی نہیں ڈرتے "حَدَّثَنِي قَلْبِي عَنْ رَبِّي" یہ کہ مجھے میرے دل نے میرے پروردگار سے یہ بات بیان کی ہے۔ (وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ) جو کہ بے فائدہ عمل اور صرف وقت کا ضیاع ہے۔ (مترجم)

الْيَوْمِ[1] وَ اللَّيْلَةِ" کے نام سے بڑی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور ان میں جو کچھ انھوں نے روایت کیا ہے۔ متصل اسانید اور متعدد طرق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نیز ان میں سب سے بہتر کتاب امام ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمہ اللہ کی "عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" ہے اور پھر اس سے بھی اچھی، عُمدہ اور بہت سے فوائد کی حامل کتاب ان کے اپنے ہم عصر صاحب امام ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی رحمہ اللہ کی "عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" ہے اور میں نے امام موصوف رحمہ اللہ کی یہ ساری کتاب اپنے شیخ الامام الحافظ ابوالبقاء خالد بن یوسف[2] بن سعد بن الحسن رضی اللہ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ رکھتے ہوئے بایں سند سنی ہے:

ہمارے شیخ کہتے ہیں: ہمیں خبر دی الامام العلامہ ابوالیمن زید بن الحسن بن زید بن الحسن الکندی (602ھ) نے، وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی ہمارے شیخ الإمام ابوالحسن سعد الخیر محمد بن سہل الأنصاری نے وہ کہتے ہیں: ہم کو خبر دی ہمارے شیخ الإمام أبومحمد عبدالرحمٰن بن سعد بن احمد بن الحسن الدینوری نے، انھوں نے کہا ہمیں خبردی، ہمارے شیخ ابوبکر أحمد بن اسحاق السنی رحمہ اللہ نے............اور یہاں میں نے یہ سند محض اس لیے ذکر کی ہے کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ ابن السنی کی کتاب سے بھی کچھ روایات نقل کروں گا، لہٰذا میں نے کتاب کی سند کو پہلے سے ہی ذکر کر دینا بہتر سمجھا ہے، نیز یہ اسلوب ائمہ حدیث اور دیگر ائمہ ہدیٰ کے ہاں پسندیدہ رہا ہے اور اس بناء پر بھی میں نے کتابِ ہذا کی سند کو بطور خاص ذکر کیا ہے کہ اس فن میں لکھی گئی یہ سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔

---

[1] "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" سے مصنف رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ جملہ اقوال و اعمال جو ثابت شدہ ہیں اور رات دن معمول کے مطابق سرانجام دیئے جاتے ہیں۔

[2] یہ خالد بن یوسف بن سعد بن حسن بن مفرج ہیں جو کہ الإمام المفید، المحدث الحافظ، زین الدین، ابوالبقاء، النابلسی پھر الدمشقی مشہور ہیں۔ 585ھ میں پیدا ہوئے اور القاسم بن عساکر، محمد بن الخطیب، حنبل الرصافی رحمہم اللہ اور دیگر اہل علم سے سماع کیا، جبکہ ان سے امام النووی، تقی الدین القشیری، ابوعبداللہ الملقن، البرہان الذہبی رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم نے اکتسابِ علم کیا۔ یہ 663ھ میں فوت ہوگئے۔ دیکھیے: مزید تفاصیل کے لیے امام الذہبی رحمہ اللہ کی "طبقات الحفاظ" جلد 4، ص: 1447.

وگرنہ میں اپنی کتاب میں جو کچھ بھی ذکر کروں گا سوائے شاذ ونادر جگہوں کے، الحمد للہ، ساری روایات صحیح اور متصل اسانید سے سماع شدہ ہوں گی۔ نیز جن کتبِ حدیث سے میں روایات نقل کروں گا، ان میں سرِفہرست وہ پانچ کتابیں ہیں جنھیں اسلام کا اصول گردانا گیا ہے اور وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن أبی داود، جامع الترمذی اور سنن نسائی ہیں اور انہیں میں سے مسانید اور سنن کی کتابیں ہیں جیسے مؤطا امام مالک، مسند امام احمد بن حنبل، مسند أبی عوانہ، سنن ابن ماجہ، سنن الدارقطنی اور سنن البیہقی وغیرہ، اور اسی ذیل میں چند ''اجزاء'' بھی ہیں جنھیں آپ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب (دورانِ مطالعہ) ملاحظہ کریں گے۔ اور ان ساری مذکورہ کتب سے میں ان کے مؤلفین تک صحیح اور متصل روایات نقل کروں گا۔ (واللہ ولی التوفیق)

[**فصل**]: یہ بات جان لیجیے! کہ میں اپنی اس کتاب میں جو حدیث بھی ذکر کروں گا، اس کی نسبت مشہور کتبِ حدیث یا دیگر ان کتابوں کی طرف کروں گا جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، پھر جو کچھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم، میں یا ان دونوں میں سے کسی ایک میں ہے، ذکر کرتے ہوئے ان کی طرف صرف نسبت پر اکتفاء کروں گا کیونکہ محض ان کا ذکر ہی مقصد کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اور وہ ان کا صحیح ہونا ہے، پھر جو کچھ ان میں منقول ہے، وہ بھی سب کا سب صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

اور جو کچھ ان کے علاوہ دیگر کتب میں وارد ہوا ہے تو میں نے ان روایات کے صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کو (اگر ان میں فی الواقع ضعف ہے) اکثر مقامات پر واضح کرتے ہوئے ان کی نسبت متعلقہ کتبِ سنن یا ان جیسی دوسری کتابوں کی طرف کر دی ہے۔ نیز یہ بات بھی جان رکھیے!

کہ سب سے زیادہ جس کتاب سے میں روایات نقل کروں گا، وہ سنن أبی داود ہے۔ اور ہمیں امام ابوداود رحمہ اللہ سے مروی یہ روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ میں نے اپنی کتاب میں صحیح اور جو صحیح کے مشابہ اور پھر جو اس کے قریب تر ہے، ذکر کیا ہے۔ اور جس روایت میں شدید ضعف ہے اسے میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور جس بارے میں نے کچھ ذکر نہیں کیا تو وہ

درست ہی ہے اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ صحیح ہے، یہ سارا کلام امام ابوداود رحمہ اللہ کا ہے۔
اور اس کلام میں کتاب ہذا کے مؤلف اور دوسرے پڑھنے والے حضرات کا بھی بہت فائدہ ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے:

''کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں جو کچھ روایت کیا ہے اور اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا تو وہ ان کے ہاں یا تو ''صحیح'' ہے یا پھر حسن اور یہ دونوں قسم کی روایات اُحکام میں حجت ہیں۔ اور پھر فضائل میں تو اس سے بڑھ کر قابل حجت ہوں گی، لہٰذا جب یہ بات ثابت ہو چکی تو آپ جب بھی امام موصوف رحمہ اللہ کی، بغیر کسی ضعف کی نشاندہی کے۔ کسی روایت کو پائیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ انہوں نے اسے ضعیف قرار نہیں دیا۔ [1]

اور میں نے بہتر سمجھا کہ کتاب کے آغاز میں سب سے پہلے مطلق ''ذکر کی فضیلت'' میں ایک باب پیش کروں اور اس میں موضوع سے متعلق اختصار سے ایسا مواد ذکر کر دوں جو کہ

---

[1] کتاب الاذکار میں وارد اُحادیث کے ضمن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تخریجات کی جستجو واستقراء کرنے والے شخص کو یہ بات معلوم ہوگی، کہ یہ حکم ان تمام احادیث، جن کی بابت امام ابوداود رحمہ اللہ نے خاموشی اختیار کی ہے، صحیح لاگو نہیں ہوتا۔ اور یہ درج ذیل اسباب کی بناء پر ہے۔

(ا) جیسا کہ امام سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''سنن أبي داود'' اپنے مصنف سے کئی ایک انداز سے مروی ہے اور ہر ایک کی اپنی حیثیت اور اصل ہے۔ جبکہ وہ آپس میں مختلف ہیں، یہاں تک کہ بعض میں اگر ایک چیز کا بیان ہے تو دوسری میں نہیں۔ خاص طور پر ابوالحسن بن العبد کی روایت کہ جس میں ان کے علاوہ کی روایت کے برخلاف زائد اشیاء پر کلام ہے۔ تو ایسی صورت میں تحقیق وتدقیق کے بعد ہی سکوت (خاموشی) درست ہوگی۔

(ب) بسا اوقات امام ابوداود رحمہ اللہ کسی حدیث کے ''ضعف'' کی صراحت'' اس کے واضح طور پر ضعیف ہونے وجہ سے نہیں کرتے۔

(ج) اسی طرح امام ابوداود رحمہ اللہ کا کسی بھی حدیث کو ضعیف قرار دینے سے خاموشی برتنا، بعض دفعہ ان کے اپنے تساہل کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ اس کا تذکرہ حافظ المنذری رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''الترغیب والترهیب'' کے مقدمہ میں کیا ہے۔

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے: کتاب ''الفتوحات الربانیۃ'' جلد 1 ص 170 - 172 اور ''الترغیب والترهیب، جلد 1، ص: 35 - 38 اور ''ریاض الصالحین'' کا مقدمہ ص: ب رہ تحقیق از الامام الالبانی رحمہ اللہ۔

بعد میں آنے والی تفاصیل کے لیے ایک تمہید ثابت ہو سکے۔ بعد ازاں میں متعلقہ ابواب میں کتاب کا اصل مقصود ذکر کروں گا۔ اور پھر آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب کا اختتام ''استغفار کے باب'' سے کروں گا، یہ نیک شگون رکھتے ہوئے کہ اللہ جل شانہ، ہم سب کا خاتمہ بھی ''استغفار'' پر کرے۔

اور ہر نیک کام کی توفیق بھی اللہ جل مجدہ کی جانب سے ہے، اسی کی ذات پر پختہ یقین بھروسہ اور کامل اعتماد ہے اور اسی کے سپرد سارے معاملات اور اسی ایک کا ہی سہارا مطلوب ہے۔

# باب: اذکار اور ان کے فضائل جو کسی بھی وقت پڑھے جاسکتے ہیں

(کسی بھی وقت پڑھے جانے والے اذکار اور ان کے فضائل کا باب)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾

"اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔"①

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾

"تو تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔"②

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

"تو اگر وہ (یونس بن متی علیہ السلام) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو تا قیامِ قیامت مچھلی کے پیٹ میں ہی پڑے رہتے۔"③

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ﴾

"وہ (فرشتے) دن رات اس (اللہ) کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور کبھی آرام نہیں کرتے۔"④

---

① سورۃ العنکبوت 45۔ ② سورۃ البقرۃ 152۔

③ سورۃ الصافات 143-144۔ ④ سورۃ الأنبياء 20۔

* اور ہمیں محدثین کے امام، صحیحین کے مؤلف ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ البخاری، جو ان کے بڑے تھے اور ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری رحمہما اللہ کی اسانید کے ساتھ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جن کے نام کے کم و بیش تیس اقوال ہیں اور سب سے صحیح قول کے مطابق عبد الرحمٰن بن صخر ہے، نیز آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں۔ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو کلمے، جو کہ زبان پر بڑے ہلکے، میزان میں بہت بھاری اور رحمٰن کے نزدیک بہت ہی پیارے ہیں: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ» ''کہ اللہ پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، پاک ہے اللہ بڑی عظمت والا۔''[1] اور صحیح بخاری میں یہ آخری حدیث ذکر ہوئی ہے۔

* اور صحیح مسلم، میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پیارے کلام کی خبر نہ دوں؟ بے شک اللہ کے نزدیک محبوب ترین کلمات یہ ہیں: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ» کہ پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ۔''

اور ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ سب سے افضل کلام کون سا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں یا اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ» کہ پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ۔''[2]

* اور صحیح مسلم ہی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین، یہ چار کلمات ہیں:

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7563، و صحيح مسلم، حديث: 2694، و جامع الترمذي، حديث:3463.

[2] صحيح مسلم، حديث:2731، باب نمبر:85,84، و جامع الترمذي، حديث:3587.

(سُبْحَانَ اللّٰهِ) کہ اللہ پاک ہے، (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ) اور تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ (وَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) اور نہیں ہے کوئی معبود برحق سوائے اللہ کے" (وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) اور اللہ سب سے بڑا ہے۔" ان میں سے جن کلمات سے بھی تو نے ابتدا کی، تجھے کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکے گی۔"[1]

* اور صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پاکیزگی نصف ایمان ہے اور «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» میزان کو بھر دیں گے اور «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ» بھی میزان کو (نیکیوں سے) بھر دیں گے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات زمین وآسمان کے درمیان خلاء کو پُر کردیں گے۔"[2]

* اور صحیح مسلم ہی میں ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کیلئے ان کے پاس سے مسجد کی طرف اس وقت نکلے جب وہ جائے نماز پر تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے بعد واپس تشریف لائے اور وہ ہنوز مصلے پر بیٹھی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تم ابھی تک اسی حالت میں ہو، جس حالت میں میں تجھ کو چھوڑ کر گیا تھا؟ وہ کہنے لگیں: ہاں! تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تیرے بعد تین ایسے کلمات چار مرتبہ کہے ہیں: اگر ان کا وزن، ان اذکار کے ساتھ جو آج تم نے اب تک پڑھے ہیں۔ کیا جائے تو ان کے برابر نکلے۔ (اور وہ کلمات یہ ہیں:) «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، عَدَدَ خَلْقِهٖ، وَرِضَا نَفْسِهٖ، وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ» کہ اللہ پاک ہے اور میں اس کی مخلوق کی تعداد بھر اس کی تعریف کرتا ہوں اور اس حد تک کہ اس ذات کی رضا حاصل ہو جائے، اس کے عرش عظیم کے وزن بھر اور اس کے پاکیزہ کلمات کی سیاہی کے برابر۔" اور

---

① صحيح مسلم، حديث: 2137، و سنن أبي داود، حديث: 4958، و جامع الترمذي، حديث: 2838.

② صحيح مسلم، حديث: 223، و جامع الترمذي، حديث: 3512، و سنن النسائي، جلد 5، ص: 5-6، و سنن ابن ماجه، حديث: 270.

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ»

''میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس کی مخلوق کی تعداد کے ساتھ، میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس کی ذات کی خوشنودی کے ساتھ، میں اللہ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس کے عرش کے وزن کے ساتھ، میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں، اس کے پاکیزہ کلمات کی سیاہی کے ساتھ۔''[1]

* اور جامع الترمذی میں ہمیں یہ روایت بایں الفاظ ملی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تجھ کو ایسے کلمات نہ سکھلاؤں جنھیں تم (بطور ذکر) پڑھا کرو:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ»

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 2726، و سنن أبي داود، حديث: 1503، جامع الترمذي، حديث: 3550، و سنن النسائي، حديث: 4، ص: 77.

اور حدیث میں کلمات: ''مِدَادَ كَلِمَاتِهِ'' سے مراد ہے، تعداد میں اس کے پاکیزہ کلمات کی مثل۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کے کلمات کی مانند جو کہ نہ مٹنے والے ہیں۔ اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ اجر و ثواب میں ان کی مانند۔

بہر حال کلمہ ''المداد'' یہاں مصدر المدد کے معنی میں ہے، کہ جس کے ذریعے کوئی چیز بہت زیادہ بڑھ جائے۔ اہل علم کہتے ہیں: کہ اس لفظ کا یہاں استعمال مجازی طور پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات نہ تعداد میں شمار کیے جا سکتے ہیں نہ اس کے علاوہ کسی اور طرح سے انہیں عقل کی کسوٹی پر ماپا جا سکتا ہے۔ اور یہاں مبالغہ سے مراد کثرت تعداد ہے۔ دیکھیے: حاشیہ صحیح مسلم، جلد 4، ص: 2090.

"کہ اللہ کی ذات پاک ہے اپنی مخلوق کی تعداد کے ساتھ ...... تین بار

کہ اللہ پاک ہے اپنی ذات کی خوشنودی کے ساتھ ............ تین بار

کہ اللہ پاک ہے اپنے عرش عظیم کے وزن کے ساتھ ............ تین بار

کہ اللہ پاک ہے اپنے پاکیزہ کلمات کی تعداد کے ساتھ..... تین بار۔"[1]

* اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کہ میرا یہ کلمات کہنا «سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» "پاک ہے اللہ اور تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے۔" میرے ہاں ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے کہ جس پر سورج طلوع ہوا۔"[2]

* اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات کہے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ» "کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کے لیے ساری بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفات ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" تو اس کا اجر اس شخص کی مانند ہے، جس نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے چار افراد کو غلامی سے آزاد کر دیا۔"[3]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3499 اور اس حدیث میں تین بار کا ذکر، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی پہلی ذکر کردہ روایت سے مطابقت کی بناء پر لیا جائے گا کیونکہ ثقہ راوی کا اضافہ مقبول ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ حدیث ہذا کا ایک شاہد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ جسے امام نووی رحمہ اللہ نے آگے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: "الفتوحات جلد 1، ص: 200.

[2] صحيح مسلم، حديث: 2695، و جامع الترمذي، حديث: 3591.

[3] صحيح البخاري، حديث: 6404، و صحيح مسلم، حديث: 2693، و جامع الترمذي، حديث: 3584 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں (24).

✻ اور صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص یہی کلمات «لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ» دن میں سو مرتبہ کہے تو اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا۔ اور اس کے حق میں ایک سو (۱۰۰) نیکی لکھی جائے گی، ایک سو برائیاں مٹا دی جائیں گی اور اس دن (کے شروع سے) شام تک اس کے لیے شیطان سے (بچاؤ کے لیے) ایک محافظ ہوگا۔ نیز اس شخص سے بڑھ کر کوئی بھی افضل ذکر نہیں لایا، سوائے اس شخص کے جس نے (اس دن) اس سے بھی کہیں زیادہ عمل کیا ہو۔"[1]

✻ اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» "کہ سب سے فضیلت والا ذکر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔"[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"

✻ اور صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں:

"کہ اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کی جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا، زندہ اور مردہ شخص کی سی ہے۔"[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6403، و صحيح مسلم، حديث 2691، و جامع الترمذي، حديث: 3464 اور «الموطا» میں جلد 1، ص: 209 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں: (26).

[2] جامع الترمذي، حديث: 338 اور امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے موسیٰ راوی کی حدیث کے سوا نہیں پہچانتے۔، و سنن ابن ماجه، حديث: 3800 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے موسیٰ بن ابراہیم راوی کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ غلطی بھی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

[3] صحيح البخاري، حديث: 6407، اور صحيح مسلم، حديث: 779 میں یہ الفاظ مذکور ہیں: ⇦ ⇦

* اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: ''مجھے ایسا کلام سکھلایئے جسے میں کہا کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات کہو:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ»

''کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہر قسم کی بہت زیادہ تعریفات ہیں۔ اور اللہ پاک ہے، سارے جہانوں کا پروردگار ہے، نہیں ہے نیکی کی طاقت اور نہ برائی سے بچنے کی قوت سوائے اللہ غالب، حکمت والے کی توفیق کے۔''

اس پر وہ بدوی کہنے لگا: یہ کلمات تو رہے میرے پروردگار کے لیے، میرے لیے کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو!:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي»

''اے اللہ! مجھے معاف کردے اور مجھ پر رحم فرما! اور مجھے ہدایت سے نواز اور مجھے روزی عطا فرما۔''[1]

* اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: اس حال میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم میں

⇐ «مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيهِ، وَ الْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيهِ: مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ»
''کہ اس گھر کی مثال، جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے زندہ اور مُردہ گھر کی سی ہے۔''

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2696، نیز حدیثِ ہذا کا تتمہ یہ الفاظ ہیں: «فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ تَجْمَعُ لَكَ دُنْيَاكَ وَ آخِرَتَكَ» ''کہ یہ سب کلمات تیری دنیا اور آخرت (کی ساری بھلائیوں اور نیکیوں) کو تیرے لیے ایک ساتھ اکٹھا کردیں گے۔''

سے کوئی اس حد تک عاجز ہے کہ وہ ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں سمیٹ لے؟ تو مجلس میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا ہم میں سے کوئی ایک ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ (اے اللہ کے رسول ﷺ!) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''جو ایک دن میں ۱۰۰ سو بار اللہ کی تسبیح بیان کرلے تو اس کے بدلے میں اس کی ایک ہزار نیکی لکھی جائے گی۔ یا اس کی ایک ہزار (۱۰۰۰) خطائیں مٹادی جائیں گی۔''[1]

امام الحافظ ابوعبداللہ الحمیدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صحیح مسلم کی ساری روایات میں یہی الفاظ (أَوْ تُحَطُّ) ذکر ہوئے ہیں: جبکہ البرقانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: کہ اسے شعبہ، ابوعوانہ اور یحیٰ القطان رحمہم اللہ نے اس موسیٰ راوی سے روایت کیا ہے کہ جس سے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور یہ سب حضرات کہتے ہیں: کہ روایت میں (أَوْ تُحَطُّ) کے بجائے (وَ تُحَطُّ) بغیر الف کے الفاظ ہیں (تو عبارت کا مطلب یہ ہوگا: کہ مذکورہ الفاظ کہنے سے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ساتھ ہی ایک ہزار خطائیں مٹادی جائیں گی)

* اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمھارے (جسم کے) ہر عضو (کے بدلے تم) پر روزانہ صدقہ (کی ادائیگی) ہے: ہر تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰهِ کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا) صدقہ ہے۔ ہر تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنا) صدقہ ہے اور ہر تکبیر (اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا) صدقہ ہے اور (اسی طرح) نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور ان سب اعمال کو دو رکعت نماز کافی ہوگی جنھیں وہ چاشت کے وقت ادا کرے گا۔[2]

* اور صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

---

① صحیح مسلم، حدیث: 2698، امام نسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں (152) اور یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کی «المسند» میں جلد 1، ص:180-185 پر مذکور ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث:3495.

② صحیح مسلم، حدیث:720۔

کہ اللہ کے نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ میں تجھ کو جنت کے خزانوں میں سے کسی خزانے پر مطلع نہ کروں؟ تو میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہو:

«لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''کہ اللہ کی توفیق کے سوا نہ مجھ میں نیکی کرنے کی ہمت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی طاقت۔''[1]

٭ اور سنن ابی داود اور جامع ترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک خاتون کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ اپنے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھے تسبیح شمار کر رہی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تجھے ایسے عمل کی بابت نہ خبر دوں جو تیرے لیے اس کی نسبت آسان بھی ہو اور افضل بھی؟، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ»

''کہ اللہ پاک ہے، اس مخلوق کی تعداد کے ساتھ جو اس نے آسمان میں پیدا کی اور اللہ پاک ہے، اس مخلوق کی تعداد کے ساتھ جو اس نے زمین میں پیدا کی اور اللہ پاک ہے اس مخلوق کی تعداد کے ساتھ جو آسمان و زمین کے درمیان میں پیدا کی اور اللہ پاک ہے اس مخلوق کی تعداد کے ساتھ جس کو وہ از خود پیدا کرنے والا ہے «وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِثْلُ ذٰلِكَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلُ ذٰلِكَ، وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مِثْلُ ذٰلِكَ، وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ»۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث:6384، و صحيح مسلم، حديث:2704.

[2] سنن أبي داود، حديث:1500، و جامع الترمذي، حديث:3563 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے جن سے یہ حدیث امام نسائی، امام الحاکم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور ⇐

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

✻ اور سنن أبی داود اور جامع الترمذی ہی میں حسن اسناد کے ساتھ حضرت یُسیرۃ (یاء کے ضمہ، یعنی پیش اور سین کے فتحہ، یعنی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے) رضی اللہ عنہا جو کہ صحابیہ اور مہاجرہ ہیں۔ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (عورتوں کو) یہ حکم دیا کہ وہ تکبیر (اَللّٰهُ اَكْبَرُ)، تقدیس (سُبْحَانَ اللّٰهِ وغیرہ،) اور تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) کے ذکر کو معمول بنائیں اور انھیں (انگلیوں کے) پوروں پر شمار کیا کریں، اس لیے کہ یہ (انگلیاں اپنے پوروں سمیت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) سوال کی جانے والی اور بول کر جواب دینے والی ہیں۔''[1]

✻ اور سنن أبی داود، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حسن إسناد کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کرتے دیکھا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں ہاتھ سے (شمار کرکے) تسبیح کرتے دیکھا ہے۔''[2]

✻ اور سنن أبی داود میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے یہ الفاظ کہے:

«رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا، وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

⇐ ⇐ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے راوی، صحیح کے راوی ہیں سوائے ایک راوی خزیمہ کے جس کے نسب اور حالات معلوم نہیں ہوسکے اور اس راوی سعید بن أبی ہلال کے علاوہ کسی اور نے یہ روایت نہیں کی، جبکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: تفاصیل: الفتوحات الربانیۃ جلد، ص: 245,244.

[1] سنن أبي داود، حديث:1501، جامع الترمذي، حديث:3577 اور یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

[2] سنن ابي داود، حديث:1502، و 5065، و جامع الترمذي، حديث: 3482 اور سنن النسائي، جلد 3، ص:75,74، نیز یہ حدیث صحیح ہے۔

"کہ میں اللہ کو رب، اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو رسول مان کر راضی ہو گیا تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔"①

* اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں، حضرت عبداللہ بن بُسر (باء کے ضمہ، یعنی پیش اور سین کے سکون، یعنی جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے) رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں۔ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اسلام کے شرائع، (یعنی اوامر ونواہی اور دیگر ذمہ داریاں وغیرہ) مجھ پر بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، ایسے میں آپ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجیے جسے میں اپنے پلے باندھ لوں، (یعنی اسے اپنا معمول بنالوں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھاری زبان اللہ کے ذکر سے (ہر وقت) تر رہنی چاہیے۔"①

* اور جامع الترمذی ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے کے اعتبار سے سب افضل عبادت کونسی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے" میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ عزوجل کے راستے میں غازی سے بھی بڑھ کر؟ تو اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا: "خواہ کوئی شخص اپنی تلوار سے (دورانِ جہاد) کفار ومشرکین کو مارنے لگے، یہاں تک کہ (اس کی) تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے لتھڑ جائے، پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والے مرتبے میں اس سے افضل ہیں۔"②

---

① سنن أبي داود، حديث: 1529، جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْيَوْمِ اللَّيْلَةِ» نمبر (5) میں روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے اور یہ حدیث 'المستدرک' میں جلد 1، ص: 518 اور امام الحاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح گردانا ہے، جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

① جامع الترمذي، حديث: 3373 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، اسے امام ترمذی اور امام نسائی نے نیز امام الطبرانی رحمہ اللہ نے کتاب الدعاء..... میں روایت کیا ہے۔ دیکھیے: تفاصیل کے لیے، «الفتوحات الربانية» جلد 1، ص: 257.

② جامع الترمذي، حديث 3373 اور امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف دراج کی حدیث سے پہچانتے ہیں۔ اور یہ حدیث دراج کے واسطے سے ابوالھیثم سے مسند احمد میں جلد 3، ص: 75 پر مذکور ہے۔ جبکہ یہی دراج کی حدیث ابوالھیثم کے واسطے سے ضعیف ہے۔

* اور جامع الترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی کتابوں میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہمیں ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کیا میں تمھیں تمھارے ان اعمال کی بابت خبر نہ دوں، جو سب سے بہتر اور تمہارے حقیقی مالک (اللہ عزوجل) کے نزدیک پاکیزہ ترین ہیں، تمھارے درجات میں سب سے بلند و بالا اور تمھارے لیے تمھارے اس عمل سے بھی بہتر ہیں کہ تم (معرکۂ حق و باطل میں) اپنے دشمنوں کا سامنا کرتے ہوئے ان کی گردنیں مارنے لگو“؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (یہ سن کر) کہنے لگے: کیوں نہیں (اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔“[1]

امام الحاکم ابو عبد اللہ رحمہ اللہ اپنی کتاب «المستدرك على الصحيحين» میں کہتے ہیں: ”اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔“

* اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اسراء کی رات میں ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو انھوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو میرا سلام کہیے اور انھیں بتا دیجیے! کہ جنت پاکیزہ (اور خوشبودار) مٹی اور انتہائی میٹھے پانی والی چیز ہے اور اس کی زمین بڑی نرم اور سرسبز و شاداب ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: «سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» ”کہ اللہ پاک ہے اور تمام تعریفات اللہ کو ہی سزاوار ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے۔“[2]

---

[1] جامع الترمذي، حديث:3374، وسنن ابن ماجه، حديث:3790۔ امام الحاکم رحمہ اللہ نے اپنی «المستدرك» میں جلد 1، ص:496 اور اسے صحیح کہا ہے، جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ’الموطا‘ جلد 1 ص:211 میں اسے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے موقوف نکالا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ اس حدیث کے مرفوع، موقوف، نیز اس کے مرسل اور موصول ہونے میں اختلاف ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں نے اپنے استاذ محترم کے حوالے سے یہ عندیہ دیا ہے، کہ یہ حدیث صحیح، لفظی اعتبار سے موقوف اور ”حکم“ کے اعتبار سے ”مرفوع“ ہے، اس لیے کہ اس میں کسی کی ذاتی رائے کو کوئی دخل نہیں۔“

[2] جامع الترمذي، حديث:3458 اور یہ حدیث اپنے ان جملہ شواہد کی بناء پر جو کہ «مسند أحمد» صحیح ابن حبان اور سنن الطبرانی میں ہیں۔ ”حسن ہے۔“

(مطلب یہ ہے کہ جتنی بار یہ کلمات پڑھے جائیں، اتنے اس کے لیے جنت میں درخت لگا دیے جاتے ہیں)

* اور جامع الترمذی ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے، کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص یہ کلمات کہے: «سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ وَ بِحَمْدِهٖ» ''کہ اللہ پاک ہے جو بڑی عظمت والا ہے اور میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں۔'' تو اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ''یہ حدیث حسن ہے۔''

* اور جامع الترمذی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کونسا کلام اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا ہے:

«سُبْحَانَ رَبِّي وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ رَبِّي وَ بِحَمْدِهٖ»

''کہ پاک ہے میرا پروردگار اور میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں، پاک ہے میرا رب اپنی (تمام تر) تعریف کے ساتھ۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3460 اور امام الحاکم رحمہ اللہ نے «المستدرک» میں جلد 1، ص: 502,501 اور اسے صحیح کہا ہے جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور 'الفتوحات' میں دیکھیے: جلد 1، ص: 275، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اپنی سنن میں جبکہ امام الحاکم اور امام ابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ واللفظ لہ حسن، غریب ہے، جبکہ امام الحاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں، کہ یہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔

[2] جامع الترمذي، حديث: 3587 اور اس کی اسناد حسن ہے۔ نیز یہ صحیح مسلم میں حدیث: 2731 اور یہ اس میں یہ الفاظ ہیں: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ کونسا کلام زیادہ فضیلت والا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے...... الخ۔




اور یہ اب جو کچھ میں شروع کرنے لگا ہوں، وہ کتابِ ہذا کا اصل مقصود ہے اور جسے میں غالباً ان احوال کے واقع ہونے کی ترتیب کے مطابق ہی ذکر کروں گا۔

تو سب سے پہلے میں انسان کی اپنی نیند سے بیداری سے ہی ابتداء کرتا ہوں، پھر اس کے بعد ''رات کو سونے تک کے احوال'' ترتیب کے ساتھ اور بعد ازاں ''رات کو سوتے ہوئے بیداری پر'' جس کے بعد وہ پھر نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ (وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ)

## باب، جب آدمی نیند سے بیدار ہو تو کیا کہے؟

محدثین ؒ کے دو جلیل القدر امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ البخاری اور ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری ؒ کی صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سونے کے دوران، شیطان تمہارے کسی ایک کے سر کی گدی میں تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر یہ کہتے ہوئے مارتا ہے، سوتا رہ تیری رات خاصی طویل ہے! تو اگر وہ شخص بیدار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اور اگر وہ (وضوء کے بعد) کچھ رکعت نماز پڑھ لے تو اس کی ساری گرہیں کھل جائیں گی اور وہ صبح کو چاک و چوبند پاکیزہ اور خوشگوار موڈ میں اُٹھے گا، بصورتِ دیگر، اس کی صبح انتہائی گندگی، خراب موڈ اور سستی و کاہلی میں ہوگی۔''[1]

✻ اور صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے، وہ دونوں صحابی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی اپنے بستر کی طرف سونے کے لیے تشریف لاتے تو یہ کلمات ادا فرماتے: «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ أَحْيَا وَ أَمُوتُ» ''اے اللہ! میں تیرے بابرکت نام پر زندہ ہوتا ہوں اور مرتا ہوں۔'' اور جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو فرماتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَ إِلَيْهِ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1142، و صحيح مسلم، حديث: 776 اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دین کی صحت سے انسان کا بدن صحتمند اور انشراح صدر ہوتا ہے۔ (سُبْحَانَ اللّٰهِ)

النُّشُورُ» ''کہ تمام تعریفات اس اللہ کو سزاوار ہیں، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ فرمایا اور (بالآخر) اسی کی طرف (ہی سب کا) اکٹھا ہونا ہے۔''①

* اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم سے کوئی بیدار ہو تو اسے یہ کلمات کہنے چاہئیں، «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ عَلَيَّ رُوحِي، وَعَافَانِيْ فِيْ جَسَدِيْ وَأَذِنَ لِيْ بِذِكْرِهِ» ''تمام تعریفات اللہ جل شانہ کے لیے، جس نے میری روح کو (دوبارہ) میری طرف لوٹایا اور میرے جسم کو عافیت بخشی اور مجھے اپنا ذکر کرنے کی توفیق دی۔''②

* اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ (مومن) اس وقت جب (نیند سے بیداری پر) اللہ تعالیٰ اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹاتا ہے۔ یہ کلمات کہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»''

''کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے حقیقی بادشاہی ہے اور اسی کی ذات کو ہر قسم کی تعریف سزاوار ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

① صحيح البخاري، حدیث: 6312 اور سوتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے حضور دعاؤں میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ پورے دن کا اختتام ان اعمال پر ہو، جبکہ بیداری کے وقت مذکورہ الفاظ کہنے میں یہ حکمت ہے کہ اس دن کا آغاز توحید کے ذکر اور پاکیزہ کلمات سے ہو، (واللہ تعالیٰ اعلم)

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 9، و سنن النسائي، حدیث: 791 اور جامع الترمذي، حدیث: 3398، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے، اس لیے کہ اس میں راوی محمد بن عجلان کا تفرد ہے اور یہ ''صدوق'' ہے مگر اس کے حافظے میں کوئی چیز، (یعنی کمی) ہے، خاص طور پر جب وہ ''المقبری'' سے روایت کرے۔'' دیکھیے: الفتوحات الربانية جلد 1، ص: 291.

تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا، خواہ وہ گناہ (مقدار میں) سمندر کی جھاگ کی مثل ہوں گے۔"①

✻ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو آدمی اپنی نیند سے بیداری کے وقت یہ کلمات کہے:

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ، خَلَقَ النَّوْمَ وَالْيَقَظَةَ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بَعَثَنِي سَالِمًا سَوِيًّا، أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ»

"کہ تمام تعریفات اس ذات کے لیے ہیں، جس نے نیند اور بیداری کو پیدا کیا۔ اور تمام تعریفات اس ذات کے لیے جس نے مجھے صحیح اور تندرست حالت میں (دوبارہ اُٹھایا) میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ ہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میرے بندے نے سچ کہا۔"②

✻ اور سنن أبي داود میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہمیں ملی ہے، وہ کہتی ہیں: "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی رات کے وقت نیند سے بیدار ہوتے تو دس مرتبہ اللّٰهُ أَكْبَرُ، دس مرتبہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ، دس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، دس مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ، دس مرتبہ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اور دس مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتے، بعد ازاں دس بار یہ دعاء پڑھتے:

---

① امام ابن السنی کی کتاب حدیث: 10 نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: "یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ اسے حسن بن سفیان نے اپنی 'المسند' میں نکالا ہے، عبد الوہاب بن الضحاک راوی ہے، جسے امام ابو حاتم الرازی اور امام ابوداود، وغیرہ رحمہم اللہ نے جھوٹا کہا ہے، اور اس کا استاذ اسماعیل بن عیاش بھی شامیوں سے روایت کرنے میں "ضعیف" ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے: "الفتوحات، جلد1، ص: 292.

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 13 اور یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اس کی سند میں محمد بن عبید اللہ راوی ہے جو اصل میں محمد بن عبید اللہ العرزمی الفزاری ہے اور متروک راوی ہے۔ دیکھیے: تفصیل، حاشیہ "الکلم الطیب"، ص: 49.

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا وَ ضِيقِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ»
''اے اللہ! میں دنیا کی تنگی اور روزِ قیامت کی تنگی سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔''
پھر آپ ﷺ نماز کا آغاز فرماتے۔''[1]

* اور سنن أبي داود ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو یہ الفاظ ادا فرماتے:

«لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ، اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِي، وَ أَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا، وَلَا تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي، وَ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ»

''نہیں ہے کوئی معبودِ برحق سوائے تیرے، تو پاک ہے اے اللہ اپنی پوری تعریف کے ساتھ، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما! اور میرے دل کو اس کے بعد کہ تو نے اسے ہدایت سے نواز (راہِ حق سے) نہ پھیر دینا اور اپنی جناب سے رحمت مرحمت فرما بے شک تو (ہر چیز وافر مقدار میں) عطا فرمانے والا ہے۔''[2]

## باب، کپڑا پہنتے وقت کیا کہے؟

آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس وقت «بِسْمِ اللّٰهِ» ''کہ اللہ کے (بابرکت) نام سے

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 5075، و سنن النسائي، جلد 1، ص: 209 اور جلد 8، ص: 274 اور امام موصوف رحمہ اللہ کی «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حدیث: 871 اور اس کی اِسناد حسن ہے۔ (حسن صحیح)

[2] سنن أبي داود، حدیث: 5061 اور امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حدیث: 865 امام الحاکم رحمہ اللہ کی ''المستدرک'' میں جلد 1، ص: 540 اور انھوں نے اسے ''صحیح'' کہا ہے اور امام الذہبی رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں حدیث: 2359 بیان کی ہے۔ امام الالبانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

کپڑا پہنتا ہوں۔" کہے اور اسی طرح تمام (اچھے) اعمال کے آغاز میں «بِسْمِ اللّٰهِ» کہنا مستحب عمل ہے۔

* اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ کہ اللہ کے نبی ﷺ جب کوئی کپڑا زیب تن فرماتے تو اس کا نام، یعنی قمیص، چادر یا پگڑی وغیرہ لیتے اور یہ دُعاء پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهِ وَ خَيْرِ مَا هُوَ لَهُ، وَ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهِ وَ شَرِّ مَا هُوَ لَهُ»

"اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کام کے لیے یہ ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جس کام کے لیے یہ ہے، اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"[1]

* اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کپڑا پہنے اور یہ دُعاء کرے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَسَانِي هٰذَا الثَّوْبَ وَ رَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ»

"کہ تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری محنت اور طاقت کے یہ (کپڑا) مجھے عطا فرمایا": تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف فرما دے گا۔"[2]

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 14، وسنن أبي داود، حديث:4020، جامع الترمذي، حديث: 1767، و المستدرك جلد 4، ص: 192 جو کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ہے اور امام الذہبی رحمہ اللہ نے اس کی موافقت کی ہے۔

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:272 نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "حدیث کی اسناد حسن ہے۔

## باب، آدمی جب کوئی نیا کپڑا یا جوتا یا اس جیسی کوئی اور چیز پہنے تو کیا کہے؟

کوئی نیا لباس زیبِ تن کرتے ہوئے وہی دعائیں پڑھنا اس کے لیے مستحب ہیں، جو ہم نے پچھلے باب میں ذکر کردی ہیں۔

* اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی نیا کپڑا زیبِ تن فرماتے تو جو اس کا نام ہوتا وہ نام لیتے، مثلاً: پگڑی، قمیص یا چادر وغیرہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَ خَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ»

”الٰہی! تیرے لیے ہی تمام تعریفات ہیں تُو نے ہی مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کام کے لیے یہ تیار کیا گیا ہے، اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر اور جس کام کے لیے یہ تیار کیا گیا ہے، اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“[1]

یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

نیز اسے امام ابوداود سلیمان بن الأشعث السجستانی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی اور امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی رحمہم اللہ نے اپنی اپنی ”سنن“ میں روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے: کہ یہ حدیث حسن ہے۔

---

① سنن أبي داود، حديث:4020، و جامع الترمذي، حديث:1767 اور امام النسائی رحمہ اللہ «عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ» میں حدیث:309 اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی تخریج میں اس کی بابت یہ فرمایا ہے: کہ یہ حدیث حسن ہے نیز یہ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جس کا تذکرہ پچھلے باب میں ہوا ہے۔ (حدیث صحیح)

② اور بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں: ”یہ حدیث حسن ہے۔“

٭ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، کہ جو شخص کوئی نیا کپڑا پہنے اور یہ دُعاء پڑھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَسَانِي مَا اُوَارِي بِهٖ عَوْرَتِي وَ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي حَيَاتِي»

''کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے مجھے وہ چیز پہنائی، جس کے ساتھ میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور اپنی زندگی میں خوش نمائی حاصل کرتا ہوں۔''

پھر اس نے وہ کپڑا زیب تن کیا جو (پہنتے پہنتے) بوسیدہ ہوگیا تو اس نے اسے صدقہ کر دیا۔ تو وہ (شخص) اللہ عزوجل کی حفاظت ورحمت میں ہوگا اور (اسی طرح) زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔[1]

## باب، آدمی جب اپنے ساتھی پر کوئی نیا کپڑا دیکھے تو اسے کیا کہے؟

٭ صحیح بخاری میں حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتی ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نئے کپڑے لائے گئے، جن میں ایک سیاہ دھاری دار چادر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے، ہم یہ (سیاہ نقوش دار) چادر کسے اوڑھائیں؟ جس پر قوم کے لوگ خاموش رہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود فرمایا: ام خالد رضی اللہ عنہا کو میرے پاس لاؤ! تو (حدیث کی راویہ ام خالد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:)، پھر مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے وہ چادر مجھے اوڑھادی اور فرمانے لگے۔ پرانی اور بوسیدہ ہونے

---

[1] جامع الترمذي، حدیث:3555 اور امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اور امام المنذری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب، جلد4، ص:93 میں فرماتے ہیں: اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور ان کے یہ الفاظ ہیں: اور انھوں نے کہا ہے، کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسی طرح امام ابن ماجہ اور امام الحاکم رحمہما اللہ وغیرہ سب نے اصبغ سے اور اس نے آگے ابو العلاء سے روایت کیا ہے۔ اور ابو العلاء تو مجہول راوی ہے، جبکہ اصبغ کے ثقہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم) (ضعیف)

تک اسے اوڑھے رکھنا۔ آپ ﷺ نے یہ الفاظ دو بار کہے۔[1]

* اور امام ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے۔ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک (عمدہ قسم کا) کپڑا دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ کپڑا نیا ہے یا کہ دھلا ہوا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: (یہ نیا تو نہیں) بلکہ دُھلا ہوا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اِلْبَسْ جَدِيدًا، وَعِشْ حَمِيدًا وَ مُتْ شَهِيدًا سَعِيدًا»

"کہ (مقدور بھر) نیا کپڑا پہنا کرو اور قابلِ ستائش زندگی گزارو اور سعادتمندی کے ساتھ شہادت کا جام نوش کرو۔"[2]

## باب، کپڑے اور جوتے پہننے اور انھیں اتارنے کی کیفیت کے بارے میں

اس بارے میں مستحب (پسندیدہ اور مسنون عمل) یہ ہے کہ آدمی کپڑا، جوتا، شلوار یا ان جیسی دیگر چیزوں کو پہنتے وقت ان کی دائیں جانب سے ابتداء کرے۔ مطلب یہ ہے کہ قمیض کے دونوں بازوؤں میں سے دایاں بازو اور اسی طرح شلوار کے دونوں پائنچوں میں سے دائیں طرف کو مقدم رکھے اور اتارتے وقت ان چیزوں میں پہلے بائیں جانب اور پھر دائیں جانب کو پیش نظر رکھے۔ اور اسی طرح دیگر امور جیسے، آنکھوں میں سرمہ لگاتے وقت، مسواک کرتے وقت، ناخن کاٹتے وقت، مونچھیں کاٹتے وقت، بغلوں کے نیچے سے بال اکھاڑتے وقت، سر منڈھواتے وقت، نماز کے اختتام پر سلام کرتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، بیت

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5823.

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث: 3558 اور امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حدیث: 269 اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی "المسند" میں جلد 1، ص: 89 امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حدیث: 311۔ اور اس کی اسناد حسن غریب ہے جیسا کہ اس کا ذکر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تخریج میں کیا ہے۔ (حدیث صحیح)

الخلاء (لیٹرین) سے نکلتے وقت، وضوء کرتے وقت، غسل کرتے وقت، کھانے اور پینے کے وقت، مصافحہ کرتے وقت، حجرِ اسود کو چھوتے وقت، انسان سے کوئی ضرورت کی چیز پکڑتے یا کوئی چیز اس کی طرف بڑھاتے وقت اور ان جیسے دیگر سارے امور میں دائیں جانب سے ابتداء کرے، جبکہ اس سے برعکس صورت میں بائیں جانب سے معاملہ کرے۔

* امام بخاری و امام مسلم ﷫ کی صحیحین میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہر معاملے میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا پسند فرماتے، مثلاً: طہارت (وضوء اور غسل کرتے ہوئے) سواری سے اترتے اور پیدل چلتے وقت اور اپنا جوتا پہنتے وقت۔"[1]

* اور سنن ابی داود وغیرہ میں صحیح اِسناد کے ساتھ، حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کا دایاں دست مبارک پاکیزہ اشیاء اور کھانے پینے کے لیے تھا، جبکہ بایاں دست مبارک قضائے حاجت اور تکلیف دہ چیزوں کے ازالے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔[2]

* اور سنن أبي داود اور سنن البیہقی میں حضرت حفصہ ؓ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کھانے پینے اور لباس پہنتے وقت دائیں جانب ملحوظِ خاطر رکھتے اور اس کے علاوہ، (یعنی ان کے برعکس امور میں) بائیں جانب کو۔"[3]

* اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی، مرفوع، روایت ہمیں ملی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم کوئی لباس پہنو اور جب تم وضوء کرو تو اپنی داہنی جانب سے ابتداء کیا کرو۔"[4]

---

① صحيح البخاري، حديث: 168، و صحيح مسلم، حديث: 268۔

② سنن أبي داود، حديث: 33 نیز اس کی اِسناد حسن ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر ﷫ نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔

③ سنن أبي داود، حديث: 32، و سنن البيهقي، جلد 1، ص: 86 نیز اس کی اِسناد بھی حسن ہے۔

④ سنن أبي داود، حديث: 4141، و جامع الترمذي، حديث: 1766 نیز امام موصوف فرماتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے، و سنن ابن ماجه، حديث: 42، و سنن البيهقي، جلد 1، ص: 86 اور حافظ ابن حجر ﷫ اس حدیث کو لانے اور بعد ازاں اس کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: "یہ حدیث صحیح ⇐⇐

یہ حدیث حسن ہے جسے امام ابوداود، امام ترمذی، امام ابوعبداللہ محمد بن زید اور یہ امام ابن ماجہ ہیں۔ اور امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی ﷭ نے روایت کیا ہے۔ اور اس باب میں دیگر اور بہت سی اَحادیث ذکر ہوئی ہیں۔ (واللہ اعلم)

## باب، جب آدمی غسل کرنے یا سونے یا ان جیسے دیگر امور کے لیے اپنے کپڑے اتارنا چاہے تو وہ کیا کلمات کہے؟

* امام ابن السنی ﷫ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنات (ان دیکھی مخلوق) کی نگاہوں اور بنی آدم کی شرم گاہوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ ایک مسلمان آدمی جب اپنے کپڑے اتارنا چاہے تو وہ یہ کلمات ادا کرے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ إِلَّا هُوَ»

''اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''[1]

## باب، آدمی اپنے گھر سے نکلتے وقت کیا الفاظ کہے؟

* حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کا نام ہند ہے، سے مروی روایت ہمیں ملی ہے۔ کہ اللہ کے نبی ﷺ جب گھر سے نکلتے تو فرماتے:

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّی اَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ

⇦ ⇦ غریب ہے جسے امام احمد نے مسند احمد میں اور امام ابوداود اور امام ابن ماجہ ﷭ نے اپنی سنن میں نکالا ہے جبکہ امام ترمذی ﷫ بھی اور الفاظ کے ساتھ اسے لائے ہیں۔ (واللہ اعلم)

[1] امام ابن السنی ﷫ کی کتاب حدیث: 274 اور یہ حدیث اپنے دیگر شواہد کی بناء پر حسن ہے۔ دیکھیے: تفصیلات: «الفتوحات الربانية» جلد 1 ص: 327 و381.

أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ، أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ»

''اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ (میں گھر سے نکلتا ہوں) میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ الٰہی! میں (اس بات سے) تیری پناہ مانگتا ہوں، کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا مجھے گمراہ کر دیا جائے یا میں (راہِ حق سے) پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں کسی سے جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔''[1]

یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور سنن أبي داود کی روایت میں «أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ» اور اسی طرح باقی سارے الفاظ بھی واحد متکلم کے صیغے سے ذکر ہوئے ہیں۔ جبکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں «أَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ» اور اسی طرح باقی سارے الفاظ بھی جمع متکلم کے صیغے سے روایت ہوئے ہیں جیسے "نَضِلَّ"، "نَظْلِمَ" اور "نَجْهَلَ" اور سنن أبي داود کی ایک روایت میں یوں ذکر ہوا ہے کہ (حدیث کی راویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر سے جب بھی باہر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے:

«اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ» کہ اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' اور سنن أبي داود، کی اس روایت کے علاوہ دیگر حدیث کی کتاب میں یہ ذکر ہوا ہے، کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے تو آپ ﷺ یہ کلمات ادا فرماتے جیسا کہ ہم نے

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3423، و سنن أبي داود، حديث: 5094، و سنن ابن ماجه، حديث: 3884 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے «المجتبیٰ» میں جلد 8، ص: 268 اور عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں حدیث: 85.




ابھی ذکر کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

* اور سنن أبی داود، جامع الترمذی اور سنن النسائی وغیرہ میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص یہ کلمات کہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد یہ تھی کہ اپنے گھر سے نکلتے ہوئے۔

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''کہ میں اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ (اس گھر سے نکلتا ہوں) میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور مجھ میں نہ گناہ سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی کی طاقت سوائے اللہ عزوجل کی توفیق کے۔''

تو اسے (اللہ عزوجل کی جانب سے) کہا جاتا ہے: ''تو (ہر چیز کے بارے میں) کفایت کیا گیا، (ہر شر سے) بچالیا گیا اور (راہِ حق کی طرف) راہنمائی کیا گیا اور (اس کے ساتھ ہی) شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے۔''[1]

* اور امام ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تو فرماتے:

«بِاسْمِ اللّٰهِ التُّكْلَانُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''کہ اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ (میں اس گھر سے نکلتا ہوں) میرا اللہ عزوجل پر ہی بھروسہ ہے، مجھ میں نہ گناہ سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی کرنے کی طاقت سوائے اللہ جل شانہ کی توفیق کے۔''[2]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3422 اور کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے اس طریق کے سوا نہیں جانتے، سنن أبي داود، حديث: 5095 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کے ''راوی'' صحیح کے رجال (راوی) ہیں۔

[2] سنن ابن ماجه، حديث: 3885، امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث: 176 اور یہ حدیث اپنے شواہد کی بناء پر حسن ہے۔ "بل ضعیف"

## باب، آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کیا کہے؟

آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت «بِاسْمِ اللّٰهِ» کے الفاظ کہے۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور (مسنون) سلام کہے، خواہ گھر میں کوئی آدمی ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾

''تو جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے آپ کو (اور اپنے گھر والوں کو) سلام کہا کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔''[1]

* اور جامع الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا: ''اے میرے بیٹے! جب بھی تم اپنے گھر والوں کے پاس آؤ تو انھیں سلام کہا کرو، (یہ سلام) خود تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے باعثِ برکت ہوگا۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

* اور سنن أبی داود میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے نام کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ الحارث ہے یا عبید ہے یا کعب ہے اور یا پھر عمرو ہے۔ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

«اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ ، بِاسْمِ اللّٰهِ

---

[1] سورة النور :61.

[2] جامع الترمذي ، حديث: 2699 اور جامع الترمذي کے بعض نسخوں میں یہ ہے: کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بہت سے طرق اکٹھے کیے ہیں، جن کی بناء پر یہ قوت پکڑتی ہے۔ مزید دیکھیے: کتاب ''الکلم الطیب'' کا حاشیہ، ص:50.

وَلَجْنَا، وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا»

''الٰہی! میں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی بہتری کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ اللہ کے نام کے ساتھ ہم (گھر میں) داخل ہوئے اور اللہ کے نام کے ساتھ (ہی) ہم (گھر سے) نکلے اور اللہ پر جو ہمارا پروردگار ہے ہم نے بھروسہ کیا، پھر وہ اپنے گھر والوں کو سلام کہے۔''[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار نہیں دیا۔

✱ اور حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہ جن کا نام صدی بن عجلان ہے۔ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تین قسم کے اشخاص اللہ عزوجل کی نگہداشت میں ہیں۔

① وہ آدمی جو اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا تو وہ اللہ عزوجل کی حفاظت میں ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسے اپنے ہاں بلا لے اور اس کو جنت میں داخل کر دے یا پھر اسے اس کے اجر اور مال غنیمت سمیت واپس (اس کے گھر) لوٹا دے۔

② وہ آدمی جو مسجد کی طرف (عبادت کی غرض سے) گیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس بلا لے اور جنت میں داخل کر دے اور یا پھر اسے اس کے اجر و ثواب سمیت واپس (گھر کی طرف) پلٹا دے۔

③ اور وہ آدمی جو اپنے گھر سلام کہتے ہوئے داخل ہوا تو وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگہداشت میں ہے۔[2]

یہ حدیث ''حسن'' ہے اسے امام ابوداود رحمہ اللہ نے حسن اِسناد کے ساتھ روایت کیا ہے جبکہ دیگر محدثین رحمہم اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور اللہ عزوجل کا کیا ہی خوب ہے یہ عطیہ،

---

① سنن أبي داود، حديث: 5096، نیز اس کی سند صحیح ہے۔

② سنن أبي داود، حديث: 2494 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''المستدرک'' میں نکالا ہے۔ (حدیث صحیح)

اے اللہ ہم کو بھی یہ عطیہ (اپنے فضل و کرم سے ) مرحمت فرما! آمین۔

* اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے، جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، تو شیطان (اپنے چیلوں چانٹوں سے ) کہتا ہے۔ نہ تو تمھارے لیے یہاں رات بسر کرنے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی رات کے کھانے میں سے کچھ حصہ۔ اور جب آدمی داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان (اپنے ساتھی شیطانوں سے ) کہتا ہے: تم نے یہاں رات بسر کرنے کی جگہ پالی اور اگر وہ آدمی کھانا کھاتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرے تو شیطان (اپنے ساتھی شیطانوں سے ) کہتا ہے۔ ''کہ تم یہاں رات بھی بسر کرو گے اور رات کا کھانا بھی پاؤ گے۔''[1]

اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔''

* اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کو جب اپنے گھر تشریف لاتے تو یہ الفاظ ادا فرماتے:

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِي وَآوَانِي ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي وَسَقَانِي ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي مَنَّ عَلَيَّ ، أَسْأَلُكَ أَنْ تُجِيرَنِيْ مِنَ النَّارِ»

''کہ تمام تعریفات اس معبود برحق کے لیے، جو مجھے (ہر چیز کی بابت ) کافی ہوا اور مجھے (بخیر و عافیت ) گھر میں اُتارا اور تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ پر احسان

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 2018 ، و سنن أبي داود، حديث: 3765 اور امام نسائی رحمہ اللہ «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حدیث: 178.

فرمایا: (اے اللہ!) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آگ سے بچالے۔''[1]

نیز اس حدیث کی اِسناد ضعیف ہے۔

* اور مؤطاً میں امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے اور انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ آدمی جب ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی رہنے والا نہ ہو تو اس کے لیے یہ کلمات کہنا مستحب عمل ہے۔

«اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ»

''کہ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیکوکار بندوں پر۔''[2]

## باب، آدمی جب رات کو بیدار ہو اور گھر سے باہر آئے تو اس وقت کیا کہے؟

اس کے لیے مستحب (مسنون) یہ ہے کہ رات کو بیداری کی صورت میں جب گھر سے باہر آئے تو سورۃ آلِ عمران کی آخری آیات مبارکہ (190 سے لیکر 200، یعنی اختتام تک) اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے تلاوت کرے، آیاتِ مبارکہ بمعہ ترجمہ ملاحظہ ہوں:

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِo الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِo رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍo رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث 157 اور اس میں یہ الفاظ ہیں: ''اور تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ پر احسان فرمایا اور بڑھا چڑھا کر عطا فرمایا، نیز اس کی اِسناد ''ضعیف'' ہے اور اس میں ایک مبہم راوی ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا ایک ''شاہد'' ذکر کرتے ہوئے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[2] مؤطاً امام مالک، جلد 2، ص: 962 نیز اس کی سند منقطع ہے۔

لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِo رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَo فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِo لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِo مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُo لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِo وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِo یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo﴾

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! بے شک جسے تو آگ میں داخل کرے یقیناً اسے تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ

ایمان کی طرف بلاتا ہے، یہ کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! پس تو ہمارے گناہ بخش دے، اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کر۔ (اے) ہمارے رب! اور ہمیں وہ چیز دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا تھا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ تم میں سے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور انھیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ثواب (بدلہ) ہوگا، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا، ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر ایمان لاتے ہیں، وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت کے بدلے نہیں بیچتے، وہی ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو، اور ثابت قدم رہو اور مورچوں پر ڈٹے رہو،

اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"[1]

* اور صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی عمل تھا مگر "صحیح مسلم" کے علاوہ "صحیح بخاری" میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ ایسے وقت میں اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھاتے تھے۔[2]

* اور صحیحین ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ذکر ہوئی ہے۔ کہ جب اللہ کے نبی ﷺ رات کو تہجد کے لیے قیام فرماتے تو یہ دُعاء پڑھا کرتے:

«اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَ لَكَ الْحَمْدُ، لَكَ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَ مَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ مَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ، وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَ قَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَ إِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَ إِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَ مَا أَخَّرْتُ، وَ مَا أَسْرَرْتُ وَ مَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»

"اے اللہ! اے ہمارے رب! تمام تعریفات تیری ہی ذات کو سزاوار ہیں۔ تو ہی نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ میں ہے۔ سب کو قائم وثابت رکھا ہے اور تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ہر چیز پر تیری ہی بادشاہی ہے۔ اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہی ہیں۔ تو

---

[1] سورة آل عمران190-200.

[2] صحیح البخاري، حدیث: 4569، و صحیح مسلم، حدیث:763اور 256 اور صحیح مسلم، کی اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کا ذکر ہوا ہے، جو یقیناً امام نووی رحمہ اللہ سے مخفی رہ گیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جانب تنبیہ کی ہے۔

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا نور ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہی ہیں، تیری ذات برحق ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے، اور (روزِ محشر) تیری ملاقات برحق ہے۔ اور تیری بات سچی ہے۔ اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے۔ اور محمد ﷺ سچے ہیں۔ اور قیامت کا برپا ہونا سچ ہے.......... اے اللہ! میں تیری ذات کا فرمانبردار ہوا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری خاطر جھگڑا کیا اور تیری ذات کی طرف ہی متنازعہ معاملے کو (فیصلے کی غرض سے) پلٹایا، میرے پچھلے اور اگلے، نیز میرے پوشیدہ اور ظاہری (سارے گناہ) معاف فرما دے! سب سے پہلے بھی تو اور سب سے آخر بھی تو ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔''[1]

اس دُعاء کے آخر میں «وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» کے الفاظ بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

## باب، جب آدمی بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرے تو کیا پڑھے؟

* صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء جاتے وقت یہ دُعا پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَآئِثِ»

''کہ اے اللہ! میں خبیث مرد جنوں اور خبیث (جنوں کی) عورتوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''[2]

یہاں لفظ «الْخُبُثِ» میں باء کو ضمہ، یعنی پیش اور سکون، یعنی جزم کے ساتھ دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ اور جنھوں نے اسے سکون، (یعنی جزم) کے ساتھ پڑھنے سے روکا ہے، ان کی

---

[1] صحيح البخاري، حديث:1120، و صحيح مسلم، حديث:769.

[2] صحيح البخاري، حديث: 142، و صحيح مسلم، حديث: 375، نیز اسے ''کتب سنن'' کے مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے۔ اور میں اسے امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں مذکور دیکھا ہوں۔ دیکھیے، حدیث:74.



بات درست نہیں۔

٭ اور صحیحین کے علاوہ ہم کو یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ملی ہے:

«بِاسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ»

''کہ اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ، اے اللہ! میں خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''[1]

٭ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنات کی آنکھوں اور اولادِ آدم کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ آدمی جب (رفع حاجت کے لیے) بیت الخلاء (لیٹرین) جائے تو بِاسْمِ اللّٰهِ کہے۔''[2] اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی سند قوی، (یعنی مضبوط) نہیں ہے۔ اور ہم نے گزشتہ فصول میں یہ بات ذکر کی ہے کہ فضائل (اعمال) میں ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے۔ نیز ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کہتے ہیں: کہ یہ ذکر ہر دو صورتوں میں مستحب ہے، خواہ آدمی (قضائے حاجت کے لیے) عمارت کے اندر ہی لیٹرین (طہارت خانے) میں ہو یا کسی کھلے صحراء میں۔

اور ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کا یہ بھی کہنا ہے: ''کہ اس بارے میں مستحب عمل یہ ہے کہ آدمی پہلے «بِاسْمِ اللّٰهِ» کہے اور پھر یہ دعاء پڑھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ» ''الٰہی! میں خبیثوں اور خبیثیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 5، و سنن أبي داود، حديث: 5,4، و سنن النسائي جلد 1، ص: 20 اور اس میں بایں الفاظ مذکور ہے: «اَللّٰهُمَّ أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» اور جہاں تک اس ذکر سے قبل «بِاسْمِ اللّٰهِ» پڑھنے کا تعلق ہے تو اس روایت کو امام الطبرانی، امام الدارقطنی اور امام ابن السنی رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں نکالا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: «الفتوحات الربانية» جلد 1، ص: 379.

[2] جامع الترمذي، حديث: 606، نیز امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس طریق کے سوا اسے نہیں جانتے۔ اور اس کی اس طریق سے سند بھی قوی، (یعنی مضبوط) نہیں۔ جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بزار رحمہ اللہ کے ہاں اس حدیث کا ایک ''شاہد'' ذکر کیا ہے۔

٭ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء جاتے وقت یہ دُعاء پڑھا کرتے تھے:

«اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الرِّجْسِ، النَّجِسِ، الْخَبِيْثِ، الْمُخْبِثِ: الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ»

''اے اللہ! میں ہر گندے فعل سے، ہر گندی چیز سے، ہر خبیث، یعنی حرام چیز سے اور مخبث، یعنی مردود شیطان سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''①

اس حدیث کو امام ابن السنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اور امام الطبرانی رحمہ اللہ نے کتاب ''الدعاء'' میں روایت کیا ہے۔

## باب، رفع حاجت کے وقت ذکر یا کوئی گفتگو کرنے کی ممانعت کے بارے میں

قضائے حاجت کے دوران کسی قسم کا ذکر یا گفتگو کرنا مکروہ، (یعنی ناپسندیدہ) ہے۔ خواہ آدمی صحراء میں ہو یا کسی بند جگہ (طہارت خانے وغیرہ) میں۔ نیز یہ حکم تمام اقسام کے اذکار اور کلام کے لیے ایک جیسا ہے، سوائے کسی انتہائی ضروری بات کے، (جس کی کسی حد تک اجازت ہے) یہاں تک کہ ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: کہ اگر اسے اس دوران چھینک آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف نہ کرے، (یعنی الحمد للہ کے الفاظ نہ کہے) نہ چھینک لینے والے کو جواب دے، نہ کسی کے سلام کا جواب دے اور نہ ہی مؤذن کو جواب دے۔ جبکہ (رفع حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے شخص کو) سلام کہنے والا ایک قسم کی کوتاہی کا مرتکب ہوگا

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 18، جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔ نیز انھوں نے اس کے ''شواہد'' ذکر کیے ہیں۔ جن کی بناء پر یہ حدیث قوت پکڑتی ہے۔ جن میں سے ایک حدیث جسے امام الطبرانی رحمہ اللہ نے ''کتاب الدعاء'' میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح ''سنن ابن ماجہ'' میں بھی یہ حدیث: 299 موجود ہے۔ مزید تفصیلات دیکھیے: ''الفتوحات الربانیۃ'' جلد، 1 ص:386.

اور وہ سلام کے جواب کا بھی مستحق نہیں اور یہ ساری کی ساری گفتگو مکروہ، یعنی کراہت تنزیہی کے بارے میں ہے جو کہ ''حرام'' کا حکم نہیں رکھتی اور اگر اس دوران آدمی کو چھینک آجائے اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے تعریفی کلمات، یعنی الحمد للہ دل میں کہتا ہے اور اپنی زبان کو حرکت میں نہیں لاتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اور اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت کا بھی یہی حکم ہے۔ (واللہ اعلم)

* اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ ایک آدمی کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس حال میں گزر ہوا، کہ آپ پیشاب کے لیے بیٹھے تھے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جوب نہیں لوٹایا۔''[1] اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

* اور حضرت المہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت میں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے۔ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں لوٹایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا، پھر مجھ سے معذرت کی اور فرمایا'' کہ میں نے اس بات کو ناپسند جانا کہ میں طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں۔''[2]

یہ حدیث صحیح ہے، اسے امام ابوداود، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

## باب: قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کہنے کی ممانعت کے بارے میں

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ ایسے شخص کو سلام کہنا مکروہ، یعنی ناپسندیدہ عمل

[1] صحيح مسلم، حديث:370، وسنن النسائي، جلد1، ص:36.

[2] سنن أبي داود، حديث:17، و سنن النسائي جلد 1، ص:37، و سنن ابن ماجه، حديث:350.

ہے۔ اور اگر کوئی سلام کہہ بیٹھے تو وہ جواب کا مستحق نہیں اور اس کی دلیل گزشتہ باب میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمر اور المہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہم کی دونوں حدیثیں ہیں۔

## باب: بیت الخلاء سے نکلتے وقت کیا کہے؟

اسے چاہیے کہ وہ یہ الفاظ کہے:

«غُفْرَانَكَ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَعَافَانِی»

”کہ اے اللہ! میں تیری بخشش کا طلبگار رہوں، تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تکلیف دہ حالت سے نجات دلائی اور مجھے عافیت بخشی۔“[1]

* اور سنن أبي داود اور جامع الترمذی میں موجود صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایسے وقت میں) یہ الفاظ ادا فرماتے تھے: «غُفْرَانَكَ» کہ الٰہی! میں تیری بخشش چاہتا ہوں۔“ جبکہ بقیہ الفاظ امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیے ہیں۔

* اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو یہ دعاء پڑھا کرتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَذَاقَنِیْ لَذَّتَهٗ، وَ أَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ، وَ رَفَعَ عَنِّیْ أَذَاهُ»

”تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس (کھانے) کی لذت سے بہرہ ورفرمایا اور اس کی قوت کو میرے بدن میں باقی رکھا اور اس کی تکلیف دہ چیز کو مجھ سے دور فرمایا۔“[2]

---

[1] سنن أبي داود، حديث:30 ، و جامع الترمذي، حديث: 7، و سنن ابن ماجه حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث:300، و امام النسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ» میں حدیث: 79 اور امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 25 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند میں انقطاع اور دو ضعیف راوی موجود ہیں۔ مگر حدیث کے ”شواہد“ بھی ہیں۔..... دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ“ جلد1، ص:405۔

”اس حدیث کو امام ابن السنی اور امام الطبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔“

## باب: جب وضوء کا پانی بہانے یا لینے کا ارادہ کرے تو کیا کہے؟

آدمی کے لیے مستحب عمل ہے کہ وہ ایسے وقت میں «بِسْمِ اللّٰهِ» کہے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔

## باب: وضوء کرتے وقت کیا پڑھے؟

وضوء کے شروع میں آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ کہے «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ» اور اگر وہ صرف «بِسْمِ اللّٰهِ» کہتا ہے تو یہ بھی کافی ہوگا۔ نیز ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کہتے ہیں: اگر آدمی وضوء کے شروع میں تسمیہ، (یعنی بسم اللہ) کہنا چھوڑ دے تو وہ وضوء کے دوران پڑھ لے اور اگر اس نے وضوء سے فارغ ہونے تک چھوڑے رکھا تو پھر بعد میں اسے نہ پڑھے، اس لیے کہ اس نے پڑھنے کا اصل موقع گنوا دیا۔ اور اس کا وضوء ایسی حالت میں بھی درست ہوگا۔ خواہ اس نے اسے جان بوجھ کر چھوڑا ہو یا بھول کر اور یہی مذہب ہمارا اور جمہور اہل علم رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

نیز وضوء کے آغاز میں تسمیہ کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ضعیف ہیں۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یہ روایت ثابت شدہ ہے، وہ کہتے ہیں: کہ وضوء میں تسمیہ کے بارے میں کسی ثابت شدہ حدیث کا مجھے علم نہیں۔ اور ان احادیث میں سے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ”کہ جو شخص وضوء کرتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو اس کا وضوء نہیں۔“[1]

---

[1] سنن أبي داود، حدیث: 10 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اسے امام احمد، امام ابوداود، امام ابن ماجہ، امام الدارقطنی اور امام الحاکم رحمہم اللہ نے نکالا ہے۔۔۔۔۔ نیز اس کی سند میں یعقوب بن سلمہ اللیثی ہیں ⇐




اسے امام ابوداؤد اور دیگر محدثین ﷭ نے روایت کیا ہے۔ اور ہمیں حضرت سعید بن زید حضرت ابوسعید، حضرت عائشہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت سھل بن سعد ﷺ سے مروی اسی موضوع کی روایات ملی ہیں۔ جو سب کی سب سنن البیھقی اور دیگر کتب حدیث میں روایت ہوئی ہیں اور ان ساری احادیث کو امام البیھقی اور دیگر محدثین ﷭ نے ضعیف قرار دیا ہے۔''[1]

**[فصل]**: ہمارے ائمہ کرام ﷭ میں سے ایک صاحب الشیخ ابو الفتح نصر المقدسی الزاہد ﷫ کہتے ہیں: ''کہ وضوء کرنے والے شخص کے لیے مستحب عمل یہ ہے کہ وہ اپنے وضوء کی ابتداء میں اور تسمیہ کے بعد یہ الفاظ کہے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ»

''کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ نہ اس کا کوئی شریک اور ساجھی ہے اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اور اگر اس نے یہ الفاظ کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر ان کے ثبوت کے لیے سنتِ

---

⇦ جو کہ حدیث کے جلیل شیخ ہیں اور جن سے ثقہ راویوں میں سے سوائے محمد بن موسیٰ راوی کے اور کسی نے روایت نہیں کی۔ اور ان کا باپ یعقوب مجہول راوی ہے، جن سے سوائے ان کے اپنے بیٹے کے اور کسی نے روایت نہیں کی۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ، جلد 2، ص: 7۔

[1] حافظ المنذری ﷫ کہتے ہیں:

''اور اس باب میں بہت سی احادیث ذکر ہوئی ہیں جن میں سے کوئی بھی حدیث قیل وقال سے محفوظ نہیں۔ جبکہ حسن، اسحاق بن راھویہ اور اہل ظاہر ﷭ کی رائے کی مطابق وضوء میں ''تسمیہ'' پڑھنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسے جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے تو اسے وضوء دوبارہ کرنا ہوگا اور یہی ایک روایت امام احمد ﷫ سے بھی مروی ہے۔ اور اس بارے میں بلاشک جتنی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، اگرچہ ان میں سے کوئی حدیث بھی قیل وقال سے محفوظ نہیں مگر اپنے کثرتِ طرق کی بناء پر مضبوط ہوتی اور قوت پکڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ اور اصل حقیقت اللہ خوب جانتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: الترغیب والترھیب، جلد1، ص:168

ظاہرہ سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اور نہ ہی ہمارے علم کے مطابق، ہمارے ائمہ کرام اور دیگر اہل علم رحمہم اللہ نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔ (اور اصل حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے)

[**فصل**]: اور وضوء سے فراغت کے بعد یہ کلمات پڑھنے چاہئیں:

«اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوبُ اِلَيْكَ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ الٰہی! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والے لوگوں میں سے کر دے۔ تو پاک ہے اے اللہ! اپنی تعریف کے ساتھ، میں تیری تعریف کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں۔''

* حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے وضوء کیا۔ بعد ازاں یہ کلمات کہے:

«اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ»

''کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کا کوئی شریک اور ساجھی ہے اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[1]

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 234، و جامع الترمذي، حديث: 55، و سنن ابن ماجه، حدیث: 470 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حدیث: 84.

تو اس کے لیے (روزِ جزاء) جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔ وہ جس دروازے سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے مگر اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»

''کہ اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والے لوگوں میں سے کر دے!''

اور امام نسائی رحمہ اللہ نے «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے ''ضعیف اِسناد'' کے ساتھ یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوبُ إِلَيْكَ»

''کہ اے اللہ! تو پاک ہے، اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔''[1]

اور سُنن الدارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے وضوء کیا اور پھر کوئی بھی گفتگو کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' تو اس کے لیے دو یعنی پچھلے اور اس

---

[1] امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں 81 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند صحیح ہونے کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ اختلاف اس بارے میں واقع ہوا ہے کہ آیا متنِ حدیث مرفوع ہے یا موقوف۔ (واللہ اعلم)

وضوء کے درمیان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"[1]

## باب، قرآن حکیم (کی تلاوت) کے ساتھ وابستگی اور اسے بھول جانے سے احتیاط کے بارے میں

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "اس قرآن سے وابستہ رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ قرآن بے لگام اونٹ سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ (انسانی دل و دماغ سے) نکل جاتا ہے۔"[2]

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صاحب قرآن (یعنی حافظ و قاری وغیرہ) کی مثال لگام دیے گئے اونٹ کی طرح ہے۔ اگر تو وہ اس کی مہار کے ساتھ وابستہ رہے تو اسے قابو میں رکھ سکے گا اور اگر اسے ہاتھ سے چھوڑ دے تو وہ (جب چاہے اور جہاں چاہے آزاد ہوکر) چلا جائے گا۔"[3]

اور سنن أبي داؤد اور جامع الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ مجھ پر میری امت کے (نیک اعمال) کے اجر و ثواب پیش کیے گئے، یہاں تک کہ مسجد میں پڑے ہوئے اس تنکے یا ڈھیلے کا

---

① سُنن الدار قطني 1/93 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ حدیث غریب ہے، اور امام الدارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کے بعد کہا ہے: کہ اسے روایت کرنے میں محمد بن البیلمانی راوی منفرد ہے اور وہ بہت زیادہ ضعیف راوی ہے۔ اور اس حدیث کی سند "ضعیف" ہے۔

② صحيح البخاري، حديث:5033 اور صحيح مسلم، حديث:791، حدیث میں "تَعَاهَدُوْا" کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے کہ قرآن کی تلاوت پر ہمیشگی اور دوام رکھے اور بار بار اسے پڑھے تاکہ بھول نہ سکے۔

③ صحيح البخاري، حديث:5031 اور صحيح مسلم، حديث: 789 اور موطا امام مالک رحمہ اللہ 202/1 اور سنن النسائي: 154/2۔

بھی جسے آدمی مسجد سے اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اور (اسی طرح) مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے۔ تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی آدمی قرآن حکیم سے کوئی سورت یا آیتِ کریمہ سیکھ لینے یا حفظ کر لینے کے بعد بھول جائے۔"

اس حدیث کی "صحت" کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے۔ ①

اور سنن أبي داود اور سنن الدارمی میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی، مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے قرآن پڑھا (یا زبانی یاد کیا) پھر وہ اسے بھول گیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کو روز قیامت اس حال میں ملے گا کہ اس کے ہاتھ کٹے ہوں گے (یا جذام کے مرض میں مبتلا اللہ سے ملاقات کرے گا)۔ ②

[فصل]: تلاوتِ کلام پاک کے سلسلے میں کافی تعداد میں مسائل و آداب ہیں جن کا قاری کو اہتمام کرنا چاہیے۔ ہم یہاں چند آداب و مسائل کا ان کے دلائل کا ذکر کیے بغیر تذکرہ کریں گے۔ ایک تو اس لیے کہ وہ اس باب میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے عدم ذکر سے تحریر میں طوالت سے بچنا مقصود ہے۔ تو:

① سب سے پہلی اور اہم بات جس کا ایک قاری کو دورانِ تلاوت خیال رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت خالصۃ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے ہو۔

② کہ وہ اس تلاوت سے بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی بھی اور چیز تک پہنچنے کا ارادہ نہ رکھے۔

③ قرآن حکیم کا دل و جان سے ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ذہن میں یہ خیال رکھے کہ وہ دورانِ تلاوت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہم کلام ہے اور اس کا سچا کلام پڑھ رہا ہے۔

---

① سنن أبي داود، حدیث: 461 اور سنن الترمذی، حدیث: 2917 اور امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث غریب ہے۔" ہم نے اس سند کے علاوہ اسے کسی اور طریق سے نہیں پایا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دیگر "شواہد" بھی ذکر کیے ہیں۔" وضاحت کے لیے دیکھیے "الفتوحات" ص 3، ص 351. (حدیث ضعیف)

② سنن أبي داود، حدیث: 1474 اور سنن الدارمی، ج 2 ص 437 اور اس حدیث کی "إسناد" یزید بن ابی زیاد راوی کی موجودگی کی بناء پر ضعیف ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جس کی حدیث قابل احتجاج نہیں۔

④ وہ اس کیفیت میں تلاوت کرے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

⑤ اگر وہ یہ کیفیت طاری نہ کر سکے، تو یہی سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے ہر حالت میں دیکھتا ہے۔

[**فصل**]: اور'' قاری'' کو چاہیے کہ اگر وہ تلاوتِ کلام پاک کرنا چاہے تو وہ مسواک وغیرہ سے اپنے منہ کی صفائی کر لے۔ اور منہ کی پاکیزگی کے لیے'' اَراک درخت نیز'' سعد'' اور'' اُشنان'' کی مسواک زیادہ بہتر ہے۔ اور ان کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں کسی بھی قسم کی مسواک کا استعمال جائز ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کھردرے سے کپڑے کا کوئی ٹکڑا ہی مل جائے جس سے منہ کی صفائی ممکن ہو سکے۔ اور جہاں تک سخت انگلی سے منہ کی صفائی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے پیروکاروں کے نزدیک تین آراء ہیں جن میں زیادہ مشہور رائے یہ ہے کہ اس سے صفائی حاصل نہ ہو گی، جبکہ دوسری رائے کے مطابق مطلوبہ صفائی حاصل ہو جائے گی اور تیسری رائے یہ ہے کہ مسواک وغیرہ کی عدم موجودگی میں انگلی سے صفائی کفایت کر جائے گی۔ مگر کسی بھی قسم کی مسواک کی موجودگی میں انگلی سے صفائی کفایت نہیں کرے گی۔ اور مسواک کا آغاز اپنے منہ کی دائیں جانب سے کرے اور مسواک کرتے وقت یہ نیت رکھے کہ وہ سنت کی ادائیگی کر رہا ہے۔

ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: '' کہ انسان مسواک کرتے وقت یہ الفاظ ادا کرے (اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ) '' اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے، اے میرے اللہ! اس کام میں میرے لیے برکت ڈال دے۔

اور پھر وہ دانتوں کے اوپر اور نیچے، اندورنی اور بیرونی جانب ہر جگہ سے مسواک گزارے۔ یہاں تک کہ داڑھوں کے بیچ میں اور ان کے اوپر سے اور حلق کی گہرائی میں بھی ہلکے اور نرم انداز سے مسواک کرے اور مسواک کے لیے درمیانی لکڑی استعمال میں لائے۔ نہ وہ بہت زیادہ کھردری اور خشک ہو اور نہ بہت زیادہ نرم۔ اگر وہ زیادہ سوکھ کر سخت ہو جائے تو بار بار پانی میں بھگو کر اسے نرم کر لے۔''

اگر قاری کا منہ خون یا کسی اور چیز سے گندہ ہو جائے، تو ایسی صورت میں منہ دھونے

سے قبل قرآن کی تلاوت مکروہ (یعنی ناپسندیدہ) ہوگی۔ اور کیا حرام ہوگی یا کہ نہیں؟ تو اس میں دو قسم کی آراء ہیں جن میں زیادہ صحیح یہی ہے کہ تلاوت قرآن بہر حال حرام نہیں ہوگی۔ اور یہی مسئلہ کتاب کے شروع میں بھی گزر چکا ہے۔ اور اس "فصل" سے متعلقہ دیگر امور ان فصول میں گزر چکے ہیں جنھیں میں نے کتاب کے آغاز میں نقل کیا ہے۔"

[**فصل**]: اور قاری کو چاہیے کہ وہ تلاوتِ قرآن کے دوران خشوع وخضوع اور تدبر و تفکر سے مالا مال ہو۔ اور قرآن کی تلاوت سے یہی چیز اصل مطلوب ومقصود ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت سے (اللہ کے ذکر سے غافل) سینے کھل جائیں اور تاریک و سیاہ دل روشن ہو جائیں۔ اور اس پر اتنے زیادہ دلائل ہیں کہ جن کو احاطۂ تحریر میں لانا ناممکن ہے اور اس قدر مشہور بھی کہ جن کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ! میں ایسے گروہ بھی ہوگزرے ہیں کہ انھوں نے صرف ایک ہی آیت کی تلاوت اور اس میں غور وخوض اور تدبّر و تفکر کرتے ہوئے پوری رات یارات کا زیادہ حصہ گزار دیا تھا۔ اور ان میں ایک جماعت تو قرآنِ حکیم کی پرتاثیر آیات کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہوکر گر پڑی اور کئی گروہ ایسے بھی تھے، جنھوں نے تلاوتِ کلام پاک کے دوران عالمِ جاودانی کی طرف انتقال کیا۔

اور "قاری" کے لیے دورانِ تلاوت رونا اور آنسو بہانا بھی مستحب (یعنی پسندیدہ عمل) ہے کیونکہ تلاوتِ کلام پاک کے وقت رونا "عارفین" کی صفت اور اللہ کے نیک بندوں کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾

"اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کی اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔"①

اور میں نے اس موضوع پر کافی تعداد میں "آثار" ذکر کیے ہیں جو کہ «التِّبْيَانُ فِي آدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ» میں ذکر ہوئے ہیں۔

① بنی اسرائیل 109۔

جلیل القدر شیخ صاحب کرامات و معارف اور عظیم روحانی پیشوا حضرت ابراہیم الخوّاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں:

① کہ پورے غور و خوض اور تدبُّر کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا۔

② پیٹ کو خالی رکھنا (یعنی بہت کم کھانا کہ جس سے انسان زندہ رہ سکے)

③ رات کو اللہ کے حضور کھڑا ہونا (یعنی نماز تہجد ادا کرنا)

④ سحر (رات کے آخری پہر) کے وقت ''تضرُّع'' یعنی گریہ زاری۔

⑤ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا۔

[**فصل**]: اور جان لیجیے کہ! قرآنِ حکیم کی تلاوت زبانی کرنے کی نسبت ''مصحف شریف'' سے پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور یہی ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا خیال ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ اور ان کا یہ کہنا مطلق نہیں بلکہ اگر کسی قاری کو ''مصحف شریف'' سے پڑھنے کی نسبت زبانی تلاوت کرنے سے زیادہ تدبُّر و تفکُّر اور دل و نگاہ میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے، تو اس صورت میں زبانی تلاوت کرنا افضل ہے اور اگر مصحف شریف سے پڑھنا اور زبانی تلاوت کرنا نتیجے کے اعتبار سے مساوی ہے تو مصحف شریف سے پڑھنے کو ترجیح دینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ! کی بھی یہی پہچان ہے۔

[**فصل**]: تلاوتِ قرآن بلند آواز سے کرنے اور آہستہ دل میں پڑھنے کی فضیلت میں ہر دو طرح کے آثار وارد ہوئے ہیں۔ اہل علم رحمہم اللہ! نے ان آثار کو جمع کر کے (تطبیق دیتے ہوئے) کہا ہے کہ آہستہ اور دل میں تلاوت کرنا چونکہ ''ریاء'' یعنی دکھلاوے سے زیادہ دور عمل ہے، لہٰذا اس شخص کے حق میں یہی طریقہ افضل ہے جو ''ریاء'' وغیرہ میں مبتلا ہو جانے سے ڈرتا ہو۔ اور اگر اسے ''ریاء'' کے ارتکاب کا خوف نہ ہو تو پھر اونچی آواز میں تلاوت افضل عمل ہے۔ بشرطیکہ اس کی آواز کسی دوسرے نمازی شخص یا سونے والے وغیرہ کو تکلیف نہ دیتی ہو۔ اور اونچی آواز میں تلاوت کی فضیلت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اسی انداز

تلاوت کو شروع سے اپناتے آئے ہیں اور اسی میں ہی دیگر لوگوں کو زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ اونچی آواز میں تلاوت قاری کے دل کو بیدار کرنے اور اس کے فہم وفکر میں یکسوئی لانے اور اسی طرح سننے والوں کی توجہ قرأت کی طرف مبذول کرانے میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اونچی آواز میں تلاوت نیند اور سستی کو دور کرنے، ہمت اور چستی کو بڑھانے اور پاس والے غافل اور سونے والوں کو متنبہ کرنے میں بھی زیادہ ممد ثابت ہوتی ہے۔ تو اگر کوئی شخص یہ سب فوائد ذہن میں رکھتے ہوئے اونچی آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کرے تو اس کا یہ عمل آہستہ پڑھنے سے کہیں زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

[**فصل**]: اور اسی طرح تلاوتِ قرآن میں آواز کو سنوارنا اور اس میں ترنم پیدا کرنا[1] بھی پسندیدہ عمل ہے، بشرطیکہ وہ لفظ کو حد سے زیادہ کھینچتے ہوئے قرأت کا تقدس پامال نہ ہونے دے۔ تو اگر وہ اس سلسلے میں حد سے تجاوز کرتا ہے۔[2] یہاں تک کہ کسی حرف کو بڑھا دیتا ہے یا ویسے اس کو مخفی رکھ کر حذف کر دیتا ہے تو ایسا کرنا حرام ہے۔ اور جہاں تک "قرأت" میں غلطی کے ارتکاب کا تعلق ہے تو جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اگر وہ اس میں حد سے تجاوز کرے تو یہ حرام ہے وگرنہ کوئی حرج نہیں۔ اور دورانِ تلاوت آواز کو اچھا کرنے اور

① "الاحیاء" میں صاحبِ کتاب کی طرف سے منقول ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے الفاظ کو کھینچنے اور مبالغہ آمیزی سے اجتناب کرتے ہوئے ترنم سے تلاوت کو مزین کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآنی الفاظ کے نظم کو نہ بدل دے۔ دیکھیے: "الفتوحات" ج 3 ص: 266.

② قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ماوردی رحمہ اللہ کتاب "الحاوی" میں رقم طراز ہیں: "کہ تلاوت کے وقت ایسی اغلاط کا ارتکاب اگر تو "قرآنی لفظ" کو حرکات کے داخل کرنے یا اس سے حرکات کو نکال دینے یا ممدود حرف کو بغیر مد کے پڑھنے یا مقصور حرف کو کھینچ کر پڑھنے یا آواز میں ایسی مبالغہ آمیزی کہ جس سے کوئی لفظ مخفی رہ جائے اور اس طرح قرآنی لفظ کا مفہوم بھی ساتھ ہی خلط ملط ہو جائے تو یہ عمل حرام اور قاری "فسق" کا مرتکب ہوگا اور ساتھ ہی سننے والا بھی گناہ گار ہوگا۔ اور اگر ایسا لحن (یعنی غلطی) قرآنی لفظ کو اس کی اصل صفت سے خارج نہ کرے اور قاری اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اس کے اس "لحن" نے تلاوت میں عمدگی اور اچھائی کو جنم دیا ہے۔ دیکھیے: "الفتوحات" ج 3، ص 266.

سنوارنے کے بارے میں صحیح اور غیر صحیح احادیث کثرت سے آئی ہیں جو آئمہ حدیث کے ہاں صحت کے اعتبار سے شہرت کی حامل ہیں اور جن میں سے بعض احادیث کو میں نے ''آدابُ القُرّاء'' میں ذکر کر دیا ہے۔

[**فصل**]: اور قرآن پڑھنے والے کے لیے پسندیدہ عمل یہ ہے کہ اگر وہ تلاوت کا آغاز سورت کے وسط سے کر رہا ہو تو وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کلام اللہ کے آپس میں معانی و مفاہیم کا ربط نہ ٹوٹنے پائے اور اسی طرح جب وہ کسی آیت پر ٹھہرنا چاہے تو بھی اس بات کو ملحوظ رکھے کہ تلاوت کردہ آیات کا مفہوم اور ان میں ذکر کی گئی ہدایت آپس میں گڈ مڈ نہ ہو جائیں بلکہ اس جگہ وقف کرے جہاں جاری شدہ بیان ختم ہو رہا ہو اور وہ اس بارے میں ہرگز تساہل نہ برتے کہ تلاوت کا آغاز اور اختتام کرتے وقت جہاں سے چاہے شروع کر لے اور جہاں چاہے وقف کر لے اور آیات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھتا رہے کہ مفہوم کچھ کا کچھ بن جائے۔ قرآن حکیم کی سورتوں کے وسط میں بھی جگہ جگہ مربوط کلام موجود ہے ''قاری'' کو چاہیے کہ اس کا خصوصی التزام کرے اور انسان اکثر لوگوں کا غلط طرز عمل اپنا کر کبھی دھوکے میں نہ رہے۔ اسی لیے تو ہم نے اس بارے میں خاص طور پر منع کیا ہے، جن آداب تلاوت کا لوگ عام طور پر خیال نہیں کرتے۔

اور اس سلسلے میں ''قاری'' اس بات کو قابلِ عمل ٹھہرائے جو عظیم رُوحانی پیشوا الشیخ ابو علی الفضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے کہی ہے: ''کہ درست راستوں کو اس ڈر سے نہ چھوڑ دے کہ اس پر چلنے والے کم ہیں اور غلط باتوں کو اس دھوکے میں رہ کر نہ اپنا لے کہ ان کو اپنانے والے زیادہ ہیں۔'' اور اسی مفہوم کو اجاگر کرتے ہوئے اہل علم رحمہم اللہ نے کہا ہے: ''کہ کسی بھی طویل سورت میں سے اس کے کچھ حصے کو تلاوت کرنے سے اس پوری سورت کو پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ سورت کا بعض حصہ پڑھنے سے بسا اوقات'' کلامِ الٰہی کا آپس میں ارتباط ثابت نہیں رہتا اور اس طرح اکثر لوگ جو کہ قرآن کے معانی و مفاہیم سے نا آشنا ہوتے ہیں دوران تلاوت اکثر جگہوں پر قرآن کے احکام و مسائل کے درمیان ربط توڑنے کا ارتکاب کر

بیٹھتے ہیں۔ «اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ»

[فصل]: اور یہ عمل بھی شدید ناجائز اور بدعات میں سے ایک بدعت ہے جس کا اکثر جاہل لوگ رمضان المبارک میں لوگوں کو نمازِ تراویح پڑھاتے وقت ارتکاب کرتے ہیں کہ وہ رمضان کی ستائیسویں شب کو نمازِ تراویح کی آخری رکعت میں پوری سورۃ الأنعام یکبارگی پڑھ جاتے ہیں۔ان کے خیال کے مطابق یہ عمل مستحب (پسندیدہ) اس لیے ہے کہ یہ پوری سورت یکبارگی نازل ہوئی۔ مگر وہ اپنے اس فعل سے درج ذیل ناجائز امور کے مرتکب ہوتے ہیں:

1 ان کا یہ عقیدہ کہ ایسا کرنا مستحب ہے (حالانکہ خلافِ سنت عمل کیسے مستحب ہوسکتا ہے؟)

2 ان کے اس عمل سے عام لوگوں کا ثواب سمجھ کر یہ طریقہ اپنا لینا۔

3 ان کا دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی نسبت زیادہ لمبا کرنا (کہ یہ بھی خلافِ سنت ہے۔)

4 مقتدیوں پر (رکعت لمبی کرتے ہوئے) نماز کو بوجھل بنا دینا۔

5 قرآن کی تلاوت تیزی سے کرتے ہوئے (اس کے تقدس کو پامال کرنا)

6 اس آخری رکعت کی بدولت پہلی تمام رکعات کو قراءت میں ہلکا رکھنا۔

[فصل]: قرآن حکیم کی سورتوں کا نام لیتے وقت یہ کہنا «سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ، سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ، سُوْرَةُ النِّسَآءِ اور سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ» (یعنی بقرۃ کی سورت، آل عمران کی سورت، نساء کی سورت اور عنکبوت کی سورت) اور اسی طرح باقی سورتوں میں بھی یہ انداز اپنانا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر بعض سلف صالحین رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: کہ یہ انداز مکروہ ہے بلکہ سورت کا نام لیتے وقت یوں کہا جائے: ''وہ سورت کہ جس میں (بَقَرة) گائے کا ذکر آیا ہے۔ اور وہ سورت کہ جس میں (نِسَآء) عورتوں کا ذکر ہوا ہے اور اسی طرح باقی سورتوں کے بارے میں بھی یہی انداز اختیار کیا جائے۔ اور ان دونوں اقوال میں پہلا قول ہی درست ہے کیونکہ امت کے اکثر علماء اور سلف وخلف صالحین رحمہم اللہ! کا بھی یہی کہنا ہے۔ اور اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ! سے بھی بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح یہ بات کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں: کہ یہ قراءت ابی

عمرو رحمہ اللہ کی ہے اور یہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت ہے۔ اور یہی وہ پسندیدہ اور صحیح مذہب ہے جس پر پہلے اور بعد والے علماءِ امت کا عمل رہا ہے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ لوگ یہ کہنا ناپسند خیال کرتے تھے کہ فلاں شخص کی سنت'' اور ''فلاں شخص کی قراءت'' اور اس بارے میں درست بات یہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

[**فصل**]: اور کسی شخص کے لیے یہ کہنا: مکروہ ہے کہ میں یہ قرآن کی آیت یا سورت بھول گیا ہوں'' بلکہ اس کے بجائے وہ یوں کہے: کہ میں یہ آیت یا سورت بھلا دیا گیا ہوں یا میں نے اسے (اپنے دل و دماغ سے) گرا دیا ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے'' کہ میں یہ اور یہ قرآنی آیت کو بھول گیا ہوں بلکہ اس کے بجائے وہ یہ کہے (کہ) وہ بھلا دیا گیا ہے۔''

اور صحیحین کی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ذکر ہوئے ہیں: ''کہ ان لوگوں میں سے کسی ایک کے لیے کس قدر نامناسب بات ہے جو یہ کہے: ''کہ میں یہ اور ایسی آیت قرآنی بھول گیا بلکہ وہ کہے: ''کہ وہ بھلا دیا گیا۔''[1]

اور صحیحین میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''کہ اللہ اس پر رحم کرے، تحقیق اس نے مجھے وہ آیت یاد دلا دی جسے میں نے (اپنے قلب و ذہن سے) گرا دیا تھا۔'' اور ''صحیح'' کی ''ایک'' روایت میں یہ الفاظ ہیں: (كُنْتُ أُنْسِيْتُهَا) ''کہ میں اسے بھلا دیا گیا تھا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث:5032 اور صحيح مسلم، حديث:790 اوران دونوں کتابوں میں «لاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ» کے الفاظ ہیں۔ (مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔) اور جامع الترمذي، حديث:2943 اور سنن النسائي، ج 2، ص 154۔

[2] صحيح البخاري، حديث: 5042 اور5038 اور صحيح مسلم، حديث: 788 اور سنن أبي داود، حديث:1331۔

[**فصل**]: یہ بات اچھی طرح جان لیجیے کہ قرآن پڑھنے والے ’’قاری‘‘ اور ’’قرأت‘‘ کے اتنے زیادہ آداب ہیں کہ کئی کتابوں کی جلدوں سے کم میں ان کا شمار ناممکن ہے۔ لیکن ہم نے یہاں ان مختصر ’’فصول‘‘ میں اس بارے جو کچھ ذکر کیا ہے، اس سے ہم نے بعض اہم مقاصد کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے۔ اور سابقہ فصول میں بھی اس کتاب کے آغاز میں ’’ذاکر‘‘ اور ’’قاری‘‘ کے آداب کے سلسلے میں کچھ باتیں گزر چکی ہیں اور اسی طرح ’’نماز کے اَذکار‘‘ کے باب میں بھی ’’قرأت‘‘ سے متعلقہ آداب کا کچھ حصہ بیان ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں ہم نے اس شخص کے لیے، جو اس موضوع پر مزید معلومات چاہتا ہو، ایک کتاب «اَلتِّبْيَانُ فِي آدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْآن» کا حوالہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور اصل توفیق اللہ کی طرف سے ہے اور وہ ہمارے لیے کافی اور بہتر کارساز ہے۔

[**فصل**]: یہ جان لیجیے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت وہ ذکر ہے جس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، پس ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس پر مداومت اور ہمیشگی رکھے اور کوئی بھی دن اور رات اس سے خالی نہ جانے دے۔ خواہ وہ چند آیات ہی پڑھ لے، اس سے بھی اس کو تلاوتِ قرآن کا اصل فائدہ حاصل ہو جائے گا۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ» میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص (قرآن حکیم سے) ایک دن اور رات میں پچاس آیات پڑھ لے تو وہ غافل لوگوں میں نہیں لکھا جائے گا‘‘ اور جو شخص ایک سو آیات پڑھ لے تو وہ ’’قَانِتِيْنَ‘‘ (یعنی اللہ کے نیک اور فرماں بردار بندوں) میں لکھ لیا جائے گا اور جو شخص دو سو آیات پڑھ لے تو اس کے خلاف قرآن حکیم قیامت کے دن (اللہ کے حضور) جھگڑا نہیں پیش کرے گا اور جو شخص پانچ سو آیات تلاوت کرے تو اس کے حق میں اجر و ثواب کا ایک پورا خزانہ لکھ لیا جاتا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دس آیات (قرآن حکیم سے) پڑھ لے تو وہ غافل لوگوں میں نہیں لکھا

جائے گا۔"[1]

اور ہمیں کافی تعداد میں ایسی احادیث ملی ہیں، جن میں دن اور رات، درج ذیل قرآنی سورتوں کو پڑھنے کا ذکر آیا ہے:

«سُوْرَةُ يٰسٓ ، سُوْرَةُ تَبَارَكَ الَّذِيْ ( الْمُلْك ) ، سُوْرَةُ الْوَاقِعَة اور سُوْرَةُ الدُّخَان»

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں: جس شخص نے محض اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ہر رات اور دن میں سورۃ یٰسٓ پڑھی تو اسے اس کے بدلے معاف کر دیا جائے گا۔[2]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "کہ جو شخص رات کو سورۂ دخان کی تلاوت کرے گا تو اس کی صبح اس حالت میں ہو گی کہ اس کے گناہ معاف کر دیے گئے ہوں گے۔"[3]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ آیا ہے وہ کہتے ہیں: کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے تو اسے (کبھی) فاقہ (بھوک) نہیں پہنچے گی۔"[4]

---

① کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ از امام ابن السنی رحمہ اللہ حدیث 676 اور 677 اور ان دونوں روایتوں کی اسناد ضعیف ہیں مگر ان دونوں کے لیے، شواہد، ضرور موجود ہیں جن کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: کتاب الفتوحات، ج 3، ص 275.

② عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ از ابن السنی، حدیث: 679 اور اس حدیث کے "شواہد" مؤطا امام مالک رحمہ اللہ، صحیح ابن حبان، شعب الایمان از امام بیہقی اور ان کے علاوہ دیگر کتب سنن میں بھی ذکر ہوئے ہیں۔

③ عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ از کتاب ابن السنی رحمہ اللہ، حدیث: 684 اور اس کی سند میں "ابوالمقدام" راوی ضعیف ہے۔

④ أيضاً، حدیث: 685 اور اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ ہے: "اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو بھی ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ اور اس حدیث کی اسناد بھی ابوظبیہ رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھیے "الفتوحات" 3:280.

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک آپ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ ...... إلخ اور سُوْرَةُ الْمُلْكِ (تَبَارَكَ الَّذِي ...... إلخ) تلاوت نہ کر لیتے تھے۔ ①

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے رات کو (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ...... إلخ) سورت تلاوت کی تو اس کو نصف (آدھے) قرآن کی تلاوت کا ثواب حاصل ہوگا۔ اور جس شخص نے رات کو (قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ) کی تلاوت کی تو اس کے بدلے اسے قرآن کے ایک چوتھائی حصے کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔ اور جس شخص نے رات کو (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) یعنی سُورَۂ اِخلاص کی تلاوت کی تو اسے پورے قرآن کے ایک تہائی حصے کی تلاوت کا ثواب حاصل ہوگا۔'' ②

نیز ایک روایت میں یہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں۔ (ترجمہ): ''اور جس شخص نے رات کو ''آیۃ الکرسی'' اور حٰمٓ السَّجدۃ کا شروع حصہ تلاوت کیا تو وہ اس کے بدلے اس دن کی ہر برائی (اور شر) سے بچا لیا جائے گا۔ ③

اور اس موضوع سے متعلق ان جیسی احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں، کافی تعداد میں موجود ہیں اور ہم نے ان کے ذکر سے اصل مقاصد کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور اللہ ہی بہتر اور زیادہ جانتا ہے۔ اسی ذات کے لیے ہر قسم کی تعریف و ثناء ہے اور اس کی ذات ہی اس کی توفیق اور گناہوں سے بچاؤ کا اصل ذریعہ ہے۔

---

① از کتاب ابن السنی رحمہ اللہ حدیث: 680 اور امام السیوطی رحمہ اللہ نے اسے اپنی ''الجامع الصغیر'' میں امام أحمد رحمہ اللہ، ترمذی رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ، کی طرف منسوب کیا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کے ضعیف ہونے کا اشارہ دیا ہے۔

② از کتاب ابن السنی رحمہ اللہ، حدیث: 691 اور اس کی سند میں انتہائی ضعیف راوی ہے۔

③ از کتاب ابن السنی رحمہ اللہ، حدیث: 692 اور اس کی إسناد بھی ضعیف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: «الفتوحات» جلد: 3 ص: 284.

# باب، اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کتاب

اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾

''کہہ دو کہ ہر قسم کی تعریفات اللہ ہی کو سزاوار ہیں اور اس کے بندوں پر سلام ہے جن کو اس نے منتخب فرمایا۔''①

ایک اور جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ آيَاتِهٖ﴾

''اور کہہ دو کہ تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں وہ عنقریب تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائے گا۔''②

ایک اور مقام پر اللہ کا ارشاد یوں ہوا ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾

''اور کہو کہ ہر قسم کی تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا۔''③

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾

''اگر تم شکر کرو گے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا۔''④

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾

''سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔''⑤

① النمل 59۔ ② النمل 93۔ ③ الإسراء111۔
④ ابراهيم 7۔ ⑤ البقره 152۔




اور ان آیات کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش اور شکر ادا کرنے کے حکم میں اور اس کی فضیلت پر کافی تعداد میں آیات موجود ہیں۔

اور سنن اَبی داؤد، سنن ابن ماجہ اور مستخرج اَبی عوانہ اسفرائینی، جس کی تخریج صحیح مسلم پر کی گئی ہے، میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ ہر وہ اہم (اور اچھا) کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے نہ کی جائے تو دم کٹا (یعنی ناتمام) ہوتا ہے۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''کہ ہر وہ کام (گفتگو) جس کی ابتداء میں اللہ کی تعریف نہ ہو تو وہ برکت سے خالی (یعنی ناتمام و ناقص) ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں ان الفاظ کا ذکر ہوا ہے: ''کہ ہر وہ اہم (اور اچھا) کام جس کا آغاز ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سے نہ کیا جائے تو وہ برکت سے خالی (یعنی ناقص) ہوتا ہے۔[1]

اور یہ تمام ذکر کردہ متفرق الفاظ ہمیں الحافظ عبدالقادر الرّھاوی کی کتاب ''لاَربعین'' سے ملے ہیں اور یہ ''حدیث حسن'' ہے۔ جبکہ یہ حدیث جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ''موصُول'' یعنی سند میں بغیر کسی انقطاع کے بھی ذکر کی گئی ہے اور ''مرسل'' حیثیت سے بھی، جبکہ موصول روایت کی اِسناد جید (یعنی عمدہ) ہے اور جب ایک ہی روایت بیک وقت ''موصول'' اور ''مرسل'' روایت کی جائے تو جمہور اہل علم کے ہاں وہ ''موصول'' کے حکم میں ہوگی۔ اس لیے کہ روایت کا ''موصول'' ہونا اس کی ثقاہت میں اضافہ کی دلیل ہوتی ہے اور یہ ''اصول'' اکثر اہل علم کے نزدیک قابل قبول ہے۔

اہل علم رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: ''کہ ہر وہ شخص جو کسی بھی اہم اور اچھے کام کی ابتداء کرے، جیسے کوئی مصنف ہو، پڑھنے پڑھانے والا ہو یا خطیب اور مقرر ہو تو اس کے لیے مستحب (اور مسنون عمل) یہ ہے کہ وہ شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کے کلمات ادا کرے۔''

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 4840 اور سنن ابن ماجه، حديث: 1894۔ اور امام منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام نسائی نے مسند و مرسل دونوں طریقوں سے نکالا ہے۔ (ضعيف: بجميع طرقه)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کہ میرے نزدیک یہ عمل انتہائی پسندیدہ ہے کہ آدمی اپنے خطبہ اور ہر اہم اور اچھے کام کی ابتداء میں اللہ جل شانہ کی تعریف و ستائش کرے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود بھیجے۔

[**فصل**]: یہ بات جان لیجیے کہ ”اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش کے کلمات کہنا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے ہر ضروری اور اچھے کام کی ابتداء میں مستحب (اور مسنون عمل) ہے۔ اور اسی طرح (بعض مرغوب اعمال جیسے) کھانے پینے، چھینکنے، عورت کی منگنی (یعنی نکاح کے لیے نسبت) سے فراغت کے بعد اور نکاح کرتے وقت اور قضائے حاجت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات کہنا مستحب عمل ہے۔ اور ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ذکر اذکار کے بارے میں تفصیلات، ان کے دلائل سمیت ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب متعلقہ ابواب میں بیان کی جائیں گی۔ سرِ دست یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جائے حاجت سے نکلتے اور اس میں داخل ہوتے وقت کیا کچھ پڑھنا چاہیے۔ اس بارے میں اذکار تفصیل کے ساتھ متعلقہ باب میں پہلے گزر چکے ہیں۔“ اور اسی طرح یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ تصنیف شدہ کتابوں کی ابتداء میں پڑھانے والوں کے اسباق کے آغاز میں اور علم حاصل کرنے والوں کی قرأت (پڑھائی) کے شروع میں خواہ وہ حدیث پڑھ رہے ہوں یا ”فقہ“ یا اس کے علاوہ کوئی اور درسی کتاب، اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش کرنا مستحب ہے۔ اور اس بارے میں سب سے اچھے کلمات: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ» ہیں۔

[**فصل**]: خطبۂ جمعہ اور اس کے علاوہ دیگر خطبات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ”رکن“ (کا درجہ رکھتی) ہے، اس کے بغیر کوئی خطبہ بھی درست نہ ہوگا۔ اور اس میں کم از کم «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے الفاظ کہنا واجب ہیں۔ اور پھر ان الفاظ پر تعریف و ستائش کے کلمات کا اضافہ کرنا بہت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور اس موضوع پر تفصیلی مواد کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور ان کلمات کا دورانِ خطبہ، عربی زبان میں ادا کرنا شرط ہے۔

[**فصل**]: اور ایک مسلمان کے لیے یہ مستحب (پسندیدہ و مسنون عمل) ہے کہ وہ اپنی

''دعاء'' کا آغاز و اختتام ان الفاظ کے ساتھ کرے۔ «الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ»
اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''اور ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ اللہ، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، کی تعریف (اور اس کا شکر) ہے۔''[1]

اور جہاں تک ''دعاء'' کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و تمجید کے کلمات کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے ''صحیح حدیث'' بطور دلیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہی ''رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے'' کے باب میں آئے گی۔

[**فصل**]: اور کسی بھی نعمت کے حصول یا کسی ناپسندیدہ (اور تکلیف دہ) چیز کے خاتمے کے وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف و ستائش پسندیدہ عمل ہے۔ خواہ اس نعمت کا حصول یا مکروہ چیز کا خاتمہ انسان کی اپنی ذات کے لیے ہو یا اس کے کسی دوست کے لیے یا عام مسلمانوں کے لیے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے پاس ''اسراء'' کی رات دو پیالے (برتن) لائے گئے۔ ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ نے دونوں برتنوں کو دیکھا (اور) دودھ والا برتن لے لیا۔ تو اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

«الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ ، غَوَتْ اُمَّتُكَ»

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے آپ کی فطرت کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اگر آپ ﷺ شراب پکڑ لیتے تو آپ ﷺ کی امت بھٹک جاتی۔''[2]

اور جامع الترمذی وغیرہ میں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب بندۂ (مؤمن) کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو

[1] سورہ یونس: 10۔ [2] صحیح مسلم، حدیث: 168۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں: ''کہ تم نے میرے بندے کے لخت جگر کو قبض کر لیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: ہاں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' کیا تم اس کے جگر گوشے کے ٹکڑے کو نکال لائے ہو۔'' فرشتے کہتے ہیں: ہاں۔تو اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرا بندہ کیا کہتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: اس نے (اس صدمے پر بھی ) تیری تعریف اور'' استرجاع'' «اِنَّآ لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» پڑھا ہے۔تو اللہ (خوش ہوکر) فرماتے ہیں:'' اگر ایسی بات ہے تو پھر میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس کا نام "بَيْتُ الْحَمد" (یعنی تعریف کا گھر) رکھو۔''[1]

امام ابوعیسی ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش اور اس کی فضیلت پر کافی تعداد میں مشہور احادیث ذکر ہوئی ہیں۔جیسا کہ اس کتاب کی ابتداء میں بھی (اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ابواب میں )«سُبْحَانَ اللّٰهِ» اور «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے فضائل پر صحیح احادیث کا ایک مجموعہ گزر چکا ہے۔

[**فصل**]: خراسان سے تعلق رکھنے والے ہمارے متاخرین ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''اگر انسان قسم کھالے کہ وہ ضرور بالضرور جامع کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا اور ان میں سے ہی وہ شخص بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ ضرور ضرور اللہ کی سب سے بڑھ کر اور زیادہ مقدار میں تعریف کرے گا۔تو ایسے شخص کو اپنی قسم پوری کرنے کے لیے یہ کلمات پڑھنے چاہئیں۔«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا يُوَافِيْ نِعَمَهٗ وَ يُكَافِئُ مَزِيْدَهٗ» اور «يُوَافِيْ نِعَمَهٗ» کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی مقدار میں تعریف وثناء جو اس کی (لامحدود ) نعمتوں کو پالے اور پھر اس تعریف سمیت اسے وہ حاصل ہو جائیں۔اور «يُكَافِئُ مَزِيْدَهٗ» سے مراد یہ ہے کہ اس کی مزید نعمتوں کے برابر اس کی تعریف ہو۔'' (مطلب یہ کہ اس لامتناہی صفات کی

---

[1] جامع الترمذی، حدیث:1021 اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی المسند میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی'' صحیح'' میں بھی اسے روایت کیا ہے۔اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ حدیث حسن ہے۔مزید دیکھیے: الفتوحات، ج 3، ص 296.




حامل ذات کی تعریف اس کی لامحدود نعمتوں سے بھی زیادہ مقدار کو کفایت کر جائے )۔

اور اہل علم رحمہم اللہ! نے یہ بھی کہا ہے: ”کہ اگر کوئی شخص اس بات کی قسم کھا لے کہ وہ ضرور، ضرور اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ اور اچھے اسلوب سے ثناء کرے گا۔ تو ایسا شخص اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے یہ کلمات پڑھے: «لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ» کہ (اے اللہ) جس طرح آپ نے اپنی ذات پر ثناء کی، میں تو آپ کی ذات پر اتنی مقدار اور اس انداز میں ثناء (کرنا تو درکنار) شمار کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ (لہٰذا اپنی طاقت کی حد تک آپ پر ثناء کرتا ہوں)۔

اور بعض اہل علم رحمہم اللہ! نے مذکورہ دعاء کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے: «فَلَكَ الْحَمْدُ حَتّٰى تَرْضٰى» پس آپ کی ذات کے لیے ہی ہر قسم کی تعریفات ہیں۔ (اس قدر) جو آپ کو راضی کر دیں، یا آپ راضی ہو جائیں۔“

اور ابو سعد المتولی رحمہ اللہ نے قسم کھانے والے شخص کے بارے میں یہ صورت پیش کی ہے کہ وہ کہے «لَيُثْنِيَنَّ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِأَجَلِّ الثَّنَاءِ وَ أَعْظَمِهٖ» اور بعض علماء نے ذکر کے شروع میں سُبْحَانَكَ کا اضافہ کیا ہے۔

اور ابو نصر التمار رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ محمد بن نضر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام نے دعاء کی کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے میرے ہاتھ کی کمائی میں مصروف کر دیا ہے تو اب آپ مجھے ایسا عمل سکھا دیں جو آپ کی تعریف و ستائش اور پاکیزگی کے بیان میں جامع (اور کمال کی حیثیت رکھتا) ہو۔ تو اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم! جب تم صبح کرو اور شام کرو تو تین تین مرتبہ یہ کلمات پڑھا کرو۔

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدًا يُّوَافِيْ نِعَمَهٗ وَ يُكَافِئُ مَزِيْدَهٗ»

”کہ تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اتنی تعریفات جو اس کی (لامحدود) نعمتوں کو مقدار میں پالیں اور اس پر مزید اس کی

نعمتوں کو کفایت کر جائیں۔“

سو یہ ذکر اللہ جلّ شانہ کی تعریف اور اس کی پاکیزگی بیان کرنے کا مخزن ہے۔

(اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے)

## اللہ کے رسول ﷺ پر درود کی کتاب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے اہلِ ایمان تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“[1]

اور درود کی فضیلت اور اس کی تاکید پر اتنی زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ مگر ہم یہاں چند احادیث کو محض اس لیے ذکر کریں گے کہ ایک تو اس بارے میں تساہل برتنے والے کو تنبیہ ہو جائے اور دوسرے یہ کتاب بھی درود و سلام کی اہمیت و فضیلت کے بیان کی برکت سے محروم نہ رہے۔

### باب، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کے بارے میں

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اُس پر دس 10 رحمتیں بھیجتا ہے۔“[2]

---

[1] الأحزاب 56.

[2] صحيح مسلم، حديث: 384، سنن أبي داود، حديث: 523، سنن الترمذي، حديث: 3619، سنن النسائي، ج 6 ص 25.

اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔“ ①

اور جامع الترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ روز قیامت لوگوں میں میرے سب سے زیادہ مقرب اور محبوب مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والے ہوں گے۔“ ②

امام ترمذی رحمہ اللہ! کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ”کہ اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عمار، حضرت ابوطلحہ، حضرت انس اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اور سنن أبي داود، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں صحیح سندوں کے ساتھ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بے شک تمھارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ تو اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ”اے اللہ کے رسول ﷺ: ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ ﷺ خاک میں مل چکے ہوں گے؟“ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرات کو حرام کر دیا ہے (کہ وہ انھیں کھائے)۔“ ③

اور سنن أبي داود ”کتاب الحج“ کے آخر پر ”قبروں کی زیارت کے باب“ میں صحیح باسناد

① صحيح مسلم، حديث: 408، سنن أبي داود، حديث: 1530، سنن الترمذي، حديث: 485، سنن النسائي، ج 3، ص 50.

② سنن الترمذي، حديث: 484.

③ سنن أبي داود، حديث: 1047، سنن النسائي، ج 3 ص 91، سنن ابن ماجه، حديث: 1085 اور حدیث: 1636 اور اس کی سند صحیح ہے۔

کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم میری تربت کو ''عید گاہ'' نہ بنا لینا اور (اس کے بجائے) مجھ پر درود بھیجتے رہنا۔ اس لیے کہ تمھارا درود جہاں کہیں بھی تم ہو گے مجھے پہنچے گا۔''[1]

اور سنن أبي داؤد میں ہی صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر (درود و) سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں اس شخص کی طرف سلام کا جواب لوٹا دیتا ہوں۔''[2]

## باب، جس شخص کے پاس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو اس کو درود و سلام پڑھنے کی تاکید کے بارے میں

''جامع الترمذی'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں جید (عمدہ) اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ مجھ پر درود بھیجے۔ تو جس شخص نے بھی مجھ پر ایک

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 2042 اور اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

[2] سنن أبي داود، حديث: 2041 اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ دیکھیے: الفتوحات، ج 3، ص 316.

[3] جامع الترمذی، حدیث: 3539 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔ دیکھیے: ''الفتوحات'' ج 3، ص 319.

مرتبہ درود بھیجا، اللہ عزّ وجلّ اس پر (اس کے بدلے) دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔"[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ! ہی کی کتاب میں "ضعیف إسناد" کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تحقیق بد بختی پا گیا وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا تو اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا۔"[2]

اور "جامع الترمذی" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی، مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "(حقیقت میں) کنجوس وہ شخص ہے کہ جس کے پاس میرا ذکر ہو تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور سنن النسائی میں بھی ہمیں یہی روایت حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوعاً ملی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "بعض اہل علم رحمہم اللہ ! سے روایت کی جاتی ہے۔" وہ کہتے ہیں: "کہ جب آدمی مجلس میں بیٹھے ہوئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجتا ہے تو اس "مجلس" میں (ناپسندیدہ امور میں سے جو کچھ بھی اس سے) سرزد ہوگا تو وہ اسے کفایت کر جائے گا۔ (یعنی اس کے لیے موجب کفارہ ہوگا)

## باب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی صفت (اس کے طریقے) کے بارے میں

گزشتہ صفحات پر ہم "نماز کے أذکار کی کتاب" میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا

---

[1] عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ از امام ابن السنی، حدیث: 382 اور امام نسائی نے اس حدیث: 61 کو عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں روایت کیا ہے اور اس کی إسناد صحیح ہے۔

[2] ایضاً، حدیث: 383 اور اس حدیث کی إسناد ضعیف ہے کیونکہ فضل بن مبشر راوی اس کی سند میں موجود ہے۔

[3] جامع الترمذی، حدیث: 3540 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں حدیث: 55-56 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرك" میں ج 1 ص 549 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے، نیز اس کی إسناد حسن ہے۔ جیسا کہ "الفتوحات" ج 3، ص 323 پر مذکور ہے۔

طریقہ اور اس سے متعلقہ دیگر مسائل اور خاص طور پر کامل درود اور اس کی کم از کم مقدار کے بارے میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس بارے میں جو ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ! اور خاص طور پر ابن ابی زید المالکی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''کہ درود کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ ''مستحب'' ہے: «وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَ آلَ مُحَمَّدٍ» اور محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر رحم فرما۔'' تو ان کا یہ کہنا بدعت ہے، جس کی کوئی اصل (دلیل) نہیں۔ اور امام ابوبکر بن عربی المالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح الترمذی'' میں اس قول کے انکار اور ابن ابی زید رحمہ اللہ کے اس خیال کے غلط ہونے پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے اور اس پر عمل کرنے والے کو ''جاہل'' کے لقب سے نوازتے ہوئے کہا ہے: کہ ''چونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے (واضح طور پر) اپنی ذات پر درود بھیجنے کا طریقہ ہمیں سکھا دیا ہے تو اب اس پر کسی قسم کا اضافہ کرنا آپ ﷺ کے فرمان کی قدر ومنزلت کم کرنے اور آپ ﷺ کے علم وحکمت سے سبقت لے جانے کے دعوے کے مترادف ہے۔'' (اور حق بات کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔)

[**فصل**]: جب کوئی مسلمان نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجے تو اس کو درود و سلام کے الفاظ کو ایک ساتھ (جمع کر کے) درود بھیجنا چاہیے اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء نہ کرے۔ لہٰذا وہ نہ صرف «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ» کے الفاظ کہے اور نہ صرف «عَلَيْهِ السَّلَامُ» کے (بلکہ یوں کہے: «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ»!

[**فصل**]: حدیث پڑھنے یا اسی قبیل کی کوئی اور کتاب کا مطالعہ کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جب بھی وہ پڑھائی کے دوران اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر کرے تو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درود وسلام بھیجتے ہوئے اپنی آواز بلند کرے۔ اور آواز بلند کرنے میں حد سے زیادہ بھی مبالغہ نہ کرے اور وہ لوگ جو آواز بلند کرنے پر نص (تاکید اور ثبوت) بیان کرتے ہیں ان میں (سرفہرست) امام الحافظ ابوبکر خطیب البغدادی رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم رحمہم اللہ! ہیں۔ جنھیں میں ''علوم الحدیث'' میں نقل کر چکا ہوں۔ نیز ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے اہلِ علم اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ''تلبیہ'' پڑھتے

ہوئے بھی مسلمان شخص کے لیے اونچی آواز میں ''رسول اللہ'' کی ذات گرامی پر درود بھیجنا مستحب عمل ہے۔اور حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

## باب، اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی ﷺ پر درود کے ساتھ دعا شروع کرنے کے بارے میں

سنن ابی داود، جامع الترمذی اور سنن النسائی میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی نماز میں دعاء کرتے ہوئے اس حال میں سنا کہ نہ اس شخص نے (دعاء کے آغاز میں) اللہ کی بزرگی بیان کی اور نہ نبی محترم ﷺ پر درود بھیجا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص نے جلد بازی کی۔'' پھر اس کو بلایا اور اسے یا اس کے علاوہ کسی اور شخص سے کہا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو اسے چاہیے کہ اس کی ابتداء میں اپنے پاک پروردگار کی بزرگی بیان کرے اور اس پر ثناء پڑھے، پھر اس کے نبی (ﷺ) پر درود بھیجے۔ پھر اس کے بعد جس چیز کی طلب میں چاہے دعا مانگ لے۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

اور ''جامع الترمذی'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں (موقوف) حدیث ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''بے شک (تیری) دعا زمین و آسمان کے درمیان ٹھہر جاتی ہے اور اس میں سے کچھ حصہ بھی (قبولیت کے لیے) اوپر نہیں اٹھتا جب تک کہ تم اپنے نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود نہ بھیجو۔''[2]

---

① سنن أبي داود، حديث: 1481 اور جامع الترمذی کی حدیث: 3473 اور 3475، سنن النسائي، ج 3، ص 44، المستدرك، ج 1، ص 231 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی موافقت کی ہے۔

② "جامع الترمذي" حديث: 486 اور یہ حدیث موقوف ہے۔ اس کی سند میں ''ابو قرۃ الأسدی'' مجہول راوی ہے جس کے اصل حالات اور نام کے بارے میں علم نہیں ہوا۔ دیکھیے: ''الفتوحات''، ج 3، ص 334.

(امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں) میرے قول کے مطابق، اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی ذات پر ثناء کے ساتھ دعاء کی ابتداء اور پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور اسی طرح ان دونوں اذکار کے ساتھ دعا کا اختتام ''مستحب عمل'' ہے۔اور اس باب میں (دلیل کے طور پر) کافی تعداد میں معروف ''آثار'' وارد ہوئے ہیں۔

## باب: انبیاء علیہم السلام اور ان کی متابعت میں ان کی ''آل'' پر بھی درود بھیجنے کے بارے میں

علماء کرام کا اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (صلاۃ) درود بھیجنے کا اتفاق ہے اور اسی طرح تمام انبیاء اور فرشتوں پر بھی وہ درود بھیجنا جائز اور مستحب خیال کرتے ہیں، مگر جہاں تک انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہستیوں کا تعلق ہے تو جمہور علماء کے نزدیک درست بات یہ ہے کہ ان پر ابتداء میں درود بھیجنا درست نہیں لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا: ''حضرت ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس ممانعت کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ہمارے بعض ائمہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ یہ حرام ہے اور اکثر کے ہاں مکروہ یعنی کراہت تنزیہی کے زمرے میں آتا ہے۔اور ان میں سے کافی تعداد ایسے علماء حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا مکروہ بھی نہیں بلکہ ''خلاف اولیٰ'' یعنی اچھے اور احسن طریقے سے ہٹ کر ہے۔اور اس بارے میں درست رائے یہی ہے جو کہ زیادہ تر اہل علم رحمہم اللہ کی اختیار کردہ ہے کہ یہ ناپسندیدہ اور کراہت تنزیہی کا حکم رکھتا ہے۔اس لیے کہ ایسا کہنا اہل بدعت کے شعار (علامت) میں سے ہے۔اور شریعت میں اہل بدعت کے شعار (یعنی عادات اور طور طریقے) اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اور ''مکروہ'' وہ چیز ہوتی ہے جس پر عمل شریعت میں ناپسندیدہ ہو اور اس پر عمل کو روکنا مقصود ہو۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کہتے ہیں: ''کہ اس بارے میں قابل اعتماد بات یہ ہے کہ ''صلاۃ'' یعنی درود سلف صالحین رحمہم اللہ! کی زبان پر صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص ہو کر رہ گیا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں ''عزَّ و جلَّ'' کے الفاظ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے لیے

خاص ہیں۔ تو جس طرح یہ نہیں کہا جا سکتا «مُحَمَّدٌ عَزَّوَجَلَّ» باوجودیکہ آپ کی ہستی اللہ کے بعد معزز اور جلیل القدر ہے، بعینہٖ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا: ''حضرت ابوبکر یا حضرت علی ﷺ'' اگرچہ حقیقت اور مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ درست ہے۔

اور علمائے سلف رحمہم اللہ! کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے ساتھ ان کی امت کے دیگر افراد پر بھی درود بھیجنا جائز ہے۔ لہٰذا اس بارے میں صحیح احادیث کے ثبوت کی بناء پر یہ الفاظ ادا کیے جا سکتے ہیں «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، وَ أَصْحَابِهٖ وَ أَزْوَاجِهٖ، وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ أَتْبَاعِهٖ» ''اے اللہ، آپ کی رحمتیں ہوں حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر اور آپ ﷺ کے اصحاب پر اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات پر اور آپ ﷺ کی اولاد پر اور آپ ﷺ کے اطاعت گزار امتیوں پر۔'' اور دوران نماز حالتِ ''تشہد'' میں بھی ہمیں ان سے ملے جلے درود کے الفاظ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ علمائے سلف رحمہم اللہ! نے نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی یہ درود پڑھنے کا ہمیشہ سے اہتمام و التزام کیا ہے۔ اور جہاں تک آپ ﷺ کی ذات اقدس پر (السَّلَام) کے الفاظ کہنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمارے ائمہ کرام میں سے شیخ ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''کہ یہ اصل میں (الصَّلَاۃ) یعنی درود کا ہی مترادف (ہم معنی) لفظ ہے۔ لہٰذا یہ کسی غائب شخص کے لیے نہیں پڑھا جا سکتا اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی ایک شخص کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ شخص زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں (عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ) لیکن اگر کوئی شخص سامنے موجود ہو تو اسے ان جیسے الفاظ سے پکارا جا سکتا ہے «سَلَامٌ عَلَيْكُمْ' یا 'سَلَامٌ عَلَيْكَ' یا 'السَّلَامُ عَلَيْكَ' یا 'السَّلَامُ عَلَيْكُمْ» اور اس پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔ نیز اس بارے میں مزید وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ اس بحث سے متعلقہ ابواب میں آئے گی۔

**[فصل]**: اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ! اور ان کے بعد آنے والے تمام علمائے کرام اور دیگر نیکوکار اہلِ ایمان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت کی

دعاء کرنا مستحب (یعنی پسندیدہ عمل) ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی ایک کے ذکر پر (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو یا «رَحِمَهُ اللّٰهُ» کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے یا ان سے ملتے جلتے دوسرے کلمات کہنا درست ہے۔ اور اس بارے میں بعض علماء نے جو کہا ہے کہ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) کے الفاظ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خاص ہیں اور صحابی کے علاوہ دیگر اشخاص کے لیے صرف «رَحِمَهُ اللّٰهُ» کہنا چاہیے تو حقیقت ایسے نہیں اور نہ اس قول سے موافقت کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس بارے میں صحیح بات جمہور اہلِ علم رحمہم اللہ کی ہے جو اسے صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لیے ادا کرنا مستحب گردانتے ہیں اور اس قول کی تائید میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اور اگر ایک ہی جگہ پر کسی صحابی کے ساتھ اس کے باپ صحابی کا بھی ذکر آ جائے اور انکا کوئی قول ذکر کرنا مقصود ہو تو دعائیہ کلمات میں دونوں کو ایک ساتھ شریک کیا جائے گا جیسے «قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا» اور اسی طرح حضرت ابن عباس، حضرت ابن الزبیر، حضرت ابن جعفر، حضرت اسامہ بن زید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے ذکر کے ساتھ «رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا» کہا جائیگا تا کہ باپ اور بیٹا صحابی ہونے کی وجہ سے دعاء میں شریک ہو سکیں۔

تو اگر یہ کہا جائے:

**[فصل]**: کہ جب حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر آئے تو کیا ان کے ناموں پر انبیاء علیہم السلام کی طرح درود و سلام بھیجا جائے گا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ کی طرح ان کے حق میں دعا کی جائے گی۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ''جمہور اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں حضرات نبی نہیں ہیں اور جس نے انھیں انبیاء علیہم السلام میں شمار کیا ہے تو اس کا یہ کہنا ''شاذ'' ہے۔ نہ اس قول کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی قابل التفات۔ اور اس بارے میں، میں نے کتاب «تَهْذِيْبُ الْاَسْمَآءِ وَ الصِّفَات» میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ تو جب یہ بات واضح ہو چکی ہے تو اس کے باوجود، کچھ علماء نے بہرحال ایسے انداز سے اظہار خیال کیا ہے، جس سے یہ بات

سمجھ میں آتی ہے کہ انھوں نے یہ کلمات ادا کیے ہیں: «قَالَ لُقْمَانُ» یا «قَالَتْ مَرْيَمُ» صَلَّى اللّٰهُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلَيْهِ وَ عَلَيْهَا وَ سَلَّمَ .

یہ دلیل دیتے ہوئے کہ چونکہ ان کا ذکر خاص انداز میں قرآن حکیم میں کیا گیا ہے اور وہ اس اعتبار سے اونچا مقام رکھتے ہیں کہ ان کے ذکر پر («لُقْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ» یا «مَرْيَمُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا» کہا جائے۔

(امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) جہاں تک میری ذاتی رائے ہے تو «لُقْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ» اور «مَرْيَمُ عَلَيْهَا السَّلَامُ» کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر زیادہ بہتر اور صحیح رائے یہی ہے کہ ان کے ذکر کے ساتھ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) اور (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا) ہی کہا جائے، اس لیے کہ یہ دعائیہ کلمات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر ہستیوں کے لیے کہے جاتے ہیں اور حضرت لقمان، حضرت مریم رضی اللہ عنہا دونوں کا نبی ہونا ثابت نہیں۔ اور امام حرمین رحمہ اللہ نے تو اس بات پر اہل علم رحمہم اللہ! کا اجماع (اتفاق) نقل کیا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نبی نہیں ہیں۔ اور اس کا تذکرہ ''الإرشاد'' میں ہوا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان دونوں کے ذکر پر (عَلَيْهِ السَّلَامُ) یا (عَلَيْهَا السَّلَامُ) کے الفاظ کہہ بھی دیتا ہے تو ظاہری مفہوم یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور حقیقت حال تو اللہ بہتر جانتے ہیں۔

# کتاب
# ان اَذکار اور دعاؤں کے بارے میں جو ناگہانی پیش آمدہ صورتِ حال میں پڑھے جاتے ہیں

یہ بات جان لیجیے کہ ذکر کے سلسلے میں جو کچھ میں نے سابقہ ابواب میں بیان کیا ہے، یہ وہ ''اذکار'' تھے جو ہر رات اور دن میں مقررہ اوقات اور متعین مقدار میں پڑھے جاتے ہیں، اور جو اَذکار اور دعائیں میں اب ( آئندہ ) ذکر کروں گا وہ اچانک اور ناگہانی ( عوارض یعنی آفات و مصائب اور ) حوادث رونما ہونے پر پڑھنے کے لیے ہیں۔ اسی لیے ان کے بیان میں خاص ترتیب کا بھی اہتمام نہیں کیا گیا۔''

## **باب**، دعائے استخارہ کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ایک مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر معاملے میں دعائے استخارہ اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن حکیم میں سے کوئی سورت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تم میں سے کسی ایک کو کوئی معاملہ ( کا حل ) درپیش ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت نفل ادا کرے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ، وأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وأسأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ العَظِيمِ، فإنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وأنْتَ عَلَّامُ الغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعاقِبَةِ أَمْرِي، أو قال: عاجِلِ أَمْرِي وآجِلِهِ، فاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي، ثُم بارِكْ لِي فِيهِ، وإنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أو قال: عاجِلِ أُمْرِي وآجِلِهِ، فاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي

عَنْهُ، وَاقْدُرْلِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ، قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ»

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کے علم کی بدولت بھلائی طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کی برکت سے طاقت چاہتا ہوں اور آپ سے بڑے فضل کا طلب گار ہوں۔ اس لیے کہ آپ طاقت رکھتے ہیں اور میں ناتواں ہوں اور آپ جانتے ہیں اور میں نادان ہوں اور آپ تو پوشیدہ چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرا یہ کام، میرے دین اور دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور اس کو میرے لیے آسان بنا دے۔ پھر اس کو میرے لیے باعثِ برکت بنا دے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ کام میرے لیے دین اور دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس کو مجھ سے دور کر دیجیے اور مجھے بھی اس سے دور کر دے اور میرے لیے خیر (بھلائی) کو مقدر کر دے جہاں کہیں بھی ہو۔ پھر اس پر مجھے راضی بھی کر دے۔ (اور اثنائے دعاء) بجائے «هَذَا الْأَمْرَ» کے اپنی حاجت (ضرورت) کا نام لے۔''[1]

اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ نماز اور دعا کے ساتھ استخارہ کرنا مستحب ہے اور نماز کی مقدار دو رکعت نفل ادا کرنا ہے اور کلام کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعتیں سنن رواتب (یعنی مؤکدہ سنتیں)، تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہوتے وقت دو رکعت جو کہ مسجد کا حق ہے) یا ان کے علاوہ دیگر نفلی نمازوں سے بھی کفایت کر سکتی ہیں۔ اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد «قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ» اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد «قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ» پڑھی جائے۔ اور اگر کسی وجہ سے دو رکعت نماز ادا کرنا ناممکن ہو تو صرف دعائے استخارہ ہی پڑھ

[1] صحيح البخاري، حديث: 6382، سنن أبي داود، حديث: 1538، جامع الترمذي، حديث: 480، سنن النسائي، ج 6، ص 80-81، کتاب 'المجتبیٰ' میں اور حدیث: 498، کتاب 'عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ' میں۔

لے۔ اور مذکورہ دعائے استخارہ کے آغاز اور اختتام پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا بھی مستحب ہے۔ پھر استخارہ کا عمل تمام درپیش امور میں مستحب ہے۔ جیسا کہ سابقہ صحیح حدیث کے ثبوت سے اس کی صراحت ہو چکی ہے۔ اور جب آدمی استخارہ کر لے تو پھر (درپیش معاملہ کے بارے میں اللہ کی توفیق سے) جو انشراح صدر اسے حاصل ہو اس پر عمل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بہتر جانتے ہیں۔

اور جامع الترمذی میں ضعیف اسناد سے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین عظام رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب کسی کام کو سرانجام دینے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

«اللَّهُمَّ خِرْلِيْ وَاخْتَرْلِيْ»

”اے اللہ! میرے لیے (اس کام میں) بھلائی مقدر کر دے اور میرے لیے پسندیدہ چیز منتخب کر لے۔“[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے انس! جب تجھے کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو اس میں سات مرتبہ اپنے پروردگار سے بھلائی طلب کر، پھر اس کے بعد جس بات پر تیرا دل مطمئن ہو (اس پر عمل کر کیونکہ) اسی بات میں خیر (بھلائی) ہے۔ اس حدیث کی اسناد ”غریب“ ہے اور اس کی سند میں ایسے بھی راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا۔[2]

---

[1] جامع الترمذی، حدیث: 3511 اور اس حدیث میں زنفل العرفی راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث غریب ہے جس کی تخریج امام ترمذی اور امام بزار رحمہما اللہ نے کی ہے۔ اور زنفل العرفی اسے روایت کرنے میں اکیلا ہے۔

[2] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 603 اور اس کی اسناد ابراہیم بن البراء راوی کی وجہ سے ساقط ہے جو کہ جھوٹی روایات بیان کیا کرتا تھا۔ ”الفتوحات“: ج 3، ص 357.

یہ ابواب ان اذکار کے بارے میں ہے جو تکالیف و مصائب نازل ہونے پر پڑھے جاتے ہیں۔

## باب، انتہائی نازک اور اہم معاملات اور رنج و تکلیف کے وقت پڑھی جانے والی دعائیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دکھ اور تکلیف کے وقت یہ الفاظ ادا فرماتے تھے:

«لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ، لَآ اِلٰهَ إِلَّا رَبُّ الْعَرْشِ العَظِيمِ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَ رَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمُ»

”اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں جو بڑی عظمت اور بڑی بردبار ذات ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو بڑے عرش کا پروردگار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب (اور) عرش کا صاحب عزت و تکریم پروردگار ہے۔“ ①

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ذکر ہوا ہے: ”کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غم پہنچتا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ (مذکورہ) کلمات ادا فرماتے تھے۔

اور ”جامع الترمذی“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی معاملے میں کوئی تکلیف (یا دکھ کی بات) پہنچتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعائیہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

«يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ، بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ»

---

① صحيح البخاري، حديث: 3645، صحيح مسلم، حديث: 2730، جامع الترمذی، حديث: 3431 اور سنن النسائي، حديث: 652.

''کہ اے ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والی ذات میں آپ کی رحمت کے ساتھ مدد کا طلبگار ہوں۔''①

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث ''صحیح الاسناد'' رکھتی ہے۔

اور جامع الترمذی میں ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے۔ پھر یہ الفاظ ادا فرماتے: (سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ) کہ اللہ کی ذات پاک ہے بڑی عظیم ہے۔ اور جب کسی دعاء میں منہمک ہوتے تو فرماتے: (يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ) کے اے ہمیشہ زندہ اور قائم دائم رہنے والی ذات۔②

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر (اوقات میں) یہ دعاء ہوا کرتی تھی:

«اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ، وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً ، وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ»

''الٰہی! ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی مرحمت فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔'' نیز امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں یہ بات کہتے ہوئے اضافہ کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بھی دعاء کرنے کا ارادہ کرتے تو انھی الفاظ سے دعاء کیا کرتے تھے۔''③

---

① جامع الترمذی ، حدیث: 3522 اور اس حدیث کی اسناد میں یزید الرقاشی راوی ضعیف ہے اور اس کے لیے ''المستدرک'' میں بھی '' شاہد'' ہے۔ دیکھیے امام حاکم رحمہ اللہ کی المستدرک: 509/1 ، مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''الکلم الطیب'' کا حاشیہ ص 72 پر۔

② جامع الترمذی ، حدیث: 3432 ، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن الفضل المخزومی راوی ہے جو متروک ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کے پاس اس حدیث کا ایک ''شاہد'' بھی ہے اور وہ حدیث: 3522 ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے۔

③ صحیح البخاري ، حدیث: 6389 اور صحیح مسلم ، حدیث: 2690 ۔

اور سنن النسائی رحمہ اللہ اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ» میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کلمات پڑھنے کی تلقین فرمائی اور مجھے حکم دیا کہ جب مجھے کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو میں یہ کہا کروں:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْكَرِيمُ الْعَظِيمُ ، سُبْحَانَهُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو کہ صاحبِ عزت وعظمت ذات ہے۔ پاک ہے وہ ذات، بابرکت ہے اللہ، جو بڑے عرش کا پروردگار ہے، تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔''[1]

اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا معمول بن چکا تھا کہ وہ مریض شخص کو یہ کلمات پڑھنے کی تلقین کرتے اور خود بھی پڑھ کر پھونکا کرتے تھے۔ اور اپنی ان بیٹیوں کو سکھایا کرتے تھے جو خاندان سے ہٹ کر (یعنی رشتہ داروں کے علاوہ کے ہاں) بیاہی گئی تھیں۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غمگین اور مصیبت زدہ شخص ان الفاظ میں دعاء کرے:

«اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ ، وَ اَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ»

''اے اللہ! میں آپ کی رحمت کا امیدوار ہوں، سو مجھے ایک پل (لحہ) کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر (یعنی اپنی دست گیری کا ہاتھ میرے سر سے کبھی نہ اٹھا) اور میری حالت بالکل درست کر دے، آپ کے سوا کوئی حقیقی

---

[1] سنن النسائی، حدیث:630، ابن السنی کی کتاب حدیث:343 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: '' یہ حدیث صحیح ہے اور اسے امام احمد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔'' ''الفتوحات'' ج 4، ص 7.

معبود نہیں۔"①

اور سنن أبی داود اور سنن ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: "اللہ کے رسول نے مجھ سے فرمایا: "کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو مصیبت (یا دکھ) کے وقت پڑھو؟ «اَللّٰهُ ـ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا» "اللہ (اور) اللہ ہی میرا پروردگار ہے۔ میں اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔"②

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص غم (اور مصیبت) کے وقت "آیۃ الکرسی" اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کرے گا تو اللہ تعالیٰ (اسے غم سے نجات دے کر) اس کی مدد فرمائے گا۔"③

اور ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: "کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: "بے شک میں ایک ایسا دعائیہ کلمہ جانتا ہوں کہ جو بھی مصیبت زدہ شخص اسے پڑھتا ہے تو اس کا دکھ اور غم دور ہو جاتا ہے۔ اور یہ دعائیہ کلمہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

---

① سنن أبي داود، حديث: 5090، سنن النسائي، حديث: 651، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے "الأدب المفرد" میں نکالا ہے۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ اور ابن السنی رحمہما اللہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور اس کی "اِسناد" حسن ہے۔

② سنن أبي داود، حديث: 1525، سنن ابن ماجه، حديث: 3882، سنن النسائي، حديث: 647 اور مسند امام، احمد، ج 6، ص 369 اور اس حدیث کی اِسناد حسن ہے۔

③ ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 346 اور اس کی اِسناد منقطع ہے اور غیر معروف راوی بھی اس کی سند میں موجود ہیں۔ دیکھیے: "الفتوحات الربانية" 11:4.

''تو (یونس علیہ السلام نے) اندھیروں میں پکارا: '' یہ کہ آپ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں آپ کی ذات پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔''[1]

اور اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: '' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت ذی النون (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی پکار جب وہ مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب کو بلا رہے تھے یہ تھی «لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنِ» '' کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، آپ کی ذات پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔'' جب بھی کوئی مسلمان ان الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعاء کرتا ہے تو اس کی دعاء شرفِ قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔''[2]

## باب، جب انسان کو کوئی چیز ڈرائے یا وہ خود (کسی وجہ سے) گھبرا جائے تو ایسے حالات میں کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز ڈراتی (یا گھبراہٹ میں ڈال دیتی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ ادا فرماتے تھے: «هُوَ اللّٰهُ، اللّٰهُ رَبِّیْ لَاشَرِیْكَ لَهٗ» ''وہ اللہ ہے، اللہ ہی میرا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔''[3]

---

[1] الأنبیاء: 87.

[2] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 345 اور اس حدیث کی اِسناد میں عمرو بن حصین راوی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''عَمَلُ الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَةِ'' میں حدیث: 655، ضعیف اِسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے حدیث: 3500 اور حاکم رحمہ اللہ نے اپنی المستدرک: 1/505 پر روایت کیا ہے اور کہا ہے'' کہ یہ صحیح اِسناد والی روایت ہے۔ اس بات کی موافقت امام الذہبی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہاں اس کی اِسناد حسن ہے۔

[3] ابن السنی رحمہ اللہ! کی کتاب ''امام نسائی رحمہ اللہ! کے'' طریق'' سے حدیث: 337 اور امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ» میں حدیث: 657 اور اس کی اِسناد ''حسن'' ہے۔

اور سنن أبي داؤد اور جامع الترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ آگے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ اللہ کے رسول ﷺ انھیں گھبراہٹ (یا خوف) کے وقت پڑھنے کے لیے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے:

«اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ شَرِّ عِبَادِهٖ، وَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ»

''میں اللہ تعالیٰ کے (پاکیزہ اور) مکمل کلمات کے ذریعے اس کے غصے، اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے کچوکوں اور ان کے اپنے پاس حاضر ہونے سے پناہ طلب کرتا ہوں۔'' اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی اولاد میں سے ہر بڑے اور سمجھدار کو یہ کلمات سکھاتے اور چھوٹے (اور ناسمجھ) بچوں کے لیے لکھ کر انکے گلے میں لٹکا دیتے۔''[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

## باب، کوئی غم یا صدمہ پہنچنے پر انسان کو کیا پڑھنا چاہیے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو کوئی غم یا صدمہ پہنچے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان کلمات کو ادا کرتے ہوئے دعاء کرے:

«اَللّٰهُمَّ اَنَا عَبْدُكَ، وَ ابْنُ عَبْدِكَ، وَ ابْنُ أَمَتِكَ فِي قَبْضَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ؛ أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَا لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ نُورَ صَدْرِي، وَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَ جَلَاءَ حُزْنِي وَ

[1] سنن أبي داؤد، حديث:3893، جامع الترمذي، حديث:3519. نیز یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

ذَهَابَ هَمِّي»

”اے اللہ میں آپ کا بندہ، آپ کے بندے (غلام) کا بیٹا، آپ کی بندی (لونڈی) کا بیٹا)، آپ کے قبضے (گرفت میں) ہوں۔ میری پیشانی آپ کے دستِ مبارک میں ہے۔ میرے بارے میں آپ کا حکم (مجھ سے) سبقت لے جا چکا ہے۔ میرے بارے آپ کا (ہر) فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ میں آپ کے ہر اس نام سے، جس سے آپ نے اپنی ذات کو موسوم ٹھہرایا ہے۔ یا اپنی (سچی) کتاب میں اسے نازل کیا ہے۔ یا پھر اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو آپ نے سکھایا ہے یا اپنے ہاں ”علم غیب“ کے نوشتہ میں مخفی رکھا ہے، سوال کرتا ہوں کہ آپ قرآن حکیم کو میرے سینے کا نور، میرے دل کی بہار، میرے غم کا ازالہ اور میرے صدمے کو دور کرنے کا سبب بنا دے۔“

(آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) وہاں موجود قوم کے لوگوں میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک اصل میں (سعادتوں سے) محروم شخص تو وہ ہے جو ان (بابرکت) کلمات سے محروم کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان کلمات کو (خود) پڑھا کرو اور دوسروں کو سکھایا کرو۔ بلا شک جو کچھ ان میں ہے، اسے پانے کے لیے جو انھیں پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے غم کو دور کر دے گا اور ہمیشہ کے لیے اسے فرحت و شادمانی سے نوازے گا۔“[1]

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:334، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی ”تخریج“ کے بعد فرماتے ہیں: ”یہ حدیث غریب ہے۔“ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اسی طرح کی حدیث بھی ذکر کی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ ثابت شدہ ہے اور اس کی سند کے راوی بھی زیادہ شہرت رکھتے ہیں اور وہ حدیث حسن ہے اور بعض آئمہ حدیث نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ (مطلب یہ کہ صحیح ہے۔) لہٰذا مجھے شیخ موصوف رحمہ اللہ کے قوی (مضبوط) حدیث کو چھوڑ کر یہاں اس کی نسبت ضعیف (کمزور) حدیث ذکر کرنے پر تعجب ہوا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات، ج 4، ص 13.

## باب، جب کوئی شخص باعثِ ہلاکت وتباہی کی حالت میں گرفتار ہو تو کیا کہے؟

ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے علی رضی اللہ عنہ! کیا میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھا دوں کہ جب تو کسی ہلاکت خیز چیز میں گھر جائے تو اس کو پڑھ لیا کرے''؟ میں نے کہا: ''کیوں نہیں۔ اللہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے کی سعادت بخشے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کسی ہلاکت خیز چیز میں گھر جاؤ تو کہو:

«بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ»

''کہ اللہ کے نام کے ساتھ (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہیں ہے طاقت نیکی کرنے کی اور نہ کسی شر سے بچنے کی سوائے اللہ کی توفیق کے جو بڑی عظیم اور بلندو بالا ذات ہے۔'' تو بے شک اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے جس قسم کی تکلیف اور مصیبت بھی ہوگی، اسے دور کر دیں گے۔''[1]

## باب، کسی قوم سے خوف کھانے پر کیا کہنا چاہیے؟

سنن أبي داود اور سنن النسائي میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 331، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں ''یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں عمرو بن بشر، راوی ضعیف ہے اور علمائے محدثین کا اس کے تساہل و بے پرواہی پر اتفاق ہے۔'' دیکھیے ''الفتوحات'' ج 4، ص 14-15۔





«اللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ»

اے اللہ ہم (اپنے) دشمنوں کو آپ کی گرفت میں دیتے ہیں اور ہم ان کے شر سے آپ کی پناہ پکڑتے ہیں۔"[1]

## باب، جب آدمی کسی بادشاہ سے خطرہ محسوس کرے تو کیا پڑھے؟

ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی بادشاہ یا کسی اور شخص سے خوف محسوس کرو تو یہ الفاظ کہو:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْحَكِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَزَّ جَارُكَ، وَجَلَّ ثَنَاءُكَ»

"کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ نہایت بردبار اور خوب حکمت والا ہے۔ پاک ہے اللہ، سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب، آپ کے سوا کوئی حق کے ساتھ عبادت کے لائق نہیں، جس نے آپ کے پاس پناہ پکڑی وہ معزز ہوا اور آپ کی ثناء (آپ کی ذات کے لیے باعث) جاہ وجلال ہوئی۔"[2]

اور ایسے موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی سابقہ باب کی حدیث میں مذکور دعاء پڑھنا بھی مستحب ہے۔

---

① سنن أبي داود، حدیث: 1537 اور امام نسائی نے "الکبریٰ" میں اور اس حدیث کی تخریج کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: "یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند کے راوی صحیح راوی ہیں۔" الفتوحات الربانية: ج 4 ص 16- 17.

② ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 347 لیکن اس کی سند میں دو راوی محمد بن حارث الحارثی اور محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی ضعیف ہیں، ہاں البتہ اس حدیث کے "شواہد" موجود ہیں جو اسے تقویت دیتے ہیں۔ "الفتوحات" ج 4، ص 18.

## باب، جب آدمی اپنے دشمن کو دیکھے تو کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے وہ کہتے ہیں: ”کہ ہم ایک غزوہ کے موقع پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو ملے، تو میں نے آپ کو یہ کلمات ادا فرماتے ہوئے سنا:

«يَا مَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ إِيَّاكَ أَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ أَسْتَعِيْنُ»

اے روز جزا کے مالک! میں خاص آپ کی بندگی کرتا ہوں، خاص آپ سے ہی مدد کا خواہاں ہوں۔“ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) تو اس کے بعد میں نے دشمن کے آدمیوں کو دیکھا جو دھڑا دھڑ گرتے جا رہے تھے اور فرشتے ان کو آگے اور پیچھے سے ڈھیر کرتے جا رہے تھے۔“[1]

اور ایسے مواقع پر گزشتہ باب میں مذکور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی دعا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

## باب، جب آدمی کا شیطان سے واسطہ پڑ جائے یا اس سے ڈر محسوس کرے تو کیا پڑھے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ إِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

”اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگو! بے شک وہ خوب سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“[2]

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 336، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”حدیث غریب ہے جسے ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔“ لیکن ان کی روایت میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ گر گیا ہے جن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔“ الفتوحات، ج 4 ص 19۔

[2] الأعراف 200۔

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا﴾

''اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ، پردے پر پردہ رکھ دیتے ہیں۔''①

لہٰذا ایسے مواقع پر انسان کو پہلے «تعوُّذ» یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ پھر اسے جو میسر ہو (آسانی سے) قرآن حکیم سے کچھ حصہ تلاوت کرنا چاہیے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا «أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ» ''کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ» ''کہ میں تجھ پر اللہ کی لعنت کے ساتھ لعنت ڈالتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ تین مرتبہ کہے اور اپنا دستِ مبارک باہر نکالا جیسے کسی چیز کو پکڑنا چاہتے ہوں۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران نماز ایسی چیز کہتے سنا ہے جو ہم نے قبل ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں سنی؟

اور پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دستِ مبارک بھی باہر نکالتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک (بڑا) انگارہ لے کر آ گیا تھا تا کہ وہ اسے میرے چہرے پر دے مارے تو میں نے تین مرتبہ کہا «أَعُوْذُ بِاللهِ مِنْكَ» پھر میں نے کہا «أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ» تو اس پر وہ تین مرتبہ پیچھے ہٹا۔ پھر میں نے چاہا کہ اسے پکڑ

① الإسراء 45.




لوں اور اللہ کی قسم! اگر میرے بھائی ① سلیمان علیہ السلام کی دعاء نہ ہوتی تو وہ خوب جکڑا جاتا، یہاں تک کہ اہل مدینہ کے بچے اس کے ساتھ (از روئے مذاق) کھیلتے۔"② (امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں) جبکہ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ ایسے موقع پر آدمی کو چاہیے کہ وہ نماز والی اذان بھی کہنی شروع کر دے۔

صحیح مسلم میں حضرت سہیل بن ابی صالح رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "کہ میرے باپ نے مجھے بنی حارثہ (قبیلے) کی طرف بھیجا اور میرے ساتھ ہمارا بچہ یا ہمارے ساتھ رہنے والا بھی تھا۔ تو (راستے میں) دیوار کی جانب سے کسی پکارنے والے نے اس ہمارے ساتھی کا نام لے کر پکارا۔ تو جب میں نے اپنے باپ کے سامنے ذکر کیا تو انھوں نے کہا: "اگر مجھے (پہلے سے) یہ علم ہوتا کہ تمہارا سامنا اس سے ہوگا تو میں تجھے وہاں کبھی نہ بھیجتا۔ اور اگر تم نے ایسی آواز سن ہی لی تھی تو آپ نماز کی اذان کہنی شروع کر دیتے۔ اس لیے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ "کہ اے میرے پروردگار مجھے ایسی حکمرانی عطاء فرما جو میرے بعد کسی ایک کو بھی عطاء نہ ہو۔" تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنات وغیرہ پر گرفت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ تو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ نماز شیطان کو پکڑنے سے رک گئے اس لیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مذکورہ دعا یاد آ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان کیا کہ شاید وہ اس پر قابو نہ پا سکیں گے۔ یا پھر اسے ویسے از روئے انکساری اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ادب کے طور پر چھوڑ دیا ہو۔ (واللہ اعلم) دیکھیے: الفتوحات، ج 4 ص 21)

② صحیح مسلم، حدیث: 542، حدیث میں یہ الفاظ (بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ) کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے، "اللہ تعالیٰ کی پوری لعنت" کہنے سے یہ احتمال ہو کہ ایسی لعنت جس میں کوئی کمی نہ رہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایسی لعنت جو اس مردود پر ہر حال میں ثابت اور واجب ہو، اور اس پر ہمیشہ کی سزا کا باعث بن جائے۔ اور امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (کشف المشکل میں) کہتے ہیں۔ کہ لفظ (التامة) کہہ کر اس کے لیے "دائمی لعنت" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ دیکھیے "الفتوحات" ج 4 ص 21۔





«اِنَّ الشَّیْطَانَ اِذَا نُوْدِیَ بِالصَّلَاۃِ اَدْبَرَ»

''کہ بے شک شیطان، جب نماز کے لیے پکارا جائے (یعنی اذان دی جائے) تو وہ دم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔''①

**باب، جب آدمی پر کوئی معاملہ گراں ہو جائے تو پھر وہ کیا کرے؟**

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''طاقتور مؤمن اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزور اور ناتواں مؤمن کی نسبت زیادہ بہتر اور پیارا ہے اور ویسے تو ہر دو طرح کے مؤمن بہتر ہی بہتر ہیں۔ (اے انسان) جو چیز تجھے نفع دیتی ہو اس کی حرص کر اور (ہر معاملے میں) اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہ۔ اور عاجز مت ہو (اور نہ مایوس ہو) اور اگر کوئی تکلیف تجھے آ لے تو یہ مت کہہ کہ: ''اگر میں یوں اور ایسے کرتا تو ایسے ہو جاتا۔ بلکہ (ایسے حالات میں) یہ کہہ: ''یہ تو اللہ کی تقدیر تھی، سو اس نے جو چاہا (اپنی مرضی اور ارادے سے) کیا تو بے شک «لَوْ» (اگر کا لفظ) شیطانی اعمال کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''②

اور سنن أبي داؤد میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا تو اس پر جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، وہ یہ الفاظ کہتے ہوئے واپس چلا «حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ» کہ میرے لیے اللہ کافی اور وہ بہتر کارساز ہے۔'' (یہ سن کر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ بے بسی (کا مظاہرہ کرنے والے) پر ملامت کرتا ہے بلکہ تجھ کو سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ تو کوئی بھی معاملہ تیرے خلاف ہو تو یوں کہا کرو «حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ»'' کہ اللہ میرے

---

① صحیح مسلم حدیث: 389 اور اس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: (اِنَّ الشَّیْطَانَ اِذَا نُوْدِیَ بِالصَّلَاۃِ وَلّٰی وَلَہٗ حُصَاصٌ) بے شک شیطان، جب نماز کے لیے پکارا جائے تو وہ مڑ کر ایسا بھاگتا ہے کہ اس کی ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

② صحیح مسلم، حدیث: 2664 امام نسائی رحمہ اللہ کی عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ میں حدیث: 621۔




لیے کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔“ ①

(امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میری رائے میں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ”تجھے وہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے جس میں نرمی ہو (نہ کہ بے بسی و لاچاری) یہاں تک کہ تو اس کو اپنا معمول بنا سکے۔

## باب، جب آدمی پر کوئی معاملہ گراں گذرے (یا اس کا حل کرنا اسے مشکل نظر آتا ہو) تو کیا دعاء پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء پڑھی:

«اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلاً وَّ اَنْتَ تَجْعَلُ الْحَزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلاً»

”اے اللہ! کوئی معاملہ بھی آسان نہیں تا آنکہ آپ اس کو آسان نہ بنا دیں اور جب آپ چاہیں تو انتہائی سخت اور کھردری سطح زمین کو بھی نرم و ملائم (اور اس پر کام کرنا آسان) بنا دیتے ہیں۔“ ②

## باب، جب آدمی پر اس کی معیشت (یعنی گزران) تنگ ہو جائے تو کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع

① سنن أبي داود، حدیث:3627، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث ”حسن“ ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ نیز اس کی سند میں ”سیف الشامی“ راوی ہیں جنھیں امام العجلی رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے۔ جبکہ میں ان کے باپ کا نام نہیں پہچان سکا اور اس کے باقی راوی امام مسلم رحمہ اللہ کے راوی ہیں۔“ الفتوحات“ ج 4، ص 24-25.

② ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:353، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ نیز اس کی تخریج ابن السنی رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کی ہے۔





روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کون سی چیز آپ کو اس بات سے روکتی ہے جب تم میں سے کسی ایک کی معاشی حالت تنگ ہو جائے (یعنی اس کی گزران مشکل سے ہو) تو جب وہ اپنے گھر سے (کمائی وغیرہ کی غرض سے) نکلے تو وہ یہ دعاء پڑھے:

«بِسْمِ اللهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَمَالِي وَ دِينِي ، اللّٰهُمَّ رَضِّنِي بِقَضَائِكَ ، وَ بَارِكْ لِي فِيمَا قُدِّرَلِي حَتّٰى لَا أُحِبَّ تَعْجِيلَ مَا أَخَّرْتَ وَ لَا تَأْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ»

''کہ اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ میں اپنی جان، مال اور دین سب کا معاملہ اسی ذات کے سپرد کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری ذات کے بارے میں اپنے کیے ہوئے فیصلے پر مجھے راضی (اور مطمئن) کر دے اور جو کچھ میرے لیے مقدر کیا گیا ہے اس میں برکت عطاء فرما، یہاں تک کہ اس سلسلے میں جو کچھ آپ نے مؤخر کیا ہے اس کو جلد از جلد حاصل کرنا اور جو کچھ آپ نے جلدی عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اسے مؤخر کرنا مجھے پسند نہ ہو۔''[1]

## آفات وغیرہ سے بچاؤ کے لیے کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس بندۂ (مؤمن) کے اہل، مال اور اولاد میں اللہ عزوجل کوئی نعمت نازل فرمائے تو وہ (ہر عطا کردہ نعمت پر) یہ الفاظ ادا کرے:

«مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے (اپنی نعمتوں میں سے مرحمت فرمائے) مجھ میں اللہ کی

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 352، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے'' اسے امام ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور ابن عدی رحمہ اللہ نے ''الکامل'' میں اس کی تخریج کی ہے۔ اور اس کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون انتہائی ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات، ج 4، ص: 26.

توفیق کے سوا کسی بھی شر سے بچنے کی ہمت نہیں ہے۔'' تو وہ شخص ان تمام نعمتوں کے بارے میں سوائے موت کے کوئی (ادنیٰ سی) آفت نہ دیکھے گا۔''[1]

## باب، جب آدمی کو کوئی حادثہ پیش آئے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا تو کیا پڑھے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ، قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾

''اور (اے نبی ﷺ) صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو، ایسے لوگوں پر جب کوئی بھی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں: ''کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔''[2]

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر (معمولی) چیز میں بھی تمھیں ''استرجاع'' (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) پڑھنا چاہیے یہاں تک کہ آپ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹنے پر بھی، اس لیے کہ یہ بھی مصائب (تکلیف دہ چیزوں) میں سے ہے۔[3]

---

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 359، نیز اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے کیونکہ اس میں عیسیٰ بن عون راوی ہے، جس کے بارے میں ''الأزدی'' کہتے ہیں کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور اسی طرح ایک راوی عبدالملک بن زرارۃ بھی ہے، جس کے بارے میں امام الہیثمی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''کہ یہ ضعیف ہے۔''

② البقرۃ 156،155۔

③ ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 354 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایسا راوی ہے جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس حدیث کے لیے ''شاہد'' بھی ہے۔ ''الفتوحات'' ج 4، ص 28۔

## باب، جب کوئی شخص قرض کی ادائیگی سے عاجز آجائے تو اسے کیا پڑھنا چاہیے؟

جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی، ہمیں روایت ملی ہے کہ ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک ''مکاتب'' (وہ غلام جو متعین مال کی ادائیگی پر آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کا اپنے مالک سے معاہدہ کرے) آیا تو کہا: ''میں اپنے مالک سے کیے گئے معاہدے کے مطابق مال کی ادائیگی سے عاجز آگیا ہوں۔ لہٰذا اس بارے میں میری مدد فرمائیے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تجھ پر ''صیر[1] پہاڑ'' کی مثل قرض ہوگا تو وہ بھی (ان کی برکت سے) اللہ تعالیٰ تجھ سے اتار دیں گے۔ آپ یہ دعاء پڑھا کریں:

«اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»

''اے اللہ اپنے حلال (اور پاکیزہ) رزق کے ذریعے، حرام مال سے کفایت کر اور مجھے اپنے فضل و رحمت کے ساتھ اپنے سوا تمام (مخلوقات) سے بے پروا کر دے۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' مزید برآں گزشتہ صبح و شام پڑھے جانے والے اذکار کے بارے میں'' باب میں بھی سنن أبی داؤد کی ایک حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جس میں ایک صحابی آدمی کا قصہ ذکر ہوا ہے، جسے ابوامامہ کہا جاتا تھا، ہم نے نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں «هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِيْ وَ دُيُوْنٌ» کہ مجھ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں اور قرض کے بوجھ تلے دب گیا ہوں۔''

---

[1] اسے (صَبِیر) یاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور یہ بنوطئی کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔

[2] جامع الترمذی، حدیث: 3558، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' نیز اسے امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور صیر ایک پہاڑ کا نام ہے سنن الترمذی کے ایک نسخہ میں ''شبیر'' کا لفظ بھی آیا ہے۔

## باب، جو شخص (تنہائی یا کسی اور سبب سے) وحشت محسوس کرے تو وہ کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت الولید بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں (رات کو سوتے وقت) وحشت محسوس کرتا ہوں۔" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو یہ کلمات کہو:

«اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَ عِقَابِهِ وَ شَرِّ عِبَادِهِ، وَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَ اَنْ يَحْضُرُوْنِ»

میں اللہ تعالیٰ کے (پاکیزہ و بابرکت اور) مکمل کلمات کی اس کے غصے، اس کی سزا اور اس کے بندوں کے شر سے پناہ پکڑتا ہوں۔ نیز شیطانوں کے وسوسوں اور ان کی میرے پاس حاضری سے بھی (میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں)۔"

تو آپ کو کوئی (شیطانی و طاغوتی) چیز نہ تکلیف دے سکے گی اور نہ آپ کے پاس ہی پھٹکے گی۔"[1]

اور ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: "کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خوف کھانے کی شکایت کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "زیادہ سے زیادہ یہ کلمات پڑھا کرو:

«سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ، جَلَّلْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِالْعِزَّةِ وَ الْجَبَرُوْتِ»

"پاک ہے وہ عظیم بادشاہ، ہر نقص و عیب سے پاک ذات ہے، روح القدس اور فرشتوں کا پروردگار ہے، آپ نے آسمانوں اور زمین کو (اپنی) عزت و وقار اور قدرت و طاقت سے ڈھانپ لیا ہے۔" تو اس (مذکور) آدمی نے جب یہ دعاء

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 643، نیز یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

پڑھی اس سے وحشت دور ہوگئی۔"[1]

## باب، شیطانی وسوسے سے بچاؤ کے لیے آدمی کیا پڑھے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

"اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ خوب سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔"[2]

تو اس بارے میں سب سے عمدہ بات یہی ہے جس کی تعلیم ہمیں خود اللہ عزوجل نے دی ہے اور جس کا خالق حقیقی نے ہمیں حکم بھی دیا ہے۔ (یعنی ایسے مواقع پر تعوّذ پڑھا جائے)

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے "اسے کس نے پیدا کیا؟ اور پھر اسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ" تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ تو جب اس کا وسوسہ یہاں تک پہنچ جائے تو (فوراً) اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرے اور (اپنے دل و دماغ سے) یہ وسوسہ جھٹکنے کی کوشش کرے۔" اور صحیح کی ہی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "کہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ بھی سوال کریں گے کہ یہ چیز تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو جو شخص بھی اس جیسی کوئی بات سنے یا اپنے اندر وسوسہ پائے تو اس کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر یہ کلمات ادا کرے «آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ» کہ میں اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لایا۔[3]

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ) حدیث: 644 اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

[2] فصلت 36.

[3] صحيح البخاري، حديث: 3276، صحيح مسلم، حديث: 135 اور سنن أبي داؤد، حديث: 4722،4721.

اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص (اپنے دل و دماغ میں) ان شیطانی وسوسوں میں سے کوئی وسوسہ پائے تو اسے چاہیے کہ وہ تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو ان کلمات کو پڑھنے سے اس کا وسوسہ جاتا رہے گا (آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ) ”کہ ہم اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔“ [1]

اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان [2] بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک شیطان میرے اور میری نماز کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (مطلب یہ کہ دوران نماز اپنے وساوس کے ذریعے عبادت کی روح اور خشوع و خضوع کو توڑ دیتا ہے) اور اس طرح نماز میں میری قراءت (قرآن کی تلاوت) بھی مجھ پر خلط ملط ہو جاتی ہے۔ تو (یہ سن کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ تو وہ شیطان ہے جسے ”خِنْزَبٌ“ کہا جاتا ہے تو جب تم اسے محسوس کرنے لگو تو اللہ تعالیٰ کی اس کے شر سے پناہ طلب کرو اور (تعوذ کے بعد) تین بار اپنی بائیں جانب تھوک لو۔ (صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) اسے مجھ سے دور لے گیا۔ [3]

---

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 629 اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

② حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ طائف کے قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ 9ھ میں بنو ثقیف کے ایک وفد کے ہمراہ خدمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس وفد اور دیگر اہل طائف پر ”عامل“ مقرر فرمایا۔ آپ اپنی قوم میں عمر کے اعتبار سے سب سے کم عمر تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں نے سابقہ منصب کو بحال رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو آپ کو عمان اور بحرین پر بھی ”عامل“ مقرر کیا۔ آپ سے، جیسا کہ کہا جاتا ہے، انیس 19 مرفوع احادیث روایت کی گئی ہیں۔ جن میں سے تین احادیث تو امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ کے نام سے نکالی ہیں اور امام بخاری نے کوئی بھی حدیث آپ رضی اللہ عنہ سے نہیں نکالی۔ (یعنی اپنی صحیح میں درج نہیں کی۔) اور ”سنن اربعہ“ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی احادیث درج کی گئی ہیں۔ امام ابن المسیب رحمہ اللہ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ عمر کے آخری حصے میں بصرہ مقیم ہو گئے اور اسی جگہ 51ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پائی۔

③ صحیح مسلم، حدیث: 2203.

میری اپنی رائے کے مطابق لفظ ''خِنزَبٌ'' کا ضبط یہ ہے کہ ''خاء'' کی زیر، نون کے سکون اور زاء کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ نیز اہل علم رحمہم اللہ! نے اس کے ضبط میں اختلاف کیا ہے، کچھ ایسے ہیں جو ''خاء'' کی زبر کے ساتھ اور کچھ ''خاء'' کی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ دونوں مذہب مشہور ہیں اور بعض علماء نے ''خاء'' کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ بھی پڑھا ہے، جسے امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے ''نہایۃ الغریب'' میں حکایت کیا ہے اور اس لفظ کے ضبط میں مشہور ''خاء'' کے فتحہ یعنی ''زبر'' اور کسرہ یعنی ''زیر'' کے ساتھ ہی ہے۔

اور سنن ابی داوٗد[1] میں ''جید بإسناد'' کے ساتھ حضرت ابو زُمیل رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ''یہ کیا چیز ہے جسے میں اپنے سینے (یعنی دل) میں پاتا ہوں؟'' انھوں نے کہا: ''وہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں بیان کرنے سے بھی قاصر ہوں (یعنی اس بارے میں بات کرنے کی بھی ہمت نہیں پاتا) تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''کیا کوئی (اللہ کی ذات کے بارے میں) شک والی بات ہے؟ اور ساتھ ہی ہنس پڑے اور کہنے لگے: ''کہ اس چیز سے تو کوئی بھی نہیں بچا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ.......الآية﴾

''اور اگر آپ اس چیز کے بارے میں، جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے، شک میں ہیں......''[2] (آخر تک)

تو جب تم اس بارے میں اپنے دل میں کوئی چیز پاؤ تو یہ آیتِ کریمہ تلاوت کر لیا کرو:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَ الْآخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾[3]

''وہ (ذات) اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔''[2]

---

① سنن أبي داود: ٥١١٠ "حديث حسن".

① یونس 94 ۔ ② الحدید 3 ۔

اور استاذ ابو القاسم القشیری رحمہ اللہ کے ''رسالۃ'' میں حضرت احمد بن عطاء الروذباری رضی اللہ عنہ سے ہمیں ہماری (اپنی) صحیح اِسناد کے ساتھ مروی روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ میں طہارت (پاکیزگی) کے معاملے میں انتہائی وہم میں مبتلا ہونے والا شخص ہوں۔ تو ایک رات (طہارت کے حصول کے لیے) جو کثرت سے میں نے پانی بہایا، اس سے میرا دل سخت بے چین ہوا۔ اور (کسی صورت میں بھی) قلبی سکون نہ ہوا۔ اس پر میں اپنے رب کے حضور گڑگڑانے لگا کہ اے میرے پروردگار مجھے معاف فرمادے، مجھے معاف فرمادے۔ تو میں نے ایک پکارنے والے کو سنا جو کہہ رہا تھا: ''کہ معافی تو ''علم'' (یعنی حقیقت حال سے آشنائی) میں ہے۔'' تو پھر مجھ سے وہ (اضطرابی کیفیت) دور ہوگئی۔''[1]

بعض اہل علم کہتے ہیں: ''جس شخص کو وضو، نماز یا اس جیسے دیگر اعمال میں کسی شیطانی وسوسے کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اس کے لیے «لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کا ذکر مستحب ہے۔ اس لیے کہ جب شیطان ذکر سنتا ہے، وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور دور بھاگ جاتا ہے اور کلمہ توحید «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» ذکر کی چوٹی ہے (یعنی سب سے افضل ذکر ہے۔) اور یہی وجہ ہے کہ اس امت کے بہترین طبقہ کی جلیل القدر ہستیوں، تربیت کرنے والے روحانی پیشواؤں اور اپنے مریدوں کو ادب و احترام کا سبق پڑھانے والے ائمہ ھدٰی نے، اہلِ خلوت (یعنی تنہائیوں میں ذکر کرنے والے لوگوں) کو «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کا ''ذکر'' کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور اسی کلمۂ توحید کے ذکر پر ہی ہمیشگی قائم رکھنے کی تلقین بھی کی ہے۔

اور وہ کہتے ہیں کہ ''وسوسہ کو دور کرنے کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش علاج اللہ تعالیٰ

---

[1] سنن أبی داود، حدیث: 5110، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا متن ''شاذ'' ہے اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر تابعین عظام رحمہم اللہ کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ثابت شدہ ہے (مَا شَكَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَأَلَ) (کہ نہ اللہ کے نبی ﷺ نے کسی قسم کا کوئی شک کیا اور نہ ہی اس جیسا سوال کیا) اسے عبد بن حمید رحمہ اللہ، طبرانی رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے صحیح اسانید کے ساتھ نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/37.




کا کثرت سے "ذکر" کرنا ہے۔

اور عزت مآب السید احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ ("راء" کی زبر اور زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے) کہتے ہیں: "کہ میں نے ابوسلیمان الدارانی رحمہ اللہ کے حضور شیطانی وسوسوں کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا: "اگر آپ کا ان سے بچنے کا ارادہ ہے تو جس وقت اس قسم کا کوئی وسوسہ محسوس کرو تو خوش ہو جاؤ، اس لیے کہ آپ کے خوش ہو جانے سے ہی وہ وسوسہ چھوٹ جائے گا۔ اور اس لیے بھی کہ شیطان کے نزدیک ایک مؤمن کی مسرت و شادمانی سے بڑھ کر اور کوئی چیز قابلِ نفرت نہیں اور جب اس کو اس طرح سے مات دیں گے تو آپ کا سُرور دو چند ہو جائے گا۔

میں خود یہ کہتا ہوں: "کہ یہ مذکورہ روایات ان بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال کی بھی تائید کرتی ہیں جو انھوں نے اس بارے میں کہے ہیں: "کہ شیطانی وساوس تو اس کو لاحق ہوتے ہیں جس کا ایمان کامل ہو کیونکہ چور کبھی بھی (پہلے سے) ویران اور بنجر گھر (کو لوٹنے) کا قصد نہیں کرتا۔" (مطلب یہ کہ ہمارا ازلی دشمن ہمیشہ پختہ اہل ایمان کے دلوں کو نقب لگانے کی سعی کرتا ہے)۔

## باب: جس کو غشی یا مدہوشی کا دورہ پڑ جائے یا کسی شخص کو مُوذی جانور کاٹ لے تو ان پر کیا پڑھ کر دم کیا جائے؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر پر روانہ ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ عرب کی بستیوں میں کسی بستی کے قریب اترے۔ (پڑاؤ کے بعد) انھوں نے بستی والوں سے، ان کا مہمان بننے کا تقاضا کیا۔ (مطلب یہ کہ کھانے پینے اور ضرورت کی کچھ چیزیں طلب کیں) مگر انھوں نے (میزبانی سے) مطلق انکار کر دیا۔ (اتفاق سے) اس بستی کے سردار کو کسی (موذی جانور) نے ڈس لیا تو اس بستی والوں نے اس کے لیے ہر قسم کا

چارہ مار لیا مگر اسے کسی چیز نے فائدہ نہ دیا۔ اس پر کچھ لوگ کہنے لگے: "اگر تم اس جماعت کے لوگوں کے پاس، جنھوں نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے جاؤ، شاید اس کے علاج سے متعلق ان کے پاس کوئی چیز مل جائے۔ اس پر کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا: "اے جماعت کے لوگو! ہمارے سردار کو کسی چیز نے کاٹ کھایا ہے اور ہم نے اس کے علاج کے لیے ہر چیز کو آزما لیا ہے مگر کسی چیز نے فائدہ نہیں دیا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس (اس بارے میں) کوئی چیز ہے؟ تو ان میں سے ایک نے کہا: "قسم بخدا! میں اس کا دم کرتا ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! ہم نے تمہارا مہمان بننے کی جسارت کی مگر تم نے ہمیں مہمان نہ ٹھہرایا تو میں (اب) اس وقت تک (تمھارے سردار کو) دم نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں اس کی اجرت نہیں دو گے۔[1]

اس پر انھوں نے بکریوں کا ایک (پورا) ریوڑ دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ (بعدازاں) وہ صاحب دم کرتے ہوئے (زخم پر ہلکا سا) تھوکتے اور یہ کلمات پڑھتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ»[2] تو گویا وہ شخص ایسے ہو گیا جیسے بندھے ہوئے رسے سے چھوٹ رہا ہو۔ پس وہ (سردار) چلنے لگا اور اسے درد سے بھی افاقہ ہو گیا تو بستی والوں نے جو اجرت متعین کی تھی اسے ادا کر دیا۔

بعدازاں جماعت کے کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا: "ان بھیڑ بکریوں کو سب پر تقسیم کر دو تو دم کرنے والے نے کہا: "اس سے پہلے کہ ہم نبی محترم ﷺ کے پاس جا کر اس ساری حقیقتِ حال کا تذکرہ نہ کر لیں اور یہ جان نہ لیں کہ آپ ﷺ ہمیں اس بارے میں کیا حکم دیتے ہیں، آپ (سردست) کچھ نہ کریں۔ تو جب وہ اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کو کس نے بتایا کہ یہ (سورہ فاتحہ ایک) دم ہے۔"؟ پھر فرمایا: "آپ نے ٹھیک کیا ہے۔ اس مال کو سب ساتھیوں پر تقسیم کر دو اور اپنے

[1] اور امام ابوداود اور امام ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت میں یوں ذکر ہوا ہے کہ "دم کرنے والے نے کہا کہ ان بستی والوں نے مجھے ایک سو بکریاں (100) دینے کی پیشکش کی تو میں نے کہا نہیں اتنی (کم) نہیں لوں گا۔

[2] (اس ایک آیت کا ذکر کر کے یہاں پوری "سورہ فاتحہ" مراد لی گئی ہے)

ساتھ میرا حصہ بھی[1] نکالو۔" (یہ کہہ کر) اللہ کے نبی ﷺ نے تبسم فرمایا۔[2] یہاں تک الفاظ "صحیح بخاری" کی روایت کے ہیں اور یہ جملہ روایات سے زیادہ مکمل روایت ہے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں «فَجَعَلَ يَقْرَأُ أُمَّ الْكِتَابِ وَ يَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَ يَتْفُلُ ، فَبَرِئَ الرَّجُلُ» کہ وہ ام الکتاب (سورہ فاتحہ) پڑھ کر دم کرنا شروع ہوئے اور ساتھ ساتھ (لعاب دھن سے) ہلکا ہلکا تھوکتے جاتے تھے۔ اس طرح وہ (ڈسا ہوا) آدمی تندرست ہوگیا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «فَأَمَرَ لَهُ بِثَلَاثِينَ شَاةً» تو اس سردار نے اسے تیس بکریاں دینے کا حکم صادر کیا۔"

اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں، عبدالرحمٰن بن أبی لیلیٰ سے مروی روایت ہمیں ملی ہے وہ ایک آدمی سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ اس کے باپ نے کہا: "کہ ایک آدمی اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: "میرا بھائی ایک تکلیف میں مبتلا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تیرے بھائی کو کیا تکلیف ہے۔" وہ آدمی کہنے لگا: "اسے دیوانگی کی قسم کا ایک مرض ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو میرے پاس بھیج دو۔ تو وہ شخص آگیا اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو اللہ کے نبی ﷺ نے اس پر سورۂ فاتحہ (پوری) اور سورۃ بقرہ کی پہلی چار آیات اور دو آیتیں سورۃ بقرہ کے وسط سے پڑھیں: «وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ. اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......... اِلخ»[3] یہاں تک کہ اس آیت سے فارغ ہوگئے اور اسی طرح آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات اور سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات میں سے ایک آیت (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.......... آخر آیت تک)[4] اور ایک آیت سورۃ اعراف سے (اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

---

① آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی اور جواز بیان کرنے کے لیے ایسا کیا۔

② صحيح البخاري، حديث:5749، صحيح مسلم، حديث:2201

③ اور تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے اس کے سوا حق کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے، البقرۃ164,163۔

④ اللہ (تعالیٰ) نے اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔" (آل عمران 18)

الْأَرْضَ...... آخر آیت تک )[1] اور سورۃ المؤمنون سے ایک آیت («فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ»)[2] اور ایک آیت "سورۃ الجن" سے («وَ اَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا»)[3] اور اسی طرح سورۃ الصّافات کی پہلی دس آیات اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیات اور سورۃ الاخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... آخر تک )اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اس پر دم فرمایا۔[4]

اور سنن أبی داؤد میں صحیح اِسناد کے ساتھ خارجہ بن الصّلت سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نبی محترم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر میں واپس لوٹا تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ایک آدمی پر دیوانگی طاری تھی اور وہ لوہے کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس (مریض آدمی) کے گھر والوں نے کہا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے یہ صاحب (یعنی اللہ کے نبی) یقیناً (انسانیت کے لیے) بھلائی و بہتری لے کر آئے ہیں۔ تو کیا اس مرض کے بارے میں بھی تمھارے پاس کوئی چیز ہے جس سے تم اس کا علاج کر سکو؟۔ تو اس پر میں نے اس کو سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ شخص تندرست ہو گیا۔ تو انھوں نے مجھے ایک سو (100) بکریاں دیں۔ میں (بعد ازاں) اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا یہی کچھ پڑھا تھا"؟ اور ایک روایت میں یوں ذکر ہوا ہے: "کیا اس کے علاوہ بھی تو نے کچھ پڑھا تھا"؟ تو میں نے کہا نہیں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے قسم ہے ایک تو وہ شخص ہے کہ جس نے جھوٹے دم (کی اجرت) کو کھایا

---

[1] بے شک تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔" (الأعراف 54)

[2] "وہ بلند و بالا معبود ہے جو حقیقی بادشاہ ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کا حقدار نہیں وہ عرش کا رب نہایت بزرگ و برتر ہے۔" (المؤمنون 116)

[3] اور بے شک ہمارے رب کی ہستی بلند و بالا ہے جس کی نہ جورو ہے اور نہ کوئی اولاد ہے، (الجن 3)

[4] ابن السنی کی کتاب حدیث 637 اور اس کی اِسناد ضعیف ہے۔ الفتوحات: 4/42۔

ہے، تحقیق تم نے تو سچے دم (کی اجرت) کھائی ہے۔"[1]

اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں دیگر الفاظ سے ہمیں روایت ملی اور یہ ابوداود کی کوئی اور روایت ہے جس میں وہ صرف خارجہ کے نام سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے چچا سے، وہ کہتے ہیں: "کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوکر آئے تو ہمارا گزر عربوں کی ایک بستی پر ہوا تو بستی والوں نے کہا: "کیا آپ کے پاس کوئی دواء ہے؟ اس لیے کہ ہمارے پاس ایک شخص جس پر دیوانگی طاری ہے، زنجیروں میں جکڑا ہوا موجود ہے۔ تو وہ اس جکڑے ہوئے دیوانے شخص کو لے آئے۔ پھر میں نے اس پر تین دن متواتر صبح و شام سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اس طریقے سے کہ (پڑھتے ہوئے) اپنا لعاب دھن جمع کرتا اور پھر اس پر (ہلکا ہلکا) تھوکتا چلا جاتا۔ تو گویا وہ شخص (اس دم کے اثر سے) بندھی ہوئی رسی میں چھوٹتا نظر آتا۔ (مطلب یہ کہ وہ تندرست و توانا ہوگیا۔) انھوں نے اس کی مجھے اجرت دینا چاہی تو میں نے کہا: نہیں (میں نہیں لوں گا) تو اس پر وہ کہنے لگے: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیجیے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اجرت کو کھا لیجیے۔ مجھے قسم ہے ایک تو وہ شخص کہ جس نے جھوٹے دم کا معاوضہ کھایا جبکہ تم نے سچے (یعنی قرآن کے) دم کی اجرت لے کر کھائی۔[2]

میں کہتا ہوں: کہ اس حدیث کی سند میں «خارجہ بن الصلت» کے چچا کا اصل نام "عِلاقہ بن صُحار"[3] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام عبداللہ ہے۔

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 636 اور اس کی سند ضعیف ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس روایت کو ابن السنی رحمہ اللہ، طبرانی رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔

[2] سنن أبی داود، حدیث: 3896 اور اس کی اسناد حسن ہے۔ نیز ابوداود رحمہ اللہ! ابن حبان رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/44.

[3] کتاب "الحرز" کے مصنف کہتے ہیں: "علاقہ عین کے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: "اس لفظ کے آخر میں "قاف" ہے اور اس کے بعد "ھاء" ہے (یعنی عِلاقہ) اور کتاب "الصحاح" میں لفظ "صُحار" صاد کے ضمہ یعنی پیش کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ خارجہ بن الصلت کا چچا ہے اور یہ ⇦





اور ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے کسی تکلیف میں مبتلا شخص کے کان میں قرآن (کا کچھ حصہ) پڑھا تو وہ شخص صحت مند ہوگیا۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کے کان میں تم نے کیا کچھ پڑھا تھا''؟ تو انھوں نے کہا: ''میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی تھی: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا...... آخر تک﴾ [1] یہاں تک کہ آپ سورت کے آخر تک پڑھ کر فارغ ہو گئے۔ (یہ سن کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص یقین (کامل) کے ساتھ اس کو کسی پہاڑ پر بھی پڑھے تو وہ بھی (اپنی جگہ سے) سرک جائے۔ [2]

## باب، بچوں وغیرہ کو کس قسم کے ''تعویذ'' دیے جائیں
## (شیطانی کچوکوں سے بچانے کی دعاء)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس دعاء کا ''تعویذ'' دیا کرتے تھے: «أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ» ''میں تم دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے (پاکیزہ اور) مکمل کلمات کے ساتھ پناہ پکڑنے کی دعاء کرتا ہوں، ہر شیطان کے شر سے اور ہر کاٹنے والے زہریلے جانور سے اور (اسی طرح) ہر بری نظر سے۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: '' کہ بے شک آپ کے والد

---

⇐ ''قول'' بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا نام ''العلاء'' ہے اور بنو سلیط قبیلہ سے تعلق کی بناء پر ''السلیطی'' کہلایا گیا ہے: '' کہ ان کا نام کعب بن الحارث بن یربوع التمیمی السلیطی ہے۔ اسے ''ابن شاہین رحمہ اللہ '' نے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 45/4.

[1] '' کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث (یعنی بے فائدہ) پیدا کیا ہے۔'' (المؤمنون 115)

[2] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 635 اور سنن أبي داؤد، حدیث: 3897، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اسے امام ابن السنی رحمہ اللہ نے ابو یعلی الموصلی سے نکالا ہے اور امام الطبرانی رحمہ اللہ نے اسے ''الدعاء'' میں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ''التفسیر'' میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 46/4.

محترم (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) بھی انھی کلمات کے ساتھ حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق صلی اللہ علیہم اجمعین! کے حق میں دعاء کیا کرتے تھے۔ ①

میں کہتا ہوں: ''اہل علم رحمہم اللہ! کہتے ہیں «اَلْهَامَّةُ» میم کی شد کے ساتھ، ہر وہ زہریلا جانور مراد ہے جسے مارنے کا (شرع میں) حکم ہے۔ جیسے سانپ وغیرہ اور اس کی جمع «اَلْهَوَامُّ» ہے۔ اہل علم رحمہم اللہ کا مزید کہنا ہے کہ یہ «الهوام» بسا اوقات چلنے والے جانوروں کو بھی پڑ جاتے ہیں۔ اگرچہ انھیں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے چھوٹے کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ اور اسی بات کی وضاحت حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کرتی ہے: «اَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأسِكَ؟» کیا تجھے تیرے سر کی جوئیں تکلیف دیتی ہیں''؟ اور «عَيْنٌ لَامَّةٌ» سے مراد ہر وہ آنکھ جو کسی شخص کے نعمت پانے پر اس کی طرف حسد اور برائی سے دیکھتی ہے اور اسے لامۃ میم کی شد کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

## باب، پھوڑے، پھنسیاں اور چہرے پر آبلے وغیرہ نکل آئیں تو کیا پڑھنا چاہیے؟

اس باب سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث عنقریب ''مریض کیا دعاء کرے اور اس پر کیا پڑھنا چاہیے''؟ کے باب میں بھی ذکر ہوگی۔

ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس وقت میری انگلی پر پھنسیاں تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عِنْدَكِ ذَرِيرَةٌ» کیا تمھارے پاس کوئی خوشبو ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر اسے انگلی پر لگایا اور فرمایا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ مُصَغِّرَ الْكَبِيرِ وَ مُكَبِّرَ الصَّغِيرِ صَغِّرْ مَا بِيْ»

---

① صحيح البخاري، حديث: 3371، امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ'' میں روایت کیا ہے۔ حدیث: 1006، سنن ابن ماجه، حدیث: 3525 اور ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی روایت ہوئی ہے۔





''اے بڑی چیز کو چھوٹا کر دینے والے اور چھوٹی چیز کو بڑا کر دینے والے اللہ! جو کچھ مجھے لاحق ہوا ہے اسے کم کر دے (یعنی شفاء عطا فرما دے) یہ دعا پڑھنے سے وہ پھنسیاں غائب ہو گئیں اور «ذَرِيْرَةٌ» سے مراد خوشبو کی ایک قسم ہے جو کہ ہندوستان سے منگوائی جاتی تھی۔''①

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 640، سنن النسائی، حدیث: 1031، (عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ) میں روایت کی گئی ہے۔ اور اس کی اسناد امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح ہے۔ اور مسند احمد ج ۵/ص ۳۷۰۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اسے امام ابن السنی رحمہ اللہ نے تو نکالا ہے اور متن کا سیاق (وسباق) ظاہر میں اس کا مخالف ہے۔ اور ائمہ اس کی روایت کی مخالفت پر متفق ہوئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یقیناً اسے اس روایت کی سند میں ''وہم'' ہوا ہے۔ اس لیے کہ اس نے یہ کہا ہے: بنت أبي کثیر..... اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''اور مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہے کہ شیخ موصوف رحمہ اللہ (یعنی امام نووی رحمہ اللہ) نے یہاں امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب سے حدیث تخریج کرنے کی بجائے امام ابن السنی رحمہ اللہ! کی کتاب (عمل الیوم واللیلۃ) کی طرف رجوع کیا ہے باوجود یہ کہ امام نسائی رحمہ اللہ! روایات نقل کرنے میں زیادہ سخت بھی ہیں اور بلند مقام بھی رکھتے ہیں جبکہ امام ابن السنی رحمہ اللہ اس بارے میں متساہل بھی ہیں اور روایات کے ذکر کرنے میں ان کی نسبت کم درجہ رکھتے ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/49،48.

# کتاب
# بیماری، موت اور ان سے متعلق دیگر مواقع پر پڑھے جانے والے "اذکار" کے بارے میں

## باب، موت کو کثرت سے یاد کرنے کے استحباب کے بارے میں

سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب سنن میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لذتوں کو توڑ دینے والی (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کرو۔" امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"[1]

## باب، مریض کے عزیز و اقارب کا مریض کے حال کے بارے میں پوچھنے کے استحباب اور پوچھے جانے والے شخص کے جواب کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہو کر آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مرض الموت کی) تکلیف میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے کہا: اے (اَبَا الْحَسَنِ) حسن رضی اللہ عنہ کے ابا جان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کس حال میں کی؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "(الحمد للہ)"

---

① سنن الترمذی، حدیث: 2308، سنن النسائی: 4/4، سنن ابن ماجہ، حدیث: 4258 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس کی اسناد "حسن" ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 4:50.

سب تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ آپ کو صبح کے وقت افاقہ تھا۔[1]

## باب، بیمار شخص کو خود کیا پڑھنا چاہیے اور اس کے پاس کیا کہنا چاہیے اور اس پر کیا کچھ پڑھنا چاہیے نیز اس سے اس کا حال کیسے دریافت کرنا چاہیے؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ (لیٹنے کی غرض سے) اپنے بستر کی طرف تشریف لاتے، اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کرتے، پھر ان پر پھونک مارتے اور (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... آخر تک) اور (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ...... آخر تک) اور (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ...... آخر تک) تلاوت فرماتے۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسد اطہر پر پھیرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب اللہ کے رسول ﷺ کو بیماری کی شکایت شروع ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھ یہ عمل کرنے کا مجھے حکم دیا۔"[2] اور صحیح کی ایک روایت میں یوں بیان ہوا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جس بیماری میں وفات پائی اس دوران آپ "معوذات" (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھ کر اپنے جسد اطہر پر پھونک مارتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب (شدتِ مرض سے) آپ ﷺ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی تو میں خود اس "ذکر" کو برکت کی خاطر پڑھ کر آپ ﷺ پر پھونکتی اور آپ ﷺ کے جسم مبارک پر آپ ﷺ کا دست مبارک پھیرتی تھی۔ اور ایک روایت میں اس بات کا یوں تذکرہ ہوا ہے: "کہ جب آپ ﷺ کو بیماری کی شکایت (تکلیف) شروع ہوتی تو اپنے

---

① صحيح البخاري، حديث: 6266.

② صحيح البخاري، حديث:5017,5016، صحيح مسلم، حديث: 2192، المؤطا: 943,942:2، سنن أبي داود، حديث:5049، جامع الترمذي، حديث:3413.

آپ پر ''سورۃ الفلق'' اور ''سورۃ الناس'' پڑھ کر پھونک مارتے تھے۔'' اس حدیث کے ایک (مشہور) راوی امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کیسے پھونک مارتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ (پہلے) اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتے پھر ان کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔

میں کہتا ہوں: ''اسی باب سے متعلق (چند) احادیث سابقہ باب ''کہ دیوانے اور مدہوش وغیرہ شخص پر کیا پڑھا جائے؟'' میں گزر چکی ہیں، جن میں سورۃ فاتحہ اور دیگر آیات پڑھنے کا ذکر ہوا ہے۔

اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داود اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا معمول تھا کہ جب انسان کو کوئی تکلیف شروع ہو جاتی یا اسے کوئی چوٹ یا زخم وغیرہ آجاتا تو ایسے موقع پر آپ ﷺ اپنی انگلی کو یوں رکھتے۔ اور پھر حدیث کے راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنی شہادت کی انگلی کو زمین پر رکھا اور پھر اس کو اٹھایا۔ اور یہ کلمات ادا فرمائے:

«بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا ، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، يُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا»

''اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ، ہماری زمین کی مٹی (باعثِ شفا ہے) ہمارے بعض کے لعابِ دہن کے ساتھ اللہ کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفا ملتی ہے۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''«تُرْبَةُ اَرْضِنَا وَ رِيْقَةُ بَعْضِنَا»: ''کہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارے بعض کا لعاب دہن (اللہ کے حکم سے) باعثِ شفا ہے۔''[1]

میں کہتا ہوں: اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے: کہ «بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا» سے مراد انسان کا تھوک

[1] صحيح البخاري، حديث: 5745، صحيح مسلم، حديث: 2194، سنن أبي داود، حديث: 3895.

ہے۔ ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کہ «الرِّيْقُ» سے مراد انسان اور اس کے علاوہ دیگر حیوانات کے منہ کا لعاب ہے" اور بعض اوقات یہ مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: «رِيْقَةٌ» اور «الجوهری» کہتے ہیں: «الرِّيْقَةُ» (یعنی مؤنث) «الرِّيْقُ» (یعنی مذکر) کی نسبت زیادہ خصوصیت کا حامل ہے۔"

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض اہل خانہ کو (شیطانی پھونکوں سے بچاؤ کے لیے) یوں دم فرماتے کہ اپنے دائیں ہاتھ مبارک کو جسم پر پھیرتے ہوئے یہ دعاء پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ، اشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ، لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا»

"اے اللہ! لوگوں کے پروردگار، تکلیف کو لے جا، شفاء عطاء فرما، آپ شفا دینے والے ہیں۔ آپ کی شفاء کے علاوہ کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفاء دے جو کسی قسم کی کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے۔"[1]

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دم فرماتے ہوئے یہ الفاظ پڑھتے:

«اِمْسَحِ الْبَأْسَ، رَبَّ النَّاسِ، بِيَدِكَ الشِّفَآءُ، لَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا اَنْتَ»

"(اے اللہ) بیماری (اور تکلیف) کو مٹا دے، لوگوں کے پروردگار، آپ کے ہاتھ میں شفا ہے۔ جسے آپ کے علاوہ اور کوئی کھولنے (یعنی دور کرنے) والا نہیں ہے۔"

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں (حضرت انس رضی اللہ عنہ) نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا: "کیا میں تجھ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم نہ کروں"؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ تو انھوں نے یہ دعا پڑھی:

[1] صحيح البخاري، حديث:5743، صحيح مسلم، حديث:2191.




«اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذْهِبَ الْبَأْسِ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''اے اللہ! لوگوں کے رب، تکلیف کا ازالہ کرنے والے، شفا عطا فرما، آپ شفا دیتے ہیں۔ آپ کے علاوہ اور کوئی شفا دینے والا نہیں۔ ایسی شفاء عطا فرما جو کسی قسم کی بیماری باقی نہ چھوڑے۔''①

اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی اس تکلیف کی شکایت کی جسے وہ اپنے جسم میں پاتے تھے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ اپنا ہاتھ مقام درد پر رکھ کر تین مرتبہ «بِسْمِ اللّٰهِ» اور (پھر) سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:

«أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَ أُحَاذِرُ»

''میں اللہ تعالیٰ کی عزت (وجلال) اور اس کی قدرت (وطاقت) کی، ہر اس چیز کے شر سے پناہ پکڑتا ہوں جسے میں پالیتا ہوں اور جس سے میں بچتا ہوں۔''③

اور صحیح مسلم میں حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری (بیماری کے دوران) عیادت کے لیے تشریف لائے اور یہ دعا پڑھی:

«اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا»

''الٰہی سعد کو شفا عطا فرما، الٰہی، سعد کو شفا عطا فرما، الٰہی سعد کو شفا عطا فرما۔''④

---

① صحيح البخاري، حديث:5742.

② صحيح مسلم، حديث:2202، سنن أبي داود، حديث:3891 اور سنن النسائي: (عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ) میں حدیث:909.

③ صحيح مسلم، حديث:١٦٢٨.

④ سنن أبي داود، حديث:3106، سنن الترمذی، حديث:2084، امام حاکم رحمہ اللہ کی المستدرك: 342/1. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔ اور اسے امام احمد رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ اور امام ⇦

اور سنن أبي داؤد اور سنن الترمذی میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کو جائے جس کی موت کا وقت نہ آیا ہو اور وہ مریض کے پاس سات مرتبہ یہ کلمات پڑھے:

«اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ، اِلَّا عَافَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وتَعَالٰى مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَضِ»

''میں حقیقی معبود، بڑی عظمت والے، عظیم عرش کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو شفا عطا فرمائے'' تو اللہ تعالیٰ اس کو اس مرض سے عافیت عطا فرمائے گا۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ یہ حدیث حسن ہے اور امام حاکم ابو عبداللہ رحمہ اللہ! اپنی معروف کتاب «الْمُسْتَدْرَكُ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ» میں رقمطراز ہیں: ''یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔''

اور سنن أبي داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع حدیث ملی ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب آدمی کسی مریض کی عیادت کو آئے تو وہ یہ دعاء پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا، أَوْيَمْشِيْ لَكَ اِلٰى صَلَاةٍ»

''الٰہی! اپنے بندے کو شفا دے کہ وہ آپ کے دشمن کو دکھ دے سکے یا آپ کی خاطر نماز کی ادائیگی کے لیے جائے۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ! نے اس حدیث کو

⇦ ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے ہم سوائے المنھال بن عمرو...... الخ کی حدیث کے حوالے سے اور کسی بھی طریق سے نہیں پہچانتے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اس کے اور طرق بھی ذکر کیے ہیں جس سے یہ حدیث قوت پکڑتی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/61.

[1] سنن أبي داؤد، حدیث: 3107 اور اس کی اسناد حسن ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔

"ضعیف" قرار نہیں دیا۔"①

اور سنن الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: "کہ میں (ایک مرتبہ) بیماری میں مبتلا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس حال میں گزرے کہ میں یہ دعا پڑھ رہا تھا: «اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْحَضَرَ فَاَرِحْنِيْ ، وَ اِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَعْنِيْ ، وَ اِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ» "اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ پہنچا ہے تو مجھے راحت وسکون عطاء فرما اور اگر اس کے آنے میں دیر ہے تو مجھے (اپنی رحمت سے) اٹھا لیجیے اور اگر (یہ بیماری) آزمائش ہے تو مجھے صبر کرنے کی ہمت دے تو (یہ سن کر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم نے کیسے کہا"؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا تھا دوبارہ پڑھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں سے ان کو (ہلکی سی) چوٹ لگائی اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ عَافِهِ» کہ الٰہی اسے عافیت دے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ادا فرمائے: «اَللّٰهُمَّ اشْفِهِ» کہ اے اللہ اسے شفاء عطاء فرما دے" یہاں حدیث کے راوی امام شعبہ رحمہ اللہ کو شک ہوا ہے کہ آپ نے کون سے الفاظ ادا فرمائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کہ اس کے بعد مجھے کبھی درد وغیرہ کی شکایت نہیں ہوئی۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔"①

سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ان دونوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ کلمات پڑھے: «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ» "کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے" تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق کرتے

---

① جامع الترمذی، حدیث: 3559 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث صحیح ہے" اسے امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور سنن النسائی میں بھی روایت ہوئی ہے۔ حدیث: 1058 اور اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/64 نیز یہ حدیث مسند احمد میں 1/ 84,83 اور ص 128 میں ذکر ہوئی ہے۔

ہوئے فرماتا ہے: ''کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں ہی سب سے بڑا ہوں'' اور جب وہ شخص یہ کلمات کہے: «لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ» کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے جواب میں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں میں ہی یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب وہ شخص یہ کلمات کہے: «لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ» کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ہر قسم کی تعریف و ستائش ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' میرے سوا کوئی بھی حقیقی معبود نہیں، میرے لیے بادشاہی ہے اور میرے لیے ہی ہر قسم کی تعریف و ستائش ہے۔'' اور جب وہ شخص یہ الفاظ کہتا ہے: «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ» کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور اللہ کی توفیق کے بغیر نہ مجھ میں نیکی کرنے کی ہمت ہے اور نہ گناہ سے بچنے کی طاقت۔'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کہ میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور میری توفیق کے بغیر نہ کسی میں نیکی کرنے کی ہمت ہے اور نہ گناہ سے بچنے کی طاقت۔'' اور آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے: ''کہ جو شخص اپنی بیماری کے دنوں میں یہ کلمات پڑھے پھر وہ فوت ہو جائے تو اس کو آتشِ جہنم نہیں پکڑے گی۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''[1]

اور صحیح مسلم، سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ '' حضرت جبریل علیہ السلام اللہ کے نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا: '' اے محمد ﷺ! آپ کو (کسی تکلیف کی) شکایت ہے؟ تو آپ نے فرمایا: '' ہاں۔'' اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی:

[1] سنن الترمذی، حدیث: 3426، سنن ابن ماجہ، حدیث: 3794، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ''الکبریٰ'' میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ جبکہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/65.





«بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ ، بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ»

''اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ پر دَم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے۔ ہر نفس کے شر سے یا ہر حسد کرنے والی آنکھ سے، اللہ آپ ﷺ کو شفایاب فرمائیں گے، میں اللہ کے (پاک) نام سے آپ ﷺ پر دَم کرتا ہوں۔''[1]

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ایک اعرابی (بدوی) کے پاس بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے (راوی کہتے ہیں) کہ اللہ کے نبی ﷺ جس شخص کے پاس بھی عیادت کے لیے تشریف لاتے تو (اس کے پاس بیٹھ کر) یہ دعا پڑھتے تھے: «لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ» ''کہ کوئی حرج نہیں (فکر نہ کیجیے) اگر اللہ نے چاہا تو (یہ بیماری) خطاؤں کی طہارت (کفارے) کا موجب ہوگی۔''[2]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک اعرابی (بدوی) کے پاس اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور وہ بخار میں (جل رہا) تھا۔ تو آپ ﷺ نے یہ کلمات ادا فرمائے:

«كَفَّارَةٌ وَطَهُوْرٌ»

''کہ یہ بخار خطاؤں کے کفارہ اور (حسی و معنوی) غلاظتوں کے لیے پاکیزگی کا سبب ہوگا۔''[3]

اور جامع الترمذی اور امام ابن السنی کی کتاب میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مریض شخص کی مکمل طور پر بیمار

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2186، جامع الترمذی، حدیث: 972 اور امام نسائی نے "الکبریٰ" میں روایت کیا ہے اور سنن ابن ماجه، حدیث: 3524۔

[2] صحیح البخاري، حدیث: 5656۔

[3] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 540، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔''





پرسی کا طریقہ یہ ہے" کہ تم میں سے کوئی عیادت کرنے والا اس بیمار کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے اور اس سے پوچھے کہ وہ کس حال میں ہے" یہاں تک الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے روایت کردہ ہیں۔ اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں یوں ذکر ہوا ہے" کہ بیمار پرسی کا مکمل طور پر طریقہ یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ بیمار شخص کے جسم پر رکھ کر یہ کہو:

«كَيْفَ أَصْبَحْتَ أَوْ كَيْفَ أَمْسَيْتَ؟»

"کہ تم نے صبح و شام کس حال میں گزاری"؟[1] نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اس حدیث کی اِسناد قوی (یعنی مضبوط) نہیں۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے اس حال میں کہ میں بیمار تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَاسَلْمَانُ شَفَى اللّٰهُ سَقَمَكَ وَ غَفَرَ ذَنْبَكَ ، وَ عَافَاكَ فِيْ دِيْنِكَ وَ جِسْمِكَ اِلٰى مُدَّةِ أَجَلِكَ»

"اے سلمان! اللہ تیری بیماری سے تجھے شفا بخشے اور تیرے گناہ معاف فرمائے اور تیری زندگی کے آخری لمحات تک تیرے دین (کی حفاظت) اور تیرے جسم کو عافیت دے۔"[2]

اور ابن السنی رحمہ اللہ کی ہی کتاب میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: میں جب بیمار ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے "تعویذ" (یعنی دعاء) فرمایا کرتے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں ان الفاظ میں دعاء فرمائی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ أُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِيْ لَمْ

---

① جامع الترمذی، حدیث: 2732 اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 541 اور اس کی سند ضعیف ہے۔

② ابن السنی کی کتاب حدیث: 553 اور اس کی اِسناد ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابوخالد جس کا نام عمرو بن خالد الواسطی ہے بہت زیادہ ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/71.





يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّه، كُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُهُ

"اللہ کے (پاک) نام کے ساتھ جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، میں تجھے اس اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، جو یکتا اور بے نیاز ذات ہے، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ خود جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ ہر اس چیز کے شر سے جو تم پاتے ہو۔" پھر جب اللہ کے رسول ﷺ اپنی جگہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہوئے تو فرمایا: "اے عثمان انھی کلمات کو تعویذ بنا لو، اس جیسا تعویذ تم نے (قبل ازیں) نہیں پایا ہوگا۔"[1]

## باب، مریض آدمی کے گھر والوں اور اس کی تیمارداری کرنے والوں کے بارے میں (کہ وہ اس کو نیکی کرنے، بیماری کو برداشت کرنے اور ہر تکلیف دہ حالت میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کریں)

❁ اور اسی طرح جس شخص کو حدّ یا قصاص کی صورت میں سزائے موت دی جانے والی ہو، اسے کیا وصیّت کی جائے؟

صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی محترم ﷺ کے پاس اس حالت میں حاضر ہوئی کہ وہ بدکاری کے نتیجے میں حاملہ تھی۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ میں "حد" کی سزا کی مستحق ہوں، مجھ پر حد (کی سزا) نافذ کیجیے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے ولی (یعنی سرپرست) کو بلایا اور فرمایا: "اس کے ساتھ انتہائی اچھا برتاؤ کیجیے اور جب یہ بچہ جنم دے تو اس کو میرے پاس لے آیئے۔ تو اس نے ایسے ہی کیا تو اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے جسم پر اس کے کپڑے اچھی طرح

[1] ابن السنی کی کتاب حدیث: 558 ۔ اور اس کی سند میں "ضعف" ہے۔

باندھ دیے جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسے "رجم" کرنے کا حکم دیا اور بعد ازاں آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی۔ ①

## باب، جو شخص سر درد یا بخار یا اسی طرح کی دیگر تکالیف میں مبتلا ہو جائے تو کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ انھیں ہر قسم کی تکلیف اور (خاص طور پر) بخار کی حالت میں یہ دعاء پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ ، وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ»

اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ جو بہت بڑی ذات ہے، ہم پناہ طلب کرتے ہیں، اللہ کی عظیم ذات کے ساتھ، خون کی جوش مارنے والی رگ کی تکلیف سے (اس سے مراد دماغ میں خون کی وہ شریان ہے جس کی خرابی سے دردِ سر کا مرض لاحق ہوتا ہے)۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ اور بخار کی شدت کی تکلیف سے بھی۔ ②

اور تکلیف میں مبتلا شخص کو چاہیے کہ وہ سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور "معوذتین" پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارے اور پھر ہاتھوں کو اپنے پورے جسم پر پھیر لے جس طرح کہ پچھلے ابواب میں اس بارے میں گزر چکا ہے اور ساتھ ہی وہ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے جن کا پہلے صفحات پر ذکر ہو چکا ہے۔

---

① صحیح مسلم، حدیث: 1696۔

② ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 571، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی امام احمد رحمہ اللہ، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے تخریج کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔




## باب، بیمار آدمی کے لیے تکلیف دہ حالت میں یہ الفاظ کہنا: ''کہ مجھے سخت تکلیف ہے۔ مجھے بخار لیے جاتا ہے یا ہائے میرا سر پھٹا جاتا ہے۔''

❁ اور اسی طرح تکلیف کی شدت میں اگر غصے یا بے صبری وغیرہ کا اظہار مقصود نہ ہو تو ایسے الفاظ ادا کرنے کے جواز کے بارے میں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار کی شدت کی وجہ سے کراہ رہے تھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو چھوا اور کہا...... ''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بخار کی شدت کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! ایسے ہی جس طرح تم میں سے دو آدمی شدت بخار کی تکلیف سے تڑپتے ہیں۔''[1]

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہی حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ میرے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے، جب میری تکلیف شدت اختیار کر گئی تو میں نے کہا: ''جو مجھے تکلیف پہنچی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ ہی رہے ہیں اور میں مالدار آدمی ہوں اور میرے اس مال کی سوائے میری بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں ہے...... اور پھر پوری حدیث ذکر کی۔''[2]

---

[1] صحیح البخاري، حدیث:5660,5647، صحیح مسلم، حدیث:2571.

[2] صحیح البخاري، حدیث: 5668، صحیح مسلم، حدیث: 1628 اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں: «وَلَا يَرِثُنِيْ إِلَّا ابْنَةٌ لِيْ» جبکہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: «وَلَا يَرِثُنِيْ إِلَّا ابْنَةٌ لِيْ وَاحِدَةٌ» کہ میرا وارث سوائے میری ایک بیٹی کے اور کوئی نہیں ہے۔''

اور صحیح بخاری میں، حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ! سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہائے میرا سر'' تو (یہ سن کر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ یوں کہو: ''میں اور میرا سر''[1] اور پھر پوری حدیث ذکر کی۔ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ''مرسل'' ہے۔[2]

## باب، کسی تکلیف کے باعث موت کی تمنا کرنا پسندیدہ نہیں مگر دین کے معاملے میں فتنے کے ڈر سے موت کی خواہش کرنے کے جواز کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں کوئی شخص محض کسی تکلیف پہنچنے کے سبب کبھی موت کی تمنا نہ کرے اور اگر وہ لامحالہ ایسا کرنا ہی چاہتا ہو تو یہ دعا کرے:

«اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَ تَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِيْ»

''اے اللہ جب تک زندگی میرے (دین و دنیا کے) لیے بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھیے اور جب میرے (دین و دنیا) کے لیے موت بہتر ہو تو مجھے اٹھا لیجیے۔''[3]

ہمارے علماء و ائمہ ہدیٰ رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: ''کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے اس وقت روکا گیا ہے جب وہ کسی تکلیف یا اس جیسی کسی اور وجہ کی بناء پر موت طلب کرے۔ لیکن

---

① صحيح البخاري، حديث: 7217.

② یہ حدیث ''مرسل'' ہے۔ اس لیے کہ راوی قاسم بن محمد رحمہ اللہ کو جیسے یہ واقعہ ملا اور انھوں نے پایا اسے بیان کر دیا اور یہ نہیں بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اس کی خبر دی تھی۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ پر اس بناء پر اعتماد کیا ہے کہ ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کافی زیادہ روایات ذکر ہوئی ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/78.

③ صحيح البخاري، حديث: 5671، صحيح مسلم، حديث: 2680، سنن أبي داؤد، حديث: 3108، سنن الترمذي، حديث: 971، سنن النسائي: 4/3.

اگر وہ دنیا میں فتنہ وفساد برپا ہونے کی وجہ سے اپنے دین کے ضائع ہونے کے خوف سے موت کی تمنا کرتا ہے۔تو یہ مکروہ (یعنی ناپسندیدہ) نہیں ہے۔

## باب، باعثِ برکت ومحترم شہر میں موت کی دُعاء کرنے کے استحباب (پسندیدگی) کے بارے میں

صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں: ''کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَ اجْعَلْ لِّيْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ»

''کہ اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں ''شہادت'' کی سعادت سے بہرہ ور فرما اور میری موت اپنے رسول کے (مقدس) شہر (مدینہ طیبہ) میں مقدر فرما دے۔''[1]

تو (یہ سن کر) میں نے کہا: ''یہ کیسے اور کب ہوگا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مجھے اس (شہادت کی) سعادت سے جب چاہے گا سرفراز فرمائے گا۔''

## باب، مریض کو اچھے الفاظ میں تسلی دینے اور اچھی امید دلانے کے استحباب کے بارے میں

جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ضعیف اِسناد کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم عیادت کے لیے کسی مریض کے پاس آؤ تو اس کی زندگی کے بارے میں امید افزا بات کہو! (تمھارا) یہ کہنا اس مریض سے کسی چیز کو دور نہیں کرتا مگر اس کے جی کو اطمینان وسکون دیتا ہے۔[2] اور اس

---

① صحيح البخاري، حديث: 1890.

② جامع ترمذی، حدیث: 2088، سنن ابن ماجه، حدیث: 1438 اور اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن ابراہیم التیمی راوی ہے جو کہ ''منکر الحدیث'' ہے۔

ضمن میں گزشتہ باب '' کہ مریض کے پاس یہ دعا کی جائے «لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ» میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بھی کافی ہے۔

## باب، مریض کا خوف دُور کرنے کی خاطر اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے پروردگار پر اچھا گمان رکھے، اس کے بارے میں تعریفی کلمات کہنے اچھے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب وہ خنجر کے وار سے زخمی کر دیے گئے تھے، تسلی و تشفی کے طور پر کہا: ''اے امیر المؤمنین! آپ ان سب باتوں کی فکر نہ کیجیے۔ یقیناً آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی تو آپ نے اس صحبت کی بدولت اچھا مقام پایا۔ پھر وہ آپ سے اس حال میں جدا ہوئے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔ پھر آپ نے (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اختیار کی اور آپ نے عمدگی کے ساتھ اس رفاقت کا بھی حق ادا کیا۔ پھر وہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ پھر (ان کے بعد) آپ مسلمانوں (اور اہل ایمان) کے مصاحب بنے اور ان کی رفاقت کا بھی اچھے انداز میں حق ادا کیا۔ تو اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو اس حال میں (آپ ان کو داغِ مفارقت دیں گے) کہ وہ ضرور آپ سے راضی ہوں گے...... اور اس طرح پوری حدیث بیان کی۔ تو (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہے۔''[1]

اور صحیح مسلم میں ابن شماسہ (شین کی پیش اور زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے) سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: '' کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور وہ موت کی آغوش میں پڑے ہوئے زار و قطار رو رہے تھے۔ اور جب انھوں نے اپنا چہرہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 3692.





دیوار کی جانب کیا تو ان کے بیٹے نے کہنا شروع کیا: ''اے ابا جان! کیا اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو اس خوشخبری سے نہیں نوازا؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو اس خوشخبری سے بہرہ ور نہیں فرمایا؟ پھر وہ اپنے چہرہ سے متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کہ (ایسے لمحات میں) سب سے افضل ذکر جو ہم شمار کرتے ہیں وہ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» کی گواہی دینا ہے۔ ① پھر حدیث کے راوی نے پوری حدیث کو بیان کیا۔''

اور صحیح بخاری میں حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (شدتِ مرض کی) شکایت کی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس (عیادت کے لیے) آئے اور فرمایا: اے ام المؤمنین! آپ رضی اللہ عنہا تو اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیش رو ہیں'' اور اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ ! نے ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے قبل ان کے ہاں (عیادت کے لیے) آنے کی اجازت طلب کی اور وہ (شدتِ مرض) سے نڈھال تھیں۔ کہنے لگیں: مجھے خدشہ ہے کہ وہ میری بے جا تعریف کریں گے، تب ان سے کہا گیا: ''کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور مسلمانوں کے قابلِ احترام سردار ہیں۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انھیں اجازت دے دیجیے۔ تو انھوں (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے پوچھا: ''آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں''؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بھلائی اور بہتری کے ساتھ اگر میرا مؤاخذے سے بچاؤ ہو گیا۔ اس پر انھوں نے فرمایا:

«فَأَنْتِ بِخَيْرٍ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ»

''اگر اللہ نے چاہا تو آپ بھلائی و بہتری کے ساتھ ہوں گی۔'' (اس لیے کہ) آپ اللہ کے رسول ﷺ کی رفیقۂ حیات ہیں اور آپ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہا کی صداقت و عفت پر (اللہ

① صحیح مسلم، حدیث: 121۔

تعالیٰ کی طرف سے ) آسمان سے گواہی نازل ہوئی۔''[1]

## باب، بیمار آدمی کی اپنی چاہت کے مطابق کوئی چیز طلب کرنے کے بارے میں

سنن ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں ضعیف اِسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے: ''کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''کیا تم کو کسی چیز کی چاہت ہے؟ کیا تم کو کیک چاہیے؟ تو اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منگوا کر دے دیا۔''[2]

اور سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بیماروں کو کھانے اور پینے پر مجبور نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انھیں ( حالتِ مرض میں ) کھلاتا اور پلاتا ہے۔''[3] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''[4]

## باب، عیادت کرنے والوں کا مریض کو دعاء کے لیے کہنے کے بیان میں

سنن ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ میں صحیح اِسناد یا حسن اِسناد کے ساتھ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

---

① صحیح البخاري، حدیث 3771/3770.

② سنن ابن ماجه، حدیث:3441، ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:545 اور اس کی اِسناد ضعیف ہے۔

③ مذکورہ حدیث کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے بیماروں پر کھانے، پینے کے بارے میں سختی نہ کرو، (یعنی ان کی چاہت کے مطابق انھیں کھانے، پینے کو دو، بے شک یہ اللہ انھیں کھلاتا پلاتا ہے۔ (واللہ اعلم ) مترجم۔

④ سنن الترمذی، حدیث:2041، سنن ابن ماجه، حدیث:3444 اور اس کی اِسناد ''شواہد'' کی بنا پر ''حسن'' ہے۔ دیکھیے: الفتوحات:4/90.

ہیں۔ انھوں نے کہا: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمھارے حق میں دعاء کرے۔ اس لیے کہ اس کا دعاء کرنا فرشتوں کا دعاء کرنا ہے۔''① لیکن حدیث کے راوی حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ! نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔''

## باب، مریض کو شفا پانے کے بعد اور جو اس نے حالتِ مرض میں اللہ تعالیٰ سے توبہ وغیرہ کا عہد و پیمان کیا ہو، اسے پورا کرنے کے لیے نصیحت کرنے کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾

'' (اور اپنے عہد کو پورا کیا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا)''②

﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾

''اور جو اپنے وعدوں کو جب وہ عہد کرلیں پورا کرتے ہیں۔''③

اور اس (عہد و پیمان کے پورا کرنے کے) باب میں مشہور قرآنی آیات کافی تعداد میں ہیں۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت خوات بن جُبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: میں بیمار ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور فرمانے لگے: ''اے خوات (تمھارا) جسم روبصحت ہو۔'' میں نے کہا: ''اور آپ کا جسد اطہر بھی اے اللہ کے رسول ﷺ'' آپ ﷺ فرمانے لگے: تو اب جو اللہ کے

① سنن ابن ماجہ، حدیث: 1441، ابن السنی کی کتاب حدیث: 562 اور یہ حدیث ''مرسل'' ہے اس لیے کہ اس کی سند میں چوتھے طبقہ سے تعلق رکھنے والا تابعی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 91/4 اور ''الزوائد'' میں یوں کہا گیا ہے: ''کہ اس کی اسناد صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یہ منقطع بھی ہے۔ العلائی رحمہ اللہ نے ''المراسیل'' میں اور امام المزی رحمہ اللہ نے ''میمون بن مہران کی روایت میں جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے'') یہ کہا ہے۔
② الاسراء 34۔ ③ البقرۃ 177۔

ساتھ تم نے وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنا۔" میں نے کہا: "میں نے تو اللہ عز وجل سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔" اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مگر بے شک جب بھی کوئی بندۂ مؤمن بیمار پڑتا ہے تو اللہ عز وجل (اس کے لیے) بھلائی مقدر کرتا ہے تو (اس بھلائی کے شکر کے طور پر) اللہ سے جو بھی تم عہد و پیمان کرو اسے پورا کرو۔"[1]

## باب، جو شخص اپنی زندگی سے ناامید ہو جائے تو وہ کیا کہے؟

جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: "میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو "مرضِ موت" میں دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک پانی کا پیالہ رکھا تھا۔ اور آپ ﷺ اپنا دستِ مبارک پیالے میں داخل کرتے، پھر اپنے چہرہ مبارک کا پانی سے مسح فرماتے۔ پھر فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ»

"الٰہی موت کی سختیوں اور موت کی مدہوشیوں پر میری مدد فرما۔"[2]

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 563 اور اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

[2] جامع الترمذی، حدیث: 978، سنن ابن ماجہ، حدیث: 1623 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں حدیث: 1093۔

فائدہ: "کتاب المفہم شرح صحیح مسلم" کے مؤلف امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام پر موت کے وقت سختی میں دو فائدے (حکمتیں) ہیں: ۔ 1۔ ان کے مقام و درجات کی بلندی میں اضافہ کے لیے جبکہ یہ صورت نہ نقص ہے اور نہ ہی عذاب، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "کہ لوگوں میں سخت آزمائش کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام ہیں پھر ان کے بعد سب سے افضل اور پھر ان کے بعد سب سے افضل لوگ۔"

2۔ کہ عام مخلوق موت کی سختی پر مطلع ہو جائے۔ بسا اوقات لوگ کسی محتضر (جو نزع کی حالت میں ہو) کو دیکھتے ہیں کہ بظاہر نہ وہ کوئی حرکت کرتا ہے اور نہ کسی سختی کا اظہار بلکہ اس کی روح نہایت سکون سے نکلتی ہے۔ تو وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا معاملہ آسان رہا حالانکہ وہ جو کچھ میت کے ساتھ ہوتا ہے نہیں جانتا ہوتا۔ تو جب انبیاء علیہم السلام کی ہستیوں پر موت کی سختی کا ذکر ہوا ہے باوجودیکہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز و مقرب بندے ہیں تو عام امتی کا کیا حال ہے؟

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو اس حال میں کہ آپ ﷺ میرے ساتھ سہارا لیے ہوئے تھے یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَ ارْحَمْنِي وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى» ''الٰہی! مجھے معاف فرما۔ اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے اعلیٰ رفاقت کی حامل ہستی سے ملا دے۔''①

اور مریض کثرت سے قرآن کی تلاوت اور دیگر ذکر اذکار کرے۔ اور مظاہرہ کرنے سے بچے کہ پہلا عمل اس کے لیے پسندیدہ ہے جبکہ دوسرا ناپسندیدہ۔

اسی طرح بری باتوں، گالی گلوچ اور دنیوی معاملات میں الجھنے اور جھگڑنے سے اجتناب کرے۔ بلکہ اس کے لیے دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا مستحب ہے۔ اور ذہن میں یہ بات رکھے کہ دنیا میں (شاید) یہ اس کی زندگی کے آخری لمحات ہیں جن کا خاتمہ بھلائی پر کرنے کی وہ پوری کوشش کرے۔ اپنے اہلِ خانہ کے حقوق خاص طور پر ان پر ظلم و زیادتی کا بدلہ دینے اور ان سے امانت یا ادھار کے طور لی گئی چیزوں کو ادا کرے۔ اور اپنی بیوی، اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے پڑوسی، اپنے دوست احباب اور ہر وہ شخص کہ جس کے اور اس کے مابین زندگی کے کسی حصے میں رفاقت یا کوئی اور لین دین کا معاملہ رہا ہو ان سب کا (پوری دیانتداری سے) حساب بے باق کرے اور اسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں (ان کے دادا کی عدم موجودگی میں) اپنے ورثاء میں سے کسی با اعتماد شخص کو (ان کے بھلائی پر کاربند رہنے کی) وصیت کر جائے اور خاص طور پر بیماری کی وجہ سے جن قرضوں وغیرہ کی ادائیگی کا وہ متحمل نہیں ہوسکا اس سلسلے میں وہ ضرور وصیت کرے۔

---

⇐ ⇐ ہاں اس عموم سے وہ شہید مستثنیٰ ہے جو میدان جہاد میں کفار کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ اس لیے کہ صحیح احادیث میں آنحضور ﷺ سے اس بارے میں ثابت ہے۔ دیکھیے: «الفتوحات الربانية» لابن علان: 4/96.

① صحيح البخاري، حديث: 4440، صحيح مسلم، حديث: 2444، المؤطا: 1/238،239، جامع الترمذي، حديث: 3490، مسند أحمد: 6/89.

مزید برآں (ایسے نازک حالات میں) اس کا اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہونا چاہیے کہ وہ "رحمن و رحیم" ذات اس پر رحم کرے گی۔ اور ساتھ ساتھ اپنے ذہن میں یہ بات سمائے رکھے کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سے ایک ادنیٰ انسان ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ (اپنی کامل کبریائی و عظمت کے ساتھ) اس کو عذاب دینے اور اس کی فرمانبرداری سے بے پروا ہے۔ اور وہ اس کا (عاجز) بندہ ہے۔ لہٰذا وہ معافی، درگزر اور احسان کا صرف اسی سے طلبگار ہے۔ نیز اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے دل میں (جہاں تک ہو سکے) قرآن عزیز کی وہ آیات مبارکہ پڑھتا رہے جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و معافی اور اچھی امید کا ذکر ہوا ہے۔ اگر ہو سکے تو وہ آہستگی سے خود ان آیات کی تلاوت کرے، وگرنہ پاس بیٹھا ہوا شخص تلاوت کرے اور وہ اس کو سنے۔ اور اسی طرح مریض جس کی موت کا وقت حاضر ہو کو چاہیے کہ وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے کسی بھی شخص سے اچھی امید پر مشتمل احادیث، نیکوکار لوگوں کی حکایات اور ان کے حالات و واقعات پڑھوائے تاکہ وہ خیر و برکت میں زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے اور پانچ اوقات کی فرض نمازوں کا خصوصی طور پر اہتمام کرے اور ہر قسم کی گندگی وغیرہ سے مکمل اجتناب اور دین کے دیگر وظائف کے التزام (کی کوشش) کرے۔ نیز بیماری کی اس تکلیف پر صبر سے کام لے اور عبادات کے سلسلے میں کسی بھی تساہل سے بچے۔ اور ایسے حالات میں سب سے بری بات یہ ہے کہ وہ (مذکورہ بالا امور کی طرف توجہ دینے کے بجائے) خالص دنیوی معاملات میں منہمک رہ کر ایسے مواقع ضائع کر دے اور اس کا مطمح نظر صرف اور صرف دنیا ہو جو کہ آخرت کی کھیتی ہے۔ اور اسے چاہیے کہ وہ کسی بھی صورت میں ایسے خودغرض شخص کی بات کی طرف دھیان نہ دے جو اس کے مذکورہ بالا امور کی انجام دہی میں رکاوٹ بنتا ہو۔ اور اگر کوئی شخص ان باتوں میں کسی بھی چیز کے بارے امتحان میں ڈال دیا گیا تو وہ ایسا جاہل دوست ہے جو کہ اس کے ساتھ پوشیدہ دشمنی کا کھیل کھیل رہا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کی کسی بھی بات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھے اور خود اپنی زندگی کے خاتمے سے پہلے پہلے اپنے ذمے تمام واجب الاداء معاملات کو نمٹا لے۔

اور ایسے مریض کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنی بیماری اور اس کے نتیجے میں آئندہ آنے والے خدشات کے بارے میں اپنے گھر والوں اور تعلق داروں کو ثابت قدمی کی وصیت کرے اور اس بڑی مصیبت (یعنی موت) پر صبر کرنے اور خاص طور پر رونے اور واویلا وغیرہ سے بچنے کی تلقین کرے اور انھیں یہ وعظ و نصیحت کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ» ''کہ میت کو اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔''①

لہٰذا (وہ انھیں بات کہے) اے میرے ہمدرد عزیزو! ایسے اعمال سے بچنا جو میرے لیے موجب عذاب بن جائیں اور (سنت کے مطابق) اپنے پیچھے چھوڑ کر جانے والے لوگوں جیسے بچے، غلام اور لونڈی وغیرہ کے حق میں نرمی اور شفقت کی وصیت کرے اور مزید برآں اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں اپنے دوست احباب کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنے کی اپنے پسماندگان کو وصیت کرے۔ ''کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ سے محبت و میلان رکھنے والے، اس کے دوست و احباب سے صلہ رحمی رکھے۔''②

اور اللہ کے رسول ﷺ سے صحیح روایات میں یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں سے ہمیشہ عزت و احترام سے پیش آیا کرتے تھے۔③

اور اس مریض پر یہ بھی لازم ہے کہ موت کے بعد تجہیز و تکفین اور جنازے کی نماز میں جو بدعات و رسومات عام ہو چکی ہیں ان کے بارے میں سختی سے اجتناب کی تاکید کرے اور

---

① صحیح مسلم، حدیث: 927، امام نووی رحمہ اللہ کتاب ''ریاض الصالحین'' ص: 293، پر رقم طراز ہیں ''اور جہاں تک میت پر رونے کا تعلق ہے تو اس کی ممانعت میں بہت ساری احادیث رسول ﷺ وارد ہوئی ہیں۔ اور میت اپنے اہل خانہ کے رونے پر عذاب دی جاتی ہے۔'' تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جو اس بارے میں وصیت کر جائے اور یہاں اس قسم کے رونے سے روکا گیا ہے۔ جس میں جاہلیت کی پکاریں یعنی نوحہ اور واویلا وغیرہ ہو (جبکہ آنکھ کے رونے اور محض دل کے غمگین ہونے پر یہ وعید نہیں ہے۔ مترجم)

② صحیح مسلم، حدیث: 2552، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

③ صحیح البخاري، حدیث: 3816، صحیح مسلم، حدیث 2437،2435.

اس کے برعکس انھیں اپنے حق میں کثرت سے مسنون دعائیں ہمیشہ کے لیے کرتے رہنے کی وصیت کرے اور اس کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی توجہ اس بات کی طرف وقتاً فوقتاً مبذول کراتا رہے کہ ''اس بیماری کے دوران (نقاہت یا تکلیف کی شدت کی بناء پر) اگر مجھ سے کسی قسم کی کوئی غلطی یا تقصیر سرزد ہو جائے یا کسی عبادت کی ادائیگی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اس پر فوراً مجھے انتہائی نرمی سے متنبہ کرو اور مجھے اس کمی کے ازالے کی نصیحت بھی کرو۔ اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے انسان غفلت و سستی اور کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ تو اگر میں کسی چیز کی انجام دہی میں کمی کا ارتکاب کروں تو مجھے فوراً ہوشیار کر دو اور اس لمبے آخرت کی طرف سفر کے سامان کی تیاری میں میرے بہتر معاون بنو۔

اور اس موضوع پر اتنی کثرت کے ساتھ معروف و مشہور دلائل موجود ہیں جن سے کئی دفتر (کاپیاں) بھر سکتی ہیں مگر میں نے یہاں اختصار کی بناء پر انھیں ذکر نہیں کیا۔ ایک بات جس کا مریض کو خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے وہ یہ کہ حالتِ نزع میں وہ کثرت سے کلمۂ توحید کا اقرار کرے تاکہ اس کی زندگی کا آخری کلمہ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» ہو۔

سنن اَبی داود وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مشہور حدیث ملی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص زندگی کے آخری لمحات میں کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا (صدق دل سے) اقرار کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1] امام حاکم رحمہ اللہ ابو عبداللہ نے اپنی کتاب ''اَلْمُسْتَدْرَكُ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ'' میں کہا ہے: ''اس حدیث کی اِسناد صحیح ہے۔''

اور صحیح مسلم، سنن اَبی داود، جامع الترمذی، سنن النسائی اور ان کے علاوہ دیگر کتبِ سُنن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے قریب المرگ مریضوں کو «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» (پڑھنے)

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 3116، المستدرك امام حاكم رحمہ اللہ: 1/351 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس تصحیح کی موافقت کی ہے۔

کی تلقین کیا کرو۔"①

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" اور یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً ہمیں ملی ہے۔

اہل علم رحمہم اللہ کہتے ہیں: "اگر مریض خود کلمۂ شہادت نہ کہے تو جو اس کے پاس حاضر ہو وہ اسے انتہائی نرم لہجہ میں پڑھنے کی تلقین کرے کہ مبادا وہ (مرض کی تکلیف یا نزع کی شدت کے باعث) اسے کہنے سے انکار کر دے اور اگر وہ اسے ایک مرتبہ کہہ دے تو پھر اسے بار بار کہنے کی تلقین نہ کرے۔ ہاں اگر وہ کسی اور گفتگو میں مصروف ہو جائے تو تب اس کے بعد (یعنی وقفہ کر کے) اسے کلمۂ شہادت کی طرف توجہ دلائی جائے۔

ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے: "کہ مستحب یہ ہے کہ تلقین کرنے والا شخص متّہم وارث * نہیں ہونا چاہیے تاکہ میّت (مرنے والا شخص) اس سے تنگی محسوس نہ کرے اور نہ اس کے بارے میں (جاتے ہوئے) کوئی ناگوار بات کر گزرے۔"

اور یہ بات بھی جان لیجیے کہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ میں سے بعض لوگوں کا کہنا ہے: "کہ محتضر (یعنی مرنے والے شخص) کو «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» کی تلقین کرنی چاہیے۔ جبکہ جمہور اہل علم رحمہم اللہ نے صرف «لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ» پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ اور میں نے اس مسئلہ میں "شرح المھذب" سے "کتاب الجنائز" میں تفصیل سے گفتگو رقم کی ہے اور اہل علم کے اقوال، دلائل کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

## باب، میّت کی آنکھیں بند کرنے کے بعد کیا کچھ کہنا چاہیے؟

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کا اصل نام ہند ہے' سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس

① صحيح مسلم، حديث: 917،916، سنن أبي داود، حديث: 3117، سنن الترمذي، حديث: 976 اور سنن النسائی: 4/5۔

* یہاں "متّہم وارث" سے مراد غالباً وہ شخص ہے جو بظاہر دنیوی کا مال و متاع میں حرص رکھتا دکھائی دے۔ (مترجم)

تشریف لائے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں بند کردیں اور پھر فرمایا: ”بے شک روح جب قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں اس کا پیچھا کرتی ہیں اس پر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے موجود افراد رونے چلانے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جانوں کے حق میں بھلائی کے الفاظ کے ساتھ دعا کرو۔“ اس لیے کہ (ایسے وقت میں) موجود فرشتے تمھاری طرف سے کہی جانے والی دعاؤں پر ”آمین“ کہتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ وَ ارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَ اخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغٰبِرِيْنَ ، وَ اغْفِرْ لَنَا وَ لَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَ افْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَ نَوِّرْ لَهُ فِيْهِ»

”الٰہی! ابوسلمہ کو معاف فرما دے اور ہدایت یافتگان ہستیوں میں اس کے درجات بلند فرما اور اس کے پسماندگان میں اس کا نیک جانشین مقرر فرما۔ اور اے تمام جہانوں کے پروردگار ہمیں اور اس کو بخش دے۔ اس کی قبر کو کشادہ کر دے اور اسے اس کے لیے روشن کر دے۔“ ①

اور ”سنن البیہقی“ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت بکر بن عبداللہ، جلیل القدر تابعی رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ جب تم میت کی آنکھیں بند کر چکو (اور اسے ہر طرح سے ڈھانپ چکو) تو کہو «بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ» کہ ”اللہ کے (بابرکت) نام کے ساتھ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر (قائم رہتے ہوئے)۔ اور جب تم اس کو (اپنے کندھوں پر) اٹھاؤ تو کہو «بِسْمِ اللّٰهِ» پھر جب تک تم اس کو اٹھائے رکھو تو تسبیح یعنی اللہ کی پاکیزگی کے کلمات (سُبْحَانَ اللّٰهِ وغیرہ) کہتے رہو۔ ②

① صحيح مسلم، حديث: 920، سنن أبي داود، حديث 3118,3115، جامع الترمذي، حديث: 977 اور سنن النسائي: 4/5,4.

② السنن الكبرىٰ للامام البيهقي: 3/385، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث بکر بن عبداللہ پر موقوف ہے۔ نیز اسے امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اور امام البیہقی رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/117.




## باب، میت کے پاس کیا کچھ کہنا چاہیے؟

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم بیمار شخص یا میت کے پاس آؤ تو اچھے کلمات کا ذکر کرو، بے شک فرشتے (ایسے وقت میں) جو کچھ تم کہتے ہو اس پر ''آمین'' کہتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے ہیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعاء پڑھو:

«اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَ لَه، وَ اَعْقِبْنِيْ مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً»

''الٰہی! مجھے اور اس (ابوسلمہ رضی اللہ عنہ) کو معاف فرما دے اور مجھے ان کی جگہ ان کا اچھا جانشین عطاء فرما۔''

میں کہتی ہوں: ''(کہ اس دعائے خیر کے نتیجہ میں) اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی جگہ ان سے بہتر ہستی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عطاء فرما دیے۔ (اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آ گئی)۔''[1]

(امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں) میں کہتا ہوں: ''اسی طرح ہی صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں ذکر ہوا ہے یعنی ''جب تم کسی بیمار آدمی یا میّت کے پاس آؤ'' یہاں راوی کو شک ہوا ہے اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں ''میت'' کا لفظ بغیر شک کے ذکر ہوا ہے۔

اور سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اپنے فوت شدگان پر سورہ یٰس پڑھا کرو۔''[2]

---

① صحيح مسلم، حديث: 919، جامع الترمذی، حديث: 977، سنن أبی داؤد، حديث:3115۔

② سنن أبی داؤد، حديث:3121، سنن ابن ماجه، حديث:1448 اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن القطان رحمہ اللہ نے اسے مضطرب قرار دیتے ہوئے کمزور کہا ہے۔ دیکھیے: التلخيص الحبير:104/2، ضعيف الجامع الصغير:330/1۔

میں کہتا ہوں ''اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کہ اس میں دو راوی مجہول ہیں لیکن اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ضعیف قرار نہیں دیا۔ اور ابن أبي داؤد مجالد رحمہ اللہ سے اور وہ امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شعبی رحمہ اللہ نے کہا: ''انصار (مدینہ) جب کسی میت کے پاس حاضر ہوتے تو سورۃ البقرہ کی تلاوت کرتے تھے اور اس حدیث کی سند میں ''مجالد'' نامی راوی ضعیف ہے۔''

## باب، جس شخص کا کوئی قریبی فوت ہو جائے اسے کیا کہنا چاہیے؟

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے'' کہ جو شخص بھی کوئی مصیبت نازل ہونے پر یہ دعائیہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت کے بدلے (بہتر) اجر سے نوازتا ہے اور اس (چھن جانے والی چیز) سے بہتر چیز عطاء فرماتا ہے۔ «اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ أَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا» ترجمہ: ''بے شک ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! میری اس مصیبت پر مجھے اجر سے نواز اور اس (چھن جانے والی چیز) سے بہتر چیز مجھے عطاء فرما۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یہ دعاء پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے نعم البدل مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیے۔''[1]

اور سنن أبي داؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ یہ دعائیہ کلمات کہے:

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 918، سنن أبي داود، حدیث: 3115 اور اسے امام احمد رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام نسائی نے ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' میں حدیث: 1069۔

«إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي فَأْجُرْنِي فِيهَا وَأَبْدِلْنِي بِهَا خَيْرًا مِنْهَا»

''بے شک ہم (سب) اللہ کی ملکیت ہیں اور اسی طرف لوٹنے والے ہیں، الٰہی! میں اپنے پر آنے والی مصیبت کے بدلے آپ کی رحمت کے ہاں ثواب کا امیدوار ہوں۔ تو مجھے اس کے بدلے اجر و ثواب سے نواز اور اس (کھوئی جانے والی چیز کی جگہ) بہتر نعمت عطاء فرما۔''①

اور جامع الترمذی اور دیگر کتبِ سنن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب بندۂ (مؤمن) کا بچہ فوت ہو جاتا ہے، تب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: ''تم نے میرے بندے کے بچے کی روح کو قبض کر لیا ہے''؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں: 'ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''کہ تم نے اس کے جگر گوشے کو اچک لیا ہے۔'' تو فرشتے کہتے ہیں: ''ہاں''۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس پر میرے بندے نے کیا کہا: تو فرشتے جواب میں کہتے ہیں: اس نے آپ کی تعریف بیان کی اور استرجاع «إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ» پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر (محل) بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' یعنی تعریف کا گھر رکھو۔''② امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

اور اسی مفہوم کی ایک حدیث ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میرے بندۂ مؤمن کے لیے میرے پاس جنت کے علاوہ اور کوئی بدلہ نہیں کہ جب میں اہل دنیا میں سے اس کا

---

① سنن أبي داود، حدیث: 3119، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوداؤد رحمہ اللہ، امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی حدیث: 1070 اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے دوسرے متعدد طرق سے......

② جامع الترمذی، حدیث: 1021۔ نیز یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

مخلص ترین (دینی ساتھی) اٹھا لیتا ہوں پھر وہ (اس سانحہ پر صبر کرتے ہوئے) ثواب کا امیدوار ہوتا ہے۔“①

## باب، جب کسی شخص کو اپنے (دینی) ساتھی کی وفات کی خبر ملے تو وہ کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہ موت ایک بڑا صدمہ ہے۔ تو جب تم میں سے کسی شخص کو اپنے بھائی کی وفات کی خبر پہنچے تو وہ یہ کلمات کہے:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَ إِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ) اَللّٰهُمَّ اكْتُبْهُ عِنْدَكَ فِي الْمُحْسِنِيْنَ وَاجْعَلْ كِتَابَهُ فِي عِلِّيِّيْنَ، وَاخْلُفْهُ فِي أَهْلِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَ لَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ»

”بے شک ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اور بے شک ہم سب اپنے پروردگار کی جانب لوٹائے جانے والے ہیں۔ الٰہی! اس کو اپنے جوارِ رحمت میں نیکوکار لوگوں میں لکھ لے۔ اور اس کے نامۂ اعمال کو علیین (جنت کے بلند مقام) میں رکھ دے اور اس کے پسماندگان میں اس کا (اچھا) جانشین مقرر کر دے اور ہمیں اس (کی جدائی کے صدمے) کے اجر سے محروم نہ رکھیو اور نہ اس کے جانے کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں ڈالیو۔“②

---

① صحيح البخاري، حديث: 6424.

② ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 566، اس حدیث کی تخریج کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث غریب ہے۔ اسے امام ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور اس کی سند میں قیس بن الربیع راوی ہے اور یہ سچا ہے۔ مگر آخری وقت میں اس کی حالت بدل گئی تھی اور متمیز نہ رہا، لہٰذا جس حدیث کے بیان میں یہ منفرد ہو (یعنی اکیلے نے روایت کی) تو وہ ضعیف ہوگی۔ دیکھیے: الفتوحات: 124/4.




## باب، جب کسی شخص کو "دشمنِ اسلام" کی موت کی خبر پہنچے تو وہ کیا پڑھے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کو ہلاک کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سن کر) فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ اَعَزَّ دِیْنَهٗ»

"کہ تمام تعریفات اس اللہ جل شانہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اپنے دین کو عزت وشرف سے نوازا۔"[1]

## باب، میت پر نوحہ کرنے اور جاہلیت جیسی پکار اور واویلا کرنے کی حرمت کے بارے میں

علمائے امت کا اس بات پر اجماع (اتفاق) ہے (کہ میّت پر اور) کسی مصیبت کے نازل ہونے پر نوحہ، دورِ جاہلیت کی پکاریں اور ہلاکت وتباہی کے الفاظ ادا کرنا حرام ہے۔"

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو اپنے چہرے (اور رخساروں) کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی سی پکاریں پکارے تو وہ ہم میں سے نہیں۔"[2]

---

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 567، علی بن المدینی رحمہ اللہ کے واسطے سے وہ امیہ بن خالد رحمہ اللہ، وہ شعبہ رحمہ اللہ سے، وہ ابواسحاق رحمہ اللہ سے، وہ ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس سند کے راوی "صحیح" کے راوی ہیں۔ مگر حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود نے اپنے والد سے نہیں سنا۔ نیز امام نسائی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو انھی واسطوں سے نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 125/4.

② صحيح البخاري، حديث: 1294، صحيح مسلم، حديث: 103، جامع الترمذي، حديث: 999، سنن النسائي: 20/4.

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں بلند آواز سے نوحہ کرنے والی، مصیبت آنے پر سر منڈانے والی اور مصیبت کے وقت گریبان پھاڑنے والی سے بری الذمہ ہوں۔''①

میں کہتا ہوں۔ ''کہ یہ سب اعمال اہلِ علم کے اتفاق کے ساتھ حرام ہیں'' اور اسی طرح ایسے مواقع پر مرثیہ خوانی، رخسار پیٹنا، چہرے کو بگاڑنا (یعنی ماتم وغیرہ کرنا) اور ہلاکت کی پکاریں بلند کرنا سب اعمال حرام ہیں۔

اور صحیحین میں ہی حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم نوحہ (واویلا و ماتم وغیرہ) نہیں کریں گے۔''②

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ دو خصلتیں لوگوں میں ایسی ہیں جو انھیں ''کفر'' کے قریب لے جاتی ہیں۔ ایک کسی کے حسب نسب میں طعن کرنا اور دوسری میت پر نوحہ کرنا (یعنی رونا پیٹنا)۔③

اور سنن أبی داؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور (بین و واویلا) سننے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔④

---

① صحيح البخاري، حديث: 1296، صحيح مسلم، حديث: 104، سنن أبي داؤد، حديث:3130، سنن النسائي:20/4.

② صحيح البخاري، حديث:1306، صحيح مسلم، حديث: 936، سنن أبي داؤد، حديث:3127، سنن النسائي:جلد:7ص:149,148.

③ صحيح مسلم، حديث: 67، جامع الترمذي، حديث:1001.

④ سنن أبي داود، حديث:3128 اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور یہ بات جان لیجیے کہ ''نوحہ'' سے مراد، میت کے خصائص و محاسن اونچی آواز سے بیان کرنے کے ہیں نیز اس سے مراد میت کے محاسن و صفات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آہ و بکا کرنا بھی لیا گیا ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''روتے وقت اونچی آواز نکالنا اور مبالغہ آمیزی کرنا حرام ہے۔ اور اگر مذکورہ بالا (نوحہ وغیرہ کے) انداز سے ہٹ کر میت کے غم میں (ہلکے پھلکے انداز سے) رویا جائے تو یہ طریقہ حرام نہیں۔'' (واللہ اعلم)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ تو (اس موقع پر) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رونا شروع کر دیا۔ جب قوم کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا آپ نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ (کسی کی جدائی اور غم میں) آنکھ سے بہنے والے آنسو اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتے لیکن (جسم کے) اس عضو کے سبب عذاب دیتے ہیں یا رحم فرماتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کیا۔''[1]

اور صحیحین میں ہی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسا اس حال میں لایا گیا کہ وہ موت کی کیفیت سے دو چار تھا۔ (تو یہ منظر دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (شدت غم سے) آنکھیں بہہ پڑیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اس رحمت کی علامت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے رحم دل بندوں پر رحم فرماتا ہے۔''[2]

① صحيح البخاري، حديث:1304، صحيح مسلم، حديث: 924.

② صحيح البخاري، حديث: 1284، صحيح مسلم، حديث: 923، سنن النسائي، حديث: 4 ص: 22.

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے لخت جگر (بچے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے جب وہ اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر چکے تھے، (اس سانحہ پر) اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھیں بہنا شروع ہو گئیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ سے کہا: ''اور آپ ﷺ اے اللہ کے رسول ﷺ (روتے ہیں)؟'' تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اے عوف کے بیٹے یہ رحمت (کی علامت) ہے۔'' پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری بات یہ فرمائی: ''بے شک آنکھ (بچے کی جدائی کے غم میں) بہتی ہے اور دل غمگین ہے اور ہم ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی نہ ہو اور اے (میرے بچے) ابراہیم! بے شک ہم تیری جدائی سے ازحد غمگین ہیں۔''[1]

اور اس موضوع پر اسی مفہوم کی کافی تعداد میں احادیث موجود ہیں، جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اور جہاں تک ان صحیح احادیث کا تعلق ہے کہ میت اپنے پر گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دی جاتی ہے تو ایسی احادیث کا اپنے ظاہری مفہوم پر اطلاق نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کا مفہوم متعین کرنے کے لیے تاویل کی جائے گی۔ اور اہل علم کے ان کی تاویل میں کئی مختلف اقوال ہیں جن میں سب سے زیادہ ظاہری مفہوم کے قریب ..... اور اللہ بہتر جانتا ہے ..... یہ قول ہے کہ: ''اہل خانہ کے رونے کے سبب اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے، جس نے یا تو خود انھیں اس کی وصیت کی ہو اور یا پھر اس کے علاوہ کوئی سبب ہو (جیسے کہ میت یہ دل سے چاہتی تھی کہ مرنے کے بعد اس پر نوحہ اور بین کیے جائیں) اور میں نے اس موضوع سے متعلق زیادہ تر معلومات ''شرح المہذب'' کی کتاب الجنائز میں جمع کر دی ہیں۔ اور اصل حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 1303، صحیح مسلم اور بعض نے اس کا نمبر 2315، بیان کر کے اسے روایت کیا ہے، سنن أبي داود، حدیث: 3126 اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہے اور آپ ان کی وفات کے موقع پر ان کی دایہ (انا) یعنی ابو سیف القین کے گھر تشریف لائے تھے۔

ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ آدمی کی موت سے پہلے اور بعد میں رونا جائز ہے۔* مگر زیادہ صحیح موت سے قبل رونا ہے۔ اس صحیح حدیث کی بنا پر کہ جب وہ شخص داغ مفارقت دے جائے تو پھر کوئی رونے والی نہ روئے۔ ①

اور امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر شافعی علماء نے اس بات پر ''نص'' قائم کی ہے کہ آدمی کی موت کے بعد رونا حرام نہیں بلکہ یہ کراہتِ تنزیہہ (یعنی ناپسندیدہ عمل) کے زمرے میں آتا ہے تو انھوں نے اس مذکورہ بالا حدیث (...... کہ پھر کوئی رونے والی نہ روئے) کی تاویل کراہت کے مفہوم میں کی ہے۔

## باب، تعزیت کرنے کے بارے میں

جامع الترمذی اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی ''سنن کبریٰ'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کا اجر مصیبت پانے والے شخص جتنا ہوگا (بشرطیکہ اس مصیبت زدہ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہوگا'') ② اور اس حدیث کی اِسناد ضعیف ہے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی ہی کتاب میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اس عورت کی تعزیت کی، جس کا بچہ فوت (یا گم) ہو گیا ہو تو وہ (اس کے بدلے) جنت میں پوشاک پہنایا جائے گا۔''

---

* اس رونے سے مراد وہ رونا ہے جس کا مفہوم یہاں صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے یعنی آنکھیں بہنا اور دل کا غمگین ہونا۔ (مترجم)

① سنن أبی داؤد، حدیث:3111، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' اور اسے امام ابوداود رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 135/4.

② جامع الترمذی، حدیث:1073، امام بیہقی رحمہ اللہ کی سنن کبریٰ: 59/4 اور اس حدیث کی سند۔ علی بن عاصم راوی کی موجودگی کی بناء پر ضعیف ہے اور یہ شخص اتہام زدہ ہے۔ دیکھیے: الفتوحات:4/ 137.

امام ترمذی کہتے ہیں: ''کہ اس حدیث کی اسناد قوی (مضبوط) نہیں۔''[1]

اور سنن أبي داود اور سنن النسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ہمیں ملی ہے جس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی بیٹی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے فاطمہ! تجھے تیرے گھر سے کس نے نکالا''؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''کہ میں (تعزیت کے لیے) اس میت کے گھر والوں کے پاس آئی تھی۔ تو میں نے ان کو مرنے والے کے غم کے سلسلے میں دلاسہ دیا ہے۔ یا انھوں نے فرمایا: '' میں نے ان کے پاس جا کر اس میت کے بارے میں تعزیت کی ہے۔''[2]

اور سنن ابن ماجہ اور سنن بیہقی میں ''حسن اسناد'' کے ساتھ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' جو بندۂ مؤمن اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی مصیبت نازل ہونے پر تعزیت کرتا ہے تو اللہ عزوجل (اس کے بدلے) قیامت کے روز اسے (جنت میں) عزت واحترام کی پوشاک پہنائیں گے۔[3]

اور یہ بات جان رکھئے کہ ''تعزیت'' میت کے گھر والوں یا گھر کے سربراہ کو صبر وتحمل کی تلقین کرنا اور ایسے الفاظ سے تسلی دینا ہے جو اس کے غم کو ہلکا اور نازل ہونے والی مصیبت کو کم کردے اور تعزیت شریعت طاہرہ میں مستحب یعنی مسنون اور پسندیدہ عمل ہے۔ اور یہ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی داخل ہے ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾ اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو۔ اور یہ سب سے عمدہ اور مناسب آیتِ کریمہ ہے جس سے تعزیت کے حق میں دلیل لی جاسکتی ہے۔

---

① جامع الترمذي، حدیث:1076، اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔ دیکھیے: ضعيف الجامع الصغير: 219/5.

② سنن أبي داود، حدیث:3123، سنن النسائي:27/4، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے'' جسے امام احمد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات:139/4.

③ سنن ابن ماجه، حدیث:1601، سنن البيهقي: 59/4 اور اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔





نیز صحیح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے: ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد ونصرت میں رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کا مددگار رہتا ہے۔①

اور یہ بات بھی جان لیجیے کہ تعزیت کا عمل میت کی تدفین سے پہلے اور بعد میں بھی مستحب ہے۔ ہمارے ائمہ ﷭ کا کہنا ہے: ''کہ تعزیت کا وقت آدمی کے فوت ہوجانے سے لے کر دفن ہونے کے تین دن بعد تک رہتا ہے۔ اور تین دن کا یہ عرصہ ایک عام انداز ے کے طور پر ہے، نہ کہ تحدید (متعین تین دن) کے طور پر اور اسی طرح ہی ہمارے آئمہ کرام ﷭ میں سے شیخ ابومحمد الجوینی ﷫! نے کہا ہے۔

نیز ہمارے ائمہ کرام ﷭ کا یہ کہنا ہے'' کہ تین دن بعد تعزیت کرنا مکروہ (ناپسندیدہ عمل) ہے۔ اس لیے کہ تعزیت کسی مصیبت زدہ شخص کے دل کی تسکین کے لیے کی جاتی ہے اور غالب احوال میں تین دن کے بعد تو اس کے دل کو ویسے ہی سکون حاصل ہو جاتا ہے تو اب تعزیت سے صرف اس کے غم کو نئے سرے سے تازہ کرنا ہوگا تو وہ ایسا نہ کرے اور یہی قول ہمارے ائمہ میں سے اکثر اہل علم ﷭ کا ہے۔

اور ہمارے ائمہ کرام ﷭ میں سے ابوالعباس بن القاص ﷫ کہتے ہیں: ''تین دن بعد بھی تعزیت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ تعزیت کرنے کا جواز ہمیشہ رہتا ہے۔ خواہ آدمی کو فوت ہوئے ایک لمبا زمانہ بیت چکا ہو اور یہی بات امام الحرمین (الجوینی ﷫) نے بھی ہمارے بعض ائمہ ﷭ سے حکایت کی ہے اور اس سلسلے میں محتاط (یعنی بہتر اور پسندیدہ) قول یہی ہے کہ آدمی کے فوت ہوجانے کے تین دن کے بعد تعزیت نہ کرے سوائے دو صورتوں کے جنھیں ہمارے ائمہ کرام ﷭ میں سے ایک جماعت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ '' تعزیت کرنے والا یا جس شخص کو صدمہ پہنچا ہے ان میں سے کوئی ایک میت کی تدفین کے وقت پاس موجود نہ ہو اور اتفاق سے وہ اس سانحہ سے تین دن بعد واپس لوٹے (تو ایسی صورت میں جب بھی وہ واپس آئے، تعزیت کر لے)۔

① صحیح مسلم، حدیث: 2699.

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ یہ بھی کہتے ہیں: ''کہ میت کی تدفین کے بعد تعزیت کرنا، پہلے کی نسبت افضل ہے۔ اس لیے کہ پہلے میت کے اہل خانہ اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں اور اس لیے بھی کہ میت کی جدائی کا صدمہ اور غم اس کو دفن کر لینے کے بعد زیادہ بڑھ جاتا ہے اور ایسا کرنا تب مناسب ہے جب وہ ان سے تعزیت کرنے میں ان کے شدتِ غم میں اضافے کا سبب نہ بنے۔ اور اگر وہ کوئی ایسی مصلحت دیکھتا ہو تو ان کی تسکین کے لیے میّت کی تدفین سے پہلے بھی تعزیت کر سکتا ہے۔'' اور اللہ حقیقت حال سے خوب باخبر ہے۔''

[**فصل**]: اور مستحب (پسندیدہ عمل) یہ ہے کہ تعزیت متوفی کے تمام اہل خانہ اور قریبی رشتہ داروں میں سے ہر چھوٹے بڑے، مردوں اور عورتوں سے کی جائے۔ سوائے نوجوان عورت کے کہ اس سے صرف اس کا محرم ہی تعزیت کرے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''کہ (دورانِ تعزیت) بڑے صلحاء اور کمزور لوگوں کو صدمہ برداشت کرنے اور چھوٹے بچوں کو تسلی و تشفی کے الفاظ میں تعزیت کرنی چاہیے اور انھیں میت کے بعد اچھی عادات اپنانے کی تاکید کرنی چاہیے۔ (اور ایسی تعزیت کی تاکید بھی شریعت طاہرہ میں کی گئی ہے۔)

[**فصل**]: امام شافعی رحمہ اللہ اور ہمارے دیگر شافعی اہل علم رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''کہ تعزیت کے لیے جلوس کی شکل اختیار کرنا مکروہ (ناپسندیدہ فعل) ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہاں ''جلوس''[1] سے مراد میت کے گھر والوں کا ایک گھر مخصوص کر کے تعزیت کرنے والوں کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔ بلکہ انھیں چاہیے کہ وہ اپنے دنیوی معاملات اور ضروریات کے حصول میں مصروف رہیں اور میت کی تعزیت کے سلسلے میں ایک جگہ اکٹھے ہو کر بیٹھنے کے حکم میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بات کی المحاملی رحمہ اللہ نے بھی صراحت کی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں ''نص'' نقل کی ہے۔ اور ایسا کرنا (ثواب

---

[1] یہ طریقہ آج کل عام مسلمانوں میں رواج پا چکا ہے۔ خصوصاً اہل پاکستان و اہل ہند کے مسلمان بڑے اہتمام سے لوگوں کے انتظار میں بیٹھتے ہیں اور گھر یا گھر سے باہر کوئی جگہ مخصوص کر لیتے ہیں جسے عام پنجابی محاورے میں ''پھوڑی بیٹھنا'' کہتے ہیں۔ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ (مترجم)

کے بجائے) ناپسندیدہ عمل ہے۔ جب اس کے ساتھ کوئی اور ''بدعت'' شامل نہ ہو لیکن اگر اس عمل کے ساتھ کوئی اور ''بدعتی عمل'' ملا دیا جائے جیسا کہ عام حالات میں ایسے مواقع پر دیکھنے میں آتا ہے تو ان بدعات وخرافات کی موجودگی میں تعزیت کا یہ عمل باطل اور حرام ٹھہرے گا۔ اس لیے کہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ''بے شک دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''①

[فصل]: اور جہاں تک ''تعزیت'' کے الفاظ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی قید وتحدید نہیں لہٰذا جو نسے مناسب الفاظ سے بھی تعزیت کرے گا وہ تعزیت کا مقصود پالے گا۔ اور ہمارے شافعی ائمہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ مسلمان میت کی، مسلمان سے تعزیت کرتے وقت یہ الفاظ کہے: «أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ، وَ أَحْسَنَ عَزَآءَكَ، وَ غَفَرَ لِمَيِّتِكَ» ''کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس (صدمے برداشت کرنے پر) تجھے بہت بڑے اجر سے نوازے اور تیری قوتِ صبر وتحمل کو اچھا کرے (یعنی موجب نیکی بنادے) اور تیرے فوت ہونے والے عزیز کی بخشش فرمائے۔''

اور مسلمان سے کافر میت کی تعزیت کرتے وقت یہ الفاظ کہے: «أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكَ وَ أَحْسَنَ عَزَاءَكَ» کہ اللہ تعالیٰ (اس صدمے پر) تیرے اجر کو بڑھا دے اور تیرے صبر وتحمل کو اچھا کر دے۔''

اور کافر سے مسلمان میت کی ان الفاظ میں تعزیت کرے: «أَحْسَنَ اللّٰهُ عَزَآءَكَ وَ غَفَرَ لِمَيِّتِكَ» کہ اللہ تعالیٰ تیرے صبر کو اچھا کرے اور تیرے وفات پانے والے شخص کو بخش دے۔ اور کافر میت کی تعزیت اس کے رشتہ دار کافر سے ان الفاظ میں کرے: «أَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ» کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر ایسی چیز لوٹا دے جس طرح کی وہ تجھ سے لے گیا'' (یعنی

---

① صحیح مسلم، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث: 867.

نیز سنن نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: (وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ) کہ ہر گمراہی آتش جہنم میں داخلے کا موجب ہے۔ (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)۔ مترجم

اس کا نعم البدل عطا کرے)[1] اور تعزیت کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی (غالباً حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے اور اطلاع دینے کے لیے پیامبر بھیجا کہ اس کا بیٹا موت کی کیفیت سے دوچار ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام لانے والے سے فرمایا: ''ان کی طرف واپس جاؤ اور انھیں یہ خبر دے دو کہ «اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى ، وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى ، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ» بے شک جو چیز اللہ تعالیٰ نے اٹھا لی ہے وہ اسی کی تھی اور جو کچھ اس نے عطا کیا ہے وہ بھی (سب) اسی ذات کا ہے۔ اور ہر چیز کا اس ذات اقدس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے لہٰذا انھیں حکم دیجئے کہ وہ (اس صدمہ پر) صبر سے کام لے اور ثواب کا امیدوار بنے'' اور پھر پوری حدیث ذکر کی۔[2]

(امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں): میں کہتا ہوں: یہ حدیث اسلام کے بڑے قواعد میں سے ایک ہے جو کہ دین کے اصول و جزئیات، آداب اور عام مصائب و تکالیف پر صبر کرنے اور پیش آنے والے ہر قسم کے صدمات و امراض جیسے بے شمار امور پر مشتمل ہے۔ اور آنحضور کے اس فرمان: ''کہ بے شک جو چیز اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے وہ اسی کی ہے'' کا مفہوم یہ ہے: ''کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، لہٰذا جو چیز اس ذات اقدس نے لی ہے، وہ تمھاری نہیں بلکہ وہ اسی کی تھی جو کہ اس نے (اپنی خاص رحمت سے ایک مقررہ وقت تک کے لیے) عاریتاً تمھارے پاس رکھی تھی۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے نکالا ہے کہ یہ دونوں ان الفاظ میں تعزیت کیا کرتے تھے: «أَعْقَبَكَ مِنْهُ عُقْبَى صَالِحَةً كَمَا أَعْقَبَ عِبَادَهُ الصَّالِحِينَ» ''کہ اللہ تجھ کو اس کا نعم البدل دے جس طرح وہ اپنے نیکوکار بندوں کو نعم البدل دیتا ہے۔'' اس حدیث کی سند حسن ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/143.

[2] صحيح البخاري، حديث: 1284، صحيح مسلم، حديث: 923۔ اور یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

فرمان: ''اور جو کچھ اس نے عطا کیا ہے وہ بھی اسی کا ہے'' کا مفہوم یہ ہے: کہ جو کچھ اس حقیقی منعم نے تم کو عطا کیا ہے وہ سب کچھ بھی اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہے بلکہ وہ اسی پاک ذات کا ہے۔ وہ اس میں جو چاہے (تصرُّف) کرتا ہے اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت متعین ہے۔ پس تم اس کے چھن جانے پر رنج وملال نہ کرو۔ اس لیے کہ جو کچھ اس نے واپس لیا ہے، حقیقت میں اس کا مقرر وقت ختم ہو چکا تھا۔ تو ایسی چیز کا اس ذاتِ اقدس کے ہاں اپنے مقررہ وقت سے مقدم ومؤخر ہوجانا محال ہے تو جب تم نے یہ سب کچھ جان لیا ہے تو جو بھی مصیبت تم پر ٹوٹی ہے اس پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرو اور (اپنے اللہ سے) ثواب کے امیدوار رہو۔'' (واللہ اعلم)

اور سنن النسائی میں حسن الإسناد کے ساتھ حضرت معاویہ بن قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی کو گم پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول اس شخص کا چھوٹا بچہ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا وفات پا گیا ہے۔'' اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے (تعزیت کے لیے) ملے۔ اور اس کے چھوٹے بچے کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ وفات پا چکا ہے۔ (یہ سن کر) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلی وتشفی دیتے ہوئے فرمایا: ''اے فلاں، ان میں سے کون سی بات تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کہ (وہ زندہ رہتا اور) تو اپنی باقی ماندہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاتا یا پھر کل (روزِ قیامت) تو جنت کے دروازوں میں سے کسی ایک دروازے پر آئے تو (اپنی) اس (امانت) کو اپنے سے پہلے وہاں پہنچا ہوا پائے کہ وہ تیرے لیے جنت کا دروازہ کھولے (اور وہاں تیرا استقبال کرے)۔ اس پر اس (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا: ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ بات میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ (میرا چھوٹا بچہ) جنت میں جانے میں مجھ سے سبقت لے جائے اور وہاں جنت کے دروازے کو میرے لیے خود کھولے۔'' تب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر یہی اجر تیرے

لیے ہے۔"[1]

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی اسناد کے ساتھ "مناقب الشافعی رحمہ اللہ" میں روایت کی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ خبر ملی کہ عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا وفات پا گیا ہے۔ جس پر عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے نہایت رنج وغم اور بے صبری کا مظاہرہ کیا ہے۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کی طرف یہ پیغام لکھ کر بھیجا۔"

"اے بھائی! اپنے آپ کو ان الفاظ کے ساتھ (یا اس طرح) تسلی دے جس طرح تیرے علاوہ دوسرا شخص تسلی پاتا ہے۔ اور اپنے آپ سے صادر ہونے والے اس فعل کو برا جان جسے تو کسی دوسرے شخص سے صادر ہونے پر برا سمجھتا ہے اور یہ بات جان لیکہ سب سے بڑی تکلیف سکون وراحت کا فقدان اور اجر وثواب سے محرومی ہے۔ تو جب یہ دونوں چیزیں گناہ کے بوجھ کی کمائی کے ساتھ اکٹھی ہو جائیں پھر کیا حال ہوگا؟ پس اے میرے بھائی، اپنے اجر وثواب کا حصہ پالے جبکہ وہ تیرے (بہت) قریب ہے اور اس سے پہلے کہ تو اسے حاصل کرے تجھ سے وہ دور چلا جائے گا۔ (میری دعا ہے کہ) اللہ تجھے مصائب پر صبر کی توفیق دے اور صبر کے بدلے ہمارے لیے اور آپ کے لیے بہتر اجر جمع فرمائے۔"

نیز ان کی طرف چند اشعار بھی لکھے: جن کا مفہوم یہ ہے:

"بے شک میں تجھ سے تعزیت کرتا ہوں، حالانکہ میں خود اپنے تئیں ہمیشہ کی زندگی کے بارے میں پر امید نہیں ہوں۔ اور لیکن ہمارے دین میں (چونکہ) یہ طریقہ مشروع ہے (لہٰذا میں اس کی جسارت کرتا ہوں) حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ نہ وہ شخص جس سے تعزیت کی جاتی ہے اپنے ساتھی کی موت کے بعد باقی رہے گا اور نہ خود تعزیت کرنے والا خواہ وہ ایک زمانہ تک (اس دنیا میں)

---

[1] سنن نسائی: 23:4، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے..... اور انھوں نے امام نووی رحمہ اللہ کے اس حدیث کی سند کو صرف "حسن" قرار دینے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ اسے امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے صحیح کہا ہے..... اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں اس کا "شاہد" بھی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 145:4.

زندگی گزار لے۔"①

اور ایک آدمی نے اپنے بھائی کے بیٹے کی وفات پر اسے ان الفاظ میں تعزیتی پیغام لکھا:

"اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد، (یہ بات جان لیجیے) کہ بے شک بیٹا اپنے باپ کے لیے جب تک وہ زندہ رہے (ہمہ وقت کے لیے) ایک فکر اور آزمائش کا سبب ہوتا ہے تو اگر وہ (باپ) اس کو آگے بھیج دے (یعنی بیٹا برضائے الٰہی فوت ہو جائے) تو وہ اس کے حق میں (روز قیامت) ایک نعمت و رحمت ہے (بشرطیکہ باپ اس صدمے پر صبر کرے) تو جو چیز تجھ سے، جو غم اور آزمائش کا موجب تھی چھن چکی ہے، اس پر بے صبری کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اس بچے کو اٹھا کر) اس کے عوض جو (آخرت میں) تیرے لیے اجر اور رحمت جمع کیے ہیں ان کو ضائع مت کرنا۔"

اور موسیٰ بن مہدی رحمہ اللہ نے ابراہیم بن سالم رحمہ اللہ کو اس کے بیٹے کی وفات پر ان الفاظ میں تعزیت نامہ لکھا: "کیا تجھے وہ چیز خوش رکھتی تھی جو (مسلسل) ایک کڑی آزمائش اور فتنہ تھی۔ اور وہ چیز تجھے غم زدہ کرتی ہے جو (آخرت میں سراسر) اُجر اور رحمت ہے۔"؟

ایک اور آدمی نے ایک آدمی کو تعزیت نامہ ان الفاظ میں لکھا:

"تجھ پر اللہ کا خوف اور صبر و تحمل سے وابستگی لازم ہے اور ایک ثواب کا امیدوار انھی چیزوں کے ذریعے (اجر و ثواب سے) بہرہ ور ہوتا ہے اور ایک بے صبری کا مظاہرہ کرنے والا (سہارے کے طور پر) انھی چیزوں کی طرف رُخ کرتا ہے۔

اسی طرح ایک اور آدمی نے، ایک آدمی سے تعزیت کرتے ہوئے کہا:

"یقیناً جو شخص تیرے لیے روزِ آخرت میں اجر و ثواب کا ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تیرے لیے (اس عارضی) دنیا میں سرور کا سبب تھا۔"

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ان کے بیٹے کو دفن کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ اس کی قبر کے پاس ہنسنے لگے۔ جب ان سے پوچھا گیا کیا آپ رضی اللہ عنہ اپنے بچے کی قبر

① امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب مناقب الشافعی رحمہ اللہ 2/ 91،90.

کے پاس پہنچتے ہیں تو انھوں نے کہا: ''میں چاہتا ہوں (کہ اس وقت) شیطان کو نامراد اور خاک آلود کروں۔''

اور حضرت ابن جریج رحمہ اللہ ! سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جو شخص اپنی کسی مصیبت یا دکھ کے وقت اجر و ثواب کی امید پر صبر سے کام نہیں لیتا تو پھر وہ چوپاؤں کی طرح ہی تسلی پا سکے گا اور حُمید الأعرج سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو دیکھا وہ اپنے بیٹے کی طرف نظریں جمائے ہوئے یہ کہہ رہے تھے: ''بے شک میں یہ بات جانتا ہوں کہ (میرے) اس بیٹے میں ایک بھلائی کا فائدہ (ذریعہ) ہے۔ آپ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا وہ کیا ہے۔ تو انھوں نے کہا: ''جب یہ فوت ہو جائے گا تو میں (اس کی جدائی کے صدمے پر صبر کرتے ہوئے آخرت میں) اجر و ثواب کا مستحق ٹھہروں گا۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے لڑکے کی وفات پر سخت بے صبری کا مظاہرہ کیا اور پھر اس بات کی شکایت حضرت حسن رحمہ اللہ سے کی۔ اس پر حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: '' تیرا بیٹا (زندگی میں) تجھ سے غائب رہتا تھا؟ تو اس شخص نے کہا: ''ہاں وہ اکثر غائب رہا کرتا تھا۔'' تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''پھر اب اس کو غائب ہی رہنے دے (مطلب یہ کہ اس کا غم اور صدمہ بھول جا) اس لیے کہ وہ جب بھی تجھ سے غائب رہا تو اس میں تیرے لیے (اس کی حاضری کی نسبت) بہت زیادہ اجر تھا۔ تو (یہ سن کر) وہ آدمی کہنے لگا: ''اے ابوسعید! آپ نے تو مجھ پر میرے بیٹے کی جدائی (کے صدمے) کو ہلکا کر دیا۔''

میمون بن مہران رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے ان کے بیٹے حضرت عبدالملک رضی اللہ عنہ کے فوت ہو جانے پر تعزیت کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما نے کہا: ''کہ جو معاملہ عبدالملک کے ساتھ پیش آیا ہے اس کا ہمیں بخوبی علم تھا تو جب یہ سانحہ ہو چکا ہے تو ہم اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔''

اور مسلمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالملک

رحمہ اللہ فوت ہو گئے تو ان کے باپ (عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) نے ان کے چہرے کو کھولا اور فرمایا: "اے میرے بچے، اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ جس دن مجھے تیری (ولادت کی) خوشخبری دی گئی میں نے (نہایت) خوشی محسوس کی۔ اور پھر تو نے بھی اپنے تئیں خوش وخرم زندگی بسر کی اور تیری زندگی میں مجھ پر کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ جس میں مجھے ان (موجودہ) لمحات سے زیادہ خوشی حاصل ہوئی ہو۔ اللہ کی قسم! حقیقت یہی ہے اگر آپ (روزِ قیامت) اپنے باپ کو (پکڑ کر) جنت کی طرف لے جائیں گے۔"

ابوالحسن المدائنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے (عبدالملک) کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ سخت کرب میں مبتلا تھے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا: "اے میرے بچے تو اپنے تئیں کیسا پاتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "میں اپنے آپ کو سچائی میں پاتا ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے بچے! کہ تو روزِ قیامت میرے میزان میں ہو، یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ (روزِ قیامت) میں تیرے میزان میں ہوں۔" تو انھوں نے جواب دیا: "اے میرے ابا جان! تب آپ کی پسندیدہ چیز میرے نزدیک میری اپنی پسندیدہ چیز سے زیادہ محبوب (یعنی پسندیدہ) ہے۔"

حضرت جویریہ بنت اسماء سے روایت ہے وہ اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں کہ تین بھائی «تُسْتَرَ» کی جنگ کے دن (لڑائی میں) حاضر ہوئے اور تینوں شہید ہو گئے۔ ایک دن ان کی ماں ان کے بارے میں حالات دریافت کرنے کے لیے بازار کی جانب نکلی تو اس کا سامنا ایک ایسے آدمی سے ہو گیا جو خود "تُستر" کی جنگ میں شریک تھا۔ اس عورت نے اس آدمی کو پہچان لیا اور پھر اپنے بیٹوں کی بابت اس سے پوچھا۔ اس نے کہا: "وہ شہادت پا گئے ہیں۔" اس پر ان کی ماں نے کہا: "دشمن کا سامنا کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں یا دشمن کو پیٹھ دکھاتے ہوئے (یعنی میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے) اس آدمی نے جواب دیا: "دشمن کا سامنا کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ تو یہ سن کر اس عورت نے کہا:

الحمد للہ، تب وہ کامیابی وکامرانی سے بہرہ ور ہو گئے اور اپنے پسماندگان کی حفاظت

میں بھی سرخرو ہو گئے۔ میری جان اور میرے ماں باپ کی جان ان پر فدا ہو!۔"

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بیٹا جب وفات پا گیا تو اس موقع پر امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ شعر کہا:

"ترجمہ": اور زمانے کی چال تو ایسی ہی رہی ہے اور رہے گی، تو اس (کی جدائی پر) صبر سے کام لو، کہ کبھی تو (اس دنیا میں) مال کے نقصان کی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے یا پھر کبھی اپنے پیاروں کی جدائی (کا غم سہنا پڑتا ہے)

(امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں):

میں کہتا ہوں: "اس باب میں اس موضوع پر کافی تعداد میں آثار موجود ہیں اور میں نے یہاں چند ایک آثار کا ذکر صرف اس بناء پر کیا ہے تاکہ یہ کتاب اس موضوع کے اعتبار سے بھی تشنہ نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے۔

## فصل، یہ فصل عہدِ اسلام میں طاعون کی وباء پھیلنے کے بارے میں ہے

اور یہاں "عہدِ اسلام" میں طاعون کی وباء پھیلنے اور اس سے ہونے والے جانی نقصان کی طرف اشارہ کرنے کا مقصود یہ ہے کہ سخت مصائب اور شدائد کے وقت بھی صبر و تحمل سے کام لیا جائے تاکہ ایسے حالات میں دلوں کو قرار آ سکے یہ جان کر کہ انسان پر آنے والی بڑی سے بڑی مصیبت بھی پہلے (گزرے ہوئے) دور میں آنے والی آفات و مصائب سے بہر حال کم اور ہلکی ہیں:

ابوالحسن المدائنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کہ عہدِ اسلام میں طاعون کی پانچ بڑی وبائیں زیادہ مشہور ہوئیں:

1 "طاعون شیرویہ": 6ھ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں "مدائن" کے علاقوں میں پھوٹی۔

2 پھر "طاعون عمواس" جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شام کے علاقوں

میں پھیلی اس وباء میں پچیس ہزار (25000 ) اموات واقع ہوئیں۔

3 پھر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں طاعون کی وباء شوال 69 ھ کو پھوٹ پڑی اور ان تین دنوں میں یومیہ ستر ہزار آدمی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تراسی اشخاص (83 ) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تہتر (73 ) بیٹے اس وباء کا شکار ہوئے۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے چالیس اشخاص اس طاعون میں موت کی آغوش میں چلے گئے۔

4 پھر ''طاعون فتیات'' جو شوال 87 ھ کو پھوٹی۔

5 پھر وہ '' طاعون کی وباء'' جو رجب 131 ھ کو شروع ہوئی اور رمضان المبارک میں شدت اختیار کر گئی۔ اس وباء کے دوران ''سکۃ المربد'' میں یومیہ ایک ہزار (1000 ) جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ پھر یہ وباء شوال میں ذرا کم ہو گئی تھی۔ اور اسی طرح '' طاعون'' کی ایک وباء 50 ھ کو کوفہ میں بھی پھوٹ پڑی تھی اور اسی وباء میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تھی۔ یہاں تک ابوالحسن المدائنی رحمہ اللہ کا کلام تھا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' المعارف'' میں الاصمعی رحمہ اللہ سے '' طاعون کی مختلف وباؤں کے بارے میں ذکر کیا ہے اور اس میں ان کی تعداد کم و بیش بیان ہوئی ہے اور کہتے ہیں کہ '' طاعون الفتیات'' کا نام اس لیے پڑ گیا کہ سب سے پہلے بصرہ، واسط، شام اور کوفہ شہروں کی نوجوان اور کنواری لڑکیاں اس وبا کی لپیٹ میں آنی شروع ہوئیں۔ نیز اسے '' طاعون الأشراف'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس وباء میں زیادہ تر '' اشراف'' لوگ لقمۂ اجل بنے تھے۔

امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' کہ مکہ اور مدینہ شہروں میں کبھی طاعون کی وبا نہیں پھیلی۔'' نیز اس موضوع کا باب بہت وسیع ہے اور اس بارے میں جو کچھ میں نے یہاں ذکر کیا ہے وہ حذف کیے جانے والے مواد پر تنبیہ کے لیے کافی ہے اور اس سلسلے میں ایک مستقل '' فصل'' جو کہ میں نے '' صحیح مسلم'' کی شرح کے شروع میں ذکر کی ہے وہ ان ذکر کردہ

معلومات سے کچھ زیادہ مفصل ہے۔ (وباللہ التوفیق)۔

## باب: میت کے گھر والوں اور قریبی رشتہ داروں کی طرف سے صرف اس کی موت کی خبر دینے کے جواز اور بلند آواز کے ساتھ ڈھنڈورہ پیٹنے (اور ساتھ ہی ساتھ میت کے اوصاف وفضائل بیان کرنے کی ناپسندیدگی کے بارے میں)

سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ انھوں نے کہا: ''کہ میری جب موت آجائے تو کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ کرنا، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں (اطلاع دینا) ''نعی''* کے حکم میں نہ آجائے۔ اس لیے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ''نعی'' سے روکتے سنا ہے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

اور جامع الترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''نَعْی'' سے بچو اس لیے کہ ''نَعْی'' جاہلیت کے اعمال میں سے ہے۔''[2] اور ایک اور روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے مگر مرفوع نہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ (موقوف) مرفوع کی نسبت زیادہ ''صحیح'' ہے۔ ویسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

* نَعْی کا مفہوم امام نووی، کی زبانی آئندہ سطور میں ذکر ہوگا۔ (مترجم)

[1] جامع الترمذی، حدیث: 986، سنن ابن ماجہ، حدیث: 1476 اور اس کی سند صحیح ہے۔

[2] جامع الترمذی، حدیث: 984 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں (موقوف و مرفوع) روایتوں کے ''ضعف'' کو ثابت کیا ہے اور جمہور اہل علم رحمہم اللہ کے نزدیک کسی شخص کی وفات کی اطلاع کرنا جائز ہے جیسا کہ بعد میں ''صحیحین'' کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔

نے (حضرت) نجاشی (کی وفات پر ان) کی خبر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی۔ ①

اور صحیحین ہی میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس "میت" کے بارے میں فرمایا، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رات کو دفن کر دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان (کی وفات) کا علم نہ ہو سکا:* "کہ تم نے مجھے اس کی (وفات اور تجہیز و تکفین اور تدفین کی) اطلاع کیوں نہیں دی۔" ②

محقق اہل علم، ہمارے ائمہ کرام میں سے اکثر علما رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے: کہ میت کے اہل خانہ، اس کے قریبی رشتہ داروں اور اس کے دوست احباب کی طرف سے اس کی وفات کی اطلاع کرنا مستحب (یعنی مسنون طریقہ) ہے اور اس بات کی دلیل یہ دونوں مذکورہ حدیثیں ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں: "کہ جس "نعی" سے منع کیا گیا ہے وہ عہد جاہلیت کی "نعی" مراد ہے اور ان کی یہ عادت تھی کہ جب ان میں سے کوئی بڑے حسب ونسب والا شخص مر جاتا تو وہ ایک سوار کو مختلف قبائل کی جانب بھیجتے جو ان علاقوں میں جا کر اونچی اونچی آواز سے مرثیے پڑھتا اور کہتا: ہائے! فلاں کی ہلاکت سے پورا عرب ہلاک ہو گیا۔ اور اس "واویلا" کے ساتھ چیخ و پکار (ہڑبونگ) اور سخت قسم کا رونا بھی ہوتا تھا۔"

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے صاحب الحاوی رحمہ اللہ نے ہمارے شافعی اساتذہ رحمہم اللہ کی دو وجوہات ذکر کی ہیں کہ میت کی موت کی خبر دینا اور اس کا اعلان مستحب عمل ہے۔" ان میں سے کچھ تو اجنبی اور قریبی رشتہ دار میت کے بارے، اعلان پسندیدہ عمل گردانتے ہیں تاکہ اس اعلان سے زیادہ سے زیادہ مسلمان ان پر نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جمع ہو سکیں۔ جبکہ بعض

---

① صحيح البخاري، حديث:1333، صحيح مسلم، حديث: 951، سنن أبي داؤد، حديث: 3204، جا مع الترمذي، حديث: 1022، سنن النسائي، 4/72، المؤطا: 1/227,226.

* معلوم ہوا کہ حقیقی اور علم غیب صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی ذات کو سزاوار ہے۔ کہ تھوڑے سے فاصلے پر بھی ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میت کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکا۔ (مترجم)

② صحيح البخاري، حديث:1337، صحيح مسلم، حديث: 956.

اہل علم ؒ کہتے ہیں: ”کہ ایسا اعلان کسی اجنبی (یا دور کے پردیسی) شخص کے بارے میں کرنا مستحب ہے مگر اس کے علاوہ کے لیے نہیں۔ میں کہتا ہوں: ”کہ پسندیدہ اور درست طریقہ یہی ہے کہ اگر محض کسی شخص کی موت کی اطلاع کرنا مقصود ہو تو کسی بھی میت کی جانب سے اعلان کرنا مستحب ہے۔[1] (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) (وباللہ التوفیق)

## باب، میت کو غسل دیتے اور کفن پہناتے وقت کیا کچھ کہنا چاہیے؟

میت کو غسل دیتے اور کفن پہناتے وقت اس کے حق میں دعا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب عمل ہے۔ ہمارے ائمہ کرام ؒ کہتے ہیں: ”کہ غسل دینے والا شخص اگر میت میں کوئی اچھی علامت، مثلاً: اس کے چہرے کی شگفتگی و چمک، اس کے جسم کی خوشبو کی مہک یا کوئی اور متاثر کرنے والی چیز دیکھے تو اسے دیگر لوگوں کے آگے بیان کرنا مستحب عمل ہے۔ اور اسی طرح اگر اسے میت میں (دوران غسل) کوئی ناپسندیدہ چیز نظر آئے جیسے: اس کے چہرے کی سیاہی (اور بگاڑ)، اس کے جسم سے بدبو کا اٹھنا اور جسم کے کسی حصے کی اصلیت کا بدل جانا وغیرہ تو میت کے ایسے عیب یا نقص کو دیگر لوگوں کے سامنے بیان کرنا اس پر حرام ہے...... اور انھوں نے اس بات کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان سے لی ہے جو ہمیں سنن أبی داؤد اور سنن الترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: ”اپنے فوت شدگان لوگوں کے محاسن (اچھی باتیں لوگوں کے آگے) ذکر کرو اور ان کے عیوب ونقائص کے بیان سے رک جاؤ۔“ اسے امام ترمذی ؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2]

---

① امام موصوف ؒ کہتے ہیں: ”کہ میں نے اس مسئلہ کے بارے میں ”شرح صحیح بخاری“ اور ”شرح المہذب“ میں کافی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور میں نے وہاں ائمہ کرام ؒ کے اقوال بمعہ احادیث و آثار ایک ہی جگہ جمع کر دیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس کے مقاصد کو مختصر بیان کر دیا ہے۔ تو جو اس بارے میں مزید معلومات پر مطلع ہونا چاہتا ہو وہ اس باب کا مطالعہ کر لے۔

② سنن أبی داؤد، حدیث:4900، جامع الترمذی، حدیث:1019، نیز اپنے ”شواہد“ کی بناء پر یہ حدیث ”حسن“ ہے۔

اور امام بیہقی ؒ کی ''السنن الکبری'' میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے خادم تھے، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی میت کو غسل دیا تو اس کے (ظاہر ہونے والے) کسی عیب کو چھپائے رکھا، اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے گناہوں پر) اسے چالیس مرتبہ معافی دیں گے۔''[1]

اس حدیث کو ابوعبداللہ امام حاکم ؒ نے «اَلْمُسْتَدْرَكُ عَلَى الصَّحِيْحَيْن» میں روایت کیا ہے اور کہتے ہیں: ''کہ یہ حدیث ''صحیح مسلم'' کی شرط پر ہونے کی بناء پر صحیح ہے۔''

جمہور اہل علم ؒ میں سے صاحب البیان ابوالخیر الیمنی ؒ کہتے ہیں: ''اگر مرنے والا شخص بدعتی ہو اور کھلم کھلا بدعت کا ارتکاب کیا کرتا تھا اور ایسے شخص کو غسل دینے والا اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھ لے تو اس صورت میں قیاس کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس عیب کو لوگوں کے آگے بیان کرے تاکہ سننے والے لوگوں کو بدعات کے ارتکاب کے بارے میں عبرت و نصیحت حاصل ہو۔

## باب، میّت پر نمازِ جنازہ کے اَذکار کے بیان میں

یہ جان لیجیے کہ میت پر نماز جنازہ ''فرض کفایہ'' ہے اور اسی طرح اس کے غسل اور کفن و دفن کا بھی یہی حکم ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے نیز چار صورتوں میں ''فرضِ کفایہ'' کا حکم ساقط ہو جاتا ہے:

① ان میں سب سے زیادہ صحیح ہمارے اکثر ائمہ کرام ؒ کے ہاں یہ ہے کہ اگر صرف ایک آدمی ہو تو تب نمازِ جنازہ کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

② نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے لیے دو آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔

③ تین آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔

④ چار آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ خواہ وہ اکیلے اکیلے ادا کریں یا جماعت کی شکل میں۔

① امام بیہقی ؒ کی السنن الکبری: 3/395، امام حاکم ؒ کی المستدرک: 1/354 اور اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

اور اس نماز کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ پڑھنے والا چار تکبیریں لازمی طور پر کہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگئی تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر چار کے بجائے پانچ تکبیریں کہہ دے تو اس صورت میں اس کی نماز باطل ہوجانے کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک دو وجوہات ہیں جن میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہوگی۔ خواہ نماز باجماعت ہورہی ہو اور امام پانچویں تکبیر کہہ دے۔ لیکن اگر ہم کہیں کہ پانچویں تکبیر نماز کو "باطل" کر دیتی ہے تو اس صورت میں مقتدی امام سے الگ ہوجائے، جیسے اگر امام نماز میں پانچویں رکعت شروع کر دے (تو مقتدی اس سے جدا متصور ہوتا ہے) اور اگر ہم کہیں کہ پانچویں تکبیر نماز کو باطل نہیں کرتی بلکہ نماز صحیح رہتی ہے تو ایسی صورت میں مقتدی امام سے جدا تو نہیں ہوگا، ہاں مگر وہ صحیح اور مشہور مذہب کے مطابق امام کی متابعت (یعنی پیروی) بھی نہیں کرے گا اور اس میں ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ایک کمزور رائے بھی ہے "کہ وہ ایسے حالات میں بھی امام کی اقتدا (پیروی) کرے گا" لیکن اگر ہم صحیح مذہب کے مطابق یہ کہیں کہ وہ مقتدی امام کی پیروی نہیں کرے گا تو کیا وہ امام کا انتظار کرے تاکہ اس کے ساتھ سلام پھیر سکے یا پھر اسی حال میں وہ سلام پھیر کر فارغ ہوجائے؟ تو اس میں دو آراء ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ (سلام نہ پھیرے بلکہ) امام کا انتظار کرے۔ اور اس مسئلہ کے بارے میں یہ تمام جزئیات میں نے "شرح المہذب" میں پوری وضاحت اور اس کے دلائل سمیت ذکر کر دی ہیں۔

نیز نمازِ جنازہ پڑھنے والے کے لیے مستحب (مسنون عمل) ہے کہ وہ ہر تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو اٹھائے اور یہ "تکبیر" کہنے کا کیا طریقہ ہے؟ کون سی چیز اس میں مستحب ہے اور کون سی چیز اس کو "باطل" کر دیتی ہے؟ اور اس سے متعلق دیگر جزئیات گزشتہ صفحات پر نماز کی ادائیگی کا طریقہ اور اس کے (مسنون) اذکار میں ذکر ہوچکی ہیں۔

اور...... وہ "اذکار" جو کہ نمازِ جنازہ میں تکبیریں کہنے کے دوران پڑھے جاتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

1 کہ پہلی ''تکبیر'' کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ (اور اس کے ساتھ قرآنِ حکیم کا کوئی حصہ یا چھوٹی سورت بھی)

2 دوسری ''تکبیر'' کے بعد اللہ کے نبی ﷺ پر درود بھیجا جائے۔

3 اور تیسری ''تکبیر'' کے بعد میت کے حق میں دعائیں پڑھی جائیں اور دعا میں واجب بات یہ ہے کہ عبارت ایسی ہو جس پر دعاء کا نام صحیح ثابت ہو سکے (مطلب یہ کہ کلام دعائیہ الفاظ پر مشتمل ہو اور اس میں مسنون دعاؤں پر اکتفا کرنا قابل تحسین عمل ہے۔)

4 اور چوتھی ''تکبیر'' کے بعد اصل میں تو کوئی ذکر کرنا واجب نہیں (بلکہ سلام ہے) مگر اس وقت جو کچھ کہنا مستحب عمل ہے اس کا میں ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کروں گا۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے ''تعوذ''* اور ''دعائے استفتاح'' کے مستحب ہونے میں اختلاف کیا ہے اور اسی طرح سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن حکیم سے کوئی سورت پڑھنے میں ان کے تین مختلف اقوال ہیں:

1 کہ سب کچھ پڑھنا مستحب ہے۔

2 کہ سب کچھ پڑھنا مستحب نہیں ہے۔

3 اور یہ رائے زیادہ صحیح ہے کہ دعائے استفتاح اور قرآن حکیم سے کوئی سورت پڑھنا مستحب نہیں، صرف (تکبیر کے بعد) ''تعوذ'' پڑھنا مستحب ہے۔ جبکہ اس بات پر انھوں نے اتفاق کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے اختتام پر ''آمین'' کہنا مستحب ہے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں (موقوف) روایت ملی ہے کہ انھوں نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی تو اس میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی اور فرمایا: (یہ میں نے اس لیے پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت (طریقہ) ہے۔[1]

* تعوذ سے مراد ''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' ہے۔ جبکہ ''دعائے استفتاح'' سے مُراد وہ مسنون دُعا ہے جو نماز کے آغاز میں تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے جیسے: (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ...... وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔)

① صحيح البخاري، حديث:1335، سنن أبي داود، حديث:3198، جامع الترمذي، حديث:1026، سنن النسائي4/74,75.

اور حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان: ''کہ یہ ''سنت'' ہے یہ اسی معنی میں ہے جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ کہنا: ''کہ فلاں کام سنت سے ہے۔'' اور اسی طرح سنن أبي داؤد میں آیا ہے کہ انھوں (یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے فرمایا کہ: ''یہ طریقہ ''سنت'' سے ہے۔'' تو اس صورت میں، جیسا کہ حدیث اور اصول کی کتابوں سے یہ بات واضح اور معروف ہے کہ صحابی کا یہ الفاظ کہنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ''مرفوع حدیث'' کے حکم میں ہے۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''کہ نمازِ جنازہ میں قرأت اونچی آواز میں نہیں بلکہ دل میں کرنا سنت ہے۔ خواہ یہ نماز رات کو پڑھی جائے یا دن کے وقت اور یہی وہ صحیح اور مشہور مذہب ہے جس کے قائل ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں اکثر اہل علم رحمہم اللہ ہیں۔ اور ان میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے: ''اگر تو نماز جنازہ دن کو پڑھی جائے تو سری یعنی دل میں قرأت کرنی چاہیے اور اگر رات کے وقت ادا کی جائے تو ''جہری'' یعنی اونچی آواز میں قرأت کرنی چاہیے۔

اور دوسری تکبیر کے بعد کم ازکم جو چیز (درود میں سے پڑھنا) واجب ہے وہ یہ ہے (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ) ''کہ الٰہی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمت کی برکھا برسا دے۔'' جبکہ آگے یہ الفاظ کہنا (وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ) مستحب (مسنون) ہے، نہ کہ ہمارے اکثر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ہاں واجب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں: ''کہ یہ الفاظ کہنا بھی واجب ہے اور ان کا یہ قول ''شاذ'' بھی ہے اور ''ضعیف'' (کمزور) بھی۔'' نیز درود کے ساتھ ساتھ اگر وقت کی گنجائش ہو تو عام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرنا بھی پسندیدہ عمل ہے اور اس بات پر امام شافعی رحمہ اللہ نے ''نص'' قائم کی ہے (یعنی اسے دلیل سے ثابت کیا ہے) اور دیگر شافعی ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اس پر اتفاق کیا ہے اور امام ''المزنی رحمہ اللہ''[1] نے امام

[1] اَلْمُزَنِي میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے جس کے بعد ''نون'' اور پھر ''یا'' مشددہ آتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی تالیف ''امام شافعی رحمہ اللہ کے فضائل'' میں رقمطراز ہیں: امام المزنی رحمہ اللہ کا اصل نام ⇐ ⇐

شافعی رحمہ اللہ سے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ (درود کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش کرنا بھی مستحب ہے اور اس بات کے قائل ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے کئی گروہ ہیں۔ جبکہ اکثریت نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لیکن اگر ہم اس عمل کو "مستحب" مان لیں تو پھر اصل ترتیب یوں ہوگی کہ پہلے سورۂ فاتحہ پھر اللہ کے نبی ﷺ پر درود شریف اور پھر اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے حق میں دعائے خیر، اگر اس ترتیب کا لحاظ نہ بھی رکھے تب بھی جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں وہ افضل عمل کا تارک ہوگا۔

اور اللہ کے نبی (ﷺ) پر درود پڑھنے کے سلسلے میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔[1] جو ہمیں سنن البیہقی میں مروی ملی ہیں۔ مگر میں نے اس بات کو مختصر بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس لیے کہ اس جیسے موضوعات کی تفصیل حقیقت میں فقہ کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہے۔ اور میں نے اس موضوع کو بھی کتاب "شرح المہذب" میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔

اور جہاں تک "تیسری تکبیر" کا تعلق ہے تو اس میں میت کے لیے دعا کرنا واجب ہے اور کم از کم ایسے الفاظ ادا کرنے ضروری ہیں جن پر دعا کا نام پورا اترتا ہو۔ جیسے آپ یہ کہہ سکتے ہیں: (رَحِمَهُ اللّٰهُ) اَوْ (غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ) اَوْ (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ) اَوْ (اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِهٖ) کہ اللہ اس پر رحم کرے۔ یا اللہ اسے معاف فرمائے۔ یا اے اللہ! اسے بخش دے! اور اس پر رحم فرما!" "اے اللہ! اسے (اپنی عفو و درگزر کی) شفقت مرحمت فرما!" اور اسی مفہوم کے دیگر الفاظ بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس بارے میں مسنون دعائیں متعدد احادیث و

⇐ ابو ابراہیم، اسماعیل بن یحییٰ بن عمرو بن اسحاق ہے۔ 175ھ میں پیدا ہوئے۔ جب مصر تشریف لائے تو امام شافعی رحمہ اللہ کی مصاحبت اختیار کر لی اور امام شافعی رحمہ اللہ کے تبحر علمی کی مدد سے "المبسوط" اور "المختصر" تصنیف کیں۔ علمی افق پر شہرت حاصل کی۔ علمی بحث و مباحثہ اور دلائل کے اعتبار سے ایک واضح علامت تھے۔ انتہائی عبادت گزار، عالم باعمل، منکسر المزاج اور علم معانی میں بحر بیکراں تھے۔ انھوں نے رمضان المبارک 264ھ کو وفات پائی۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/169.

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور یہ تین احادیث ہیں جن میں کوئی ایسی صراحت نہیں ملتی کہ یہ "مرفوع" ہیں اور دو حدیثیں تحقیق کی محتاج ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/169.

آثار میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں صحیح ترین حدیث:

جو کہ صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا (سن کر) حفظ کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«اللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَ أَكْرِمْ نُزُلَهٗ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَ أَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ، وَ أَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهٖ، وَ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ، وَ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَ أَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ»

”اے اللہ! اس میت کو بخش دے اور اس پر رحم فرما، اسے عافیت دے اور اس سے درگزر فرما اور اِسے عمدہ مہمانی سے نواز! اور اس کے داخل ہونے کی جگہ (یعنی قبر کو) کشادہ کر دے اور اسے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال اور اسے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جیسے آپ سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ اور اس کے (دنیا کے) گھر سے بہتر گھر اس کے بدلے میں دے اور اِسے اس کے (دنیا کے) عیال سے اچھا عیال عطا کر دے اور اس کو (دنیا کی) بیوی سے اچھی بیوی دے دے اور اس کو (اپنی رحمت سے) جنت میں داخل کرا اور اس کو عذابِ قبر اور جہنم کے عذاب سے بھی بچا کے رکھنا۔“

یہاں تک کہ میں نے خواہش کی کہ کاش یہ میرا جنازہ ہوتا[1] ........... اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَ عَذَابَ النَّارِ»

[1] صحیح مسلم، حدیث: 923۔

"کہ اس کو قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچا کے رکھنا۔"*

اور سنن اَبِی داود، سنن الترمذی اور سنن البیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی تو یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِيْمَانِ، وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ؛ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَ لَاتَفْتِنَّا بَعْدَهُ»

"الٰہی! ہمارے زندوں کو اور مردوں کو، حاضر رہنے والوں اور غائب رہنے والوں کو اور ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو اور ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔ الٰہی آپ ہم میں سے جسے زندہ رکھیں تو اس کو ایمان پر زندہ رکھئے اور جس کو ہم میں سے وفات دیں تو اس کو اسلام پر وفات دیجئے۔ الٰہی! ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور ہمیں اس (کی وفات) کے بعد فتنے میں نہ ڈال۔"[1]

امام حاکم ابوعبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ہونے کی بناء پر صحیح ہے۔ اور اس حدیث کو ہم نے سنن البیہقی وغیرہ میں بھی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی پایا ہے۔ اور اسی طرح یہ حدیث جامع الترمذی میں اَبو ابراہیم الاشہلی[2] سے مروی ہمیں ملی ہے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے باپ

---

* حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی "صحیح مسلم" کی یہ حدیث اور اس کے بعد ذکر کردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ رات و دن کی تفریق کیے بغیر بلند آواز سے نمازِ جنازہ پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔ (مترجم)

① سنن أبي داود، حديث:3201، سنن الترمذی، حديث:1024، سنن البيهقي:4/41، امام حاکم رحمہ اللہ کی المستدرک میں 1/358، امام نسائی رحمہ اللہ کی "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَة"، حدیث:1080 اور اس کی اِسناد صحیح ہے۔

② یہ راوی مجہول ہے لیکن حدیث اپنے "شواہد" کی بناء پر حسن ہے۔





رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ جو کہ نبی کریم ﷺ سے (مرفوع) روایت کرتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''کہ اس حدیث یعنی «اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا...... إلخ» میں سب سے صحیح روایت ابوابراہیم الاشہلی رحمہ اللہ کی ہے جسے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جبکہ امام بخاری کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے اور سنن أبی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: «فَأَحْیِہٖ عَلَی الْاِیْمَانِ وَ تَوَفَّہٗ عَلَی الْاِسْلَامِ» کہ اس کو ایمان پر زندہ رکھ اور اسے اسلام پر موت دینا'' اور حدیث کی بڑی اور مشہور کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: «فَأَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ تَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ» ''کہ اس کو (دین) اسلام پر زندہ رکھ اور اس کو ایمان کی حالت میں اٹھانا'' جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اور سنن أبی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے پورے خلوص سے دعا کرو۔''[1]

اور سنن أبی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ نبی کریم سے میت پر نماز جنازہ (کی ادائیگی) کے بارے میں یہ دعاء روایت کرتے ہیں:

«اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَ اَنْتَ خَلَقْتَھَا وَ اَنْتَ ھَدَیْتَھَا لِلْاِسْلَامِ وَ اَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَ اَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَعَلَانِیَتِھَا، جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَھَا»

''الٰہی آپ اس کے پروردگار ہیں اور آپ نے اسے پیدا کیا ہے اور آپ نے ہی اسے دینِ اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے اور آپ نے اس کی رُوح قبض کی ہے اور آپ ہی اس کا ہر پوشیدہ اور ظاہری عمل خوب جانتے ہیں ہم (آپ کے حضور

---

[1] سنن أبي داود، حديث:3199، سنن ابن ماجه، حديث:1497، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

میں )اس کی شفاعت ( کی التجا ) لے کر آئے ہیں تو اسے معاف فرما دے۔“①

اور سنن أبي داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مسلمان شخص کے جنازے پر نماز پڑھائی۔تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ (دعا) فرماتے سنا:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانَةَ فِيْ ذِمَّتِكَ② وَ حَبْلِ جَوَارِكَ③ فَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَ عَذَابَ النَّارِ، وَ أَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ؛ اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ»

”اے اللہ! بے شک فلاں ( عورت ) کا بیٹا فلاں ( شخص ) آپ کے ذمہ (یعنی ایمان کے عہد ) میں ہے اور آپ کی ”امانت میں ہے“ تو اسے قبر کے فتنہ (یعنی کڑے امتحان ) میں سرخرو فرما اور اسے آگ کے عذاب سے بچا لے اور آپ ”وفا“ اور تعریف وستائش کے مستحق ہیں۔الٰہی اسے معاف فرما دے اور اس پر رحم فرما بے شک آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے،مہربان ہیں۔④

امام شافعی رحمہ اللہ نے ان تمام مذکورہ اور ان کے علاوہ دیگر احادیث کے مجموعہ سے ( جامع )دعا کا انتخاب کیا ہے۔وہ کہتے ہیں: ( کہ نماز جنازہ میں ) یہ دعا پڑھی جائے:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ، خَرَجَ مِنْ رَوْحِ الدُّنْيَا وَ سَعَتِهَا، وَ مَحْبُوبُهُ وَ أَحِبَّاؤُهُ فِيهَا، إِلَى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَ مَا هُوَ لَاقِيهِ، كَانَ

① سنن أبي داؤد، حدیث:3200 اور یہ حدیث ”حسن“ ہے جسے امام نسائی نے ”عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ“ میں نکالا ہے۔حدیث:1078 اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے الدُّعاء میں ...... دیکھیے: الفتوحات:4/176.

② (فِيْ ذِمَّتِكَ) ذمہ سے مراد ”ایمان کا عہد“ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: «وَ أَوْفُوْا بِعَهْدِيْ» یعنی اور میرے ساتھ کیا ہوا پختہ عہد پورا کرو۔

③ (وَحَبْلِ جَوَارِكَ) اس سے مراد ہے ”کہ آپ کی امانت میں ہے۔“ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا) اور سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

④ سنن أبي داود، حدیث:3202، سنن ابن ماجه، حدیث:1499 اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَ أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اللّٰهُمَّ إِنَّهُ نَزَلَ بِكَ وَ أَنْتَ خَيْرُ مَنْزُولٍ بِهِ، وَ أَصْبَحَ فَقِيرًا إِلَى رَحْمَتِكَ وَ أَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهِ، وَ قَدْ جِئْنَاكَ رَاغِبِينَ إِلَيْكَ شُفَعَاءَ لَهُ؛ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَ إِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَلَقِّهِ بِرَحْمَتِكَ رِضَاكَ وَ قِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَهُ، وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَ جَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَ لَقِّهِ بِرَحْمَتِكَ الْأَمْنَ مِنْ عَذَابِكَ حَتّٰى تَبْعَثَهُ إِلٰى جَنَّتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ»

''اے اللہ! آپ کا یہ بندہ، آپ کے بندے کا بیٹا، دنیا کی آرائش و آرام (اور آسائشوں) کو چھوڑ چکا ہے جس (دنیا) میں اس کے عزیز اور پیارے تھے اور (اب) قبر کی اندھیر نگری اور جو کچھ اس میں ہے کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ آپ کے سوا کوئی حق کے ساتھ عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ آپ کے بندے اور آپ کے (بھیجے ہوئے) رسول ہیں اور آپ اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں۔ اے اللہ! یہ آپ کی ذات کے ہاں قیام پذیر ہونے والا ہے۔ اور آپ ان سب سے بہتر ہیں جن کے ہاں (لوگ) قیام پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہ (شخص صرف) آپ کی رحمت کا محتاج ہے اور آپ کی ذات اس کے عذاب سے بے پروا ہے اور ہم آپ کے در پر اس (کے حق میں بخشش) کی سفارش کی آس لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ اے اللہ! اگر یہ نیکی کا خوگر تھا تو اس کی نیکی کو زیادہ کر دے اور اگر گناہ کا مرتکب ہوتا تھا تو اس سے (اپنی رحمت سے) درگزر فرما۔ اور اپنی رحمت اور خوشنودی کے ذریعے ان (گناہوں) کا ازالہ فرمادے اور اسے قبر کے فتنہ اور اس کے عذاب سے بچالے اور اس کی قبر کو کشادہ کر دے اور اس کے پہلوؤں سے زمین کو ہٹا دے

(یعنی وسیع کر دے) اور اسے اپنی رحمت کے سہارے، اپنے عذاب سے امن مرحمت فرما یہاں تک کہ آپ اسے اپنی جنت میں پہنچا دیں اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے!

یہ (ساری دعا) امام المزنی رحمہ اللہ کی ''المختصر'' میں امام شافعی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ''نص'' (اصل عبارت) ہے۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''اگر میت کسی بچے کی ہو تو نماز جنازہ میں اس کے والدین کے حق میں ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرنی چاہیے: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَّهُمَا فَرَطًا، وَ اجْعَلْ لَّهُمَا سَلَفًا وَاجْعَلْهُ لَهُمَا ذُخْرًا، وَ ثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمَا، وَ أَفْرِغِ الصَّبْرَ عَلَى قُلُوبِهِمَا، وَ لَا تَفْتِنْهُمَا بَعْدَهُ وَ لَا تَحْرِمْهُمَا أَجْرَهُ» ''اے اللہ! اس بچے کو اس کے والدین کے لیے پیش خیمہ بنا دے اور اسے اس کے والدین کے لیے پیش رو بنا دے اور اسے اس کے والدین کے لیے ذخیرۂ (اجر و ثواب) بنا دے اور اس کے ذریعے اس کے والدین کے نیک اعمال کو بوجھل بنا دے اور ان کے دلوں پر صبر (کی نعمت) بہا دے۔'' اور اس کے (دنیا سے اٹھ جانے کے) بعد ان کو کسی فتنے میں مبتلا نہ کرنا اور نہ ہی اس کے اُجر سے انھیں محروم کرنا۔''

دعاء کے یہ الفاظ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ابو عبداللہ الزبیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں ذکر کیے ہیں۔ اور باقی اہل علم رحمہم اللہ نے بھی اسی مفہوم کے الفاظ ذکر کیے ہیں اور اسی طرح کی دعاء ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساتھ یہ (مسنون) دعاء بھی ملا لے۔ (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا...... آخر تک) ابو عبداللہ الزبیری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''کہ اگر میت کسی عورت کی ہو تو سابقہ پوری دعا اس انداز سے پڑھے: (اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ اَمَتُكَ بِنْتُ عَبْدِكَ...... آخر تک) مطلب یہ کہ مذکر کی ضمائر کی جگہ مؤنث کی ضمیریں استعمال کرے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اور جہاں تک جنازے کی چوتھی تکبیر کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کے بعد کسی قسم کا کوئی ذکر کرنا واجب نہیں۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے ''البویطی رحمہ اللہ'' کی کتاب

میں (اس وقت) دعا پڑھنے کے استحباب کا ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھنے والا شخص چوتھی تکبیر کے بعد یہ الفاظ ادا کرے:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ ، وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ»

"اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھنا اور اس کے بعد کسی آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔"

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ابوعلی بن ابی ہریرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "کہ اگلے لوگ چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

﴿رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

"کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔"[1]

نیز کہتے ہیں: "کہ یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ سے حکایت کردہ نہیں اگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو یہ اچھا عمل ہے۔"

میں کہتا ہوں: "کہ یہ دعا پڑھنے کی اچھائی میں یہی کچھ کافی ہے، جو ہم نے گزشتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تکلیف کے وقت دعاء کرنے کے باب میں ذکر کر دیا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ میں (یہ بھی) کہتا ہوں: اور چوتھی تکبیر میں دعاء پڑھنے کی دلیل یہ روایت جو امام بیہقی رحمہ اللہ کی "السنن الکبرٰی" میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں ملی ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد دو تکبیروں کے درمیان وقفہ کے برابر وقفہ کیا جس میں انھوں نے میت کے لیے استغفار اور دعاء کی۔ پھر کہا: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔"[2]

---

[1] البقرۃ 201 .

[2] امام البیہقی رحمہ اللہ کی السنن الکبریٰ: 4/42، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کو امام ابن المنذر رحمہ اللہ، امام الطحاوی رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ اور امام البیہقی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور اس کا مدار ابراہیم بن مسلم الہجری راوی پر ہے۔ اور یہ تمام ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیہ: 4/181.

اور ایک روایت میں یہ ذکر ہوا ہے: ''انھوں نے چار تکبیریں کہیں تو کچھ دیر ٹھہرے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ وہ پانچ تکبیریں کہیں گے مگر انھوں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ تو جب وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم نے ان سے کہا: ''یہ کیا ہے؟'' تو انھوں نے جواب میں کہا: ''جو کچھ میں نے (اس بارے میں) اللہ کے رسول ﷺ کو کرتے دیکھا ہے اس پر زیادہ نہیں کرنا چاہتا یا (آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی) کہ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہے۔'' اور امام ابوعبداللہ الحاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

[**فصل**]: اور جب نماز جنازہ کی تکبیروں اور اس کے ''اَذکار'' سے فارغ ہو جائے تو پھر دوسری نمازوں کی طرح دو مرتبہ (دائیں اور بائیں) سلام کہے جیسا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن اَبی اوفی رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر کیا ہے اور جنازے کی نماز کا اختتامی سلام جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے دیگر تمام نمازوں کے ''سلام'' کا سا حکم رکھتا ہے اور یہی مذہب زیادہ صحیح اور پسندیدہ ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے ہاں کمزور سا اختلاف بھی موجود ہے جسے میں نے (اس کتاب میں) عدم ضرورت کی بناء پر چھوڑ دیا ہے۔

اگر نماز سے پیچھے رہ جانے والا شخص امام کے ساتھ نماز کا کچھ حصہ پالے تو اسی حالت میں وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر اپنی ترتیب پر بقیہ نماز پوری کرے اور اس حال میں وہ جو کچھ امام پڑھ رہا ہے اس کی موافقت نہ کرے۔ لیکن وہ (پہلی) تکبیر کہہ دے اور پھر امام بھی، اس سے پہلے کہ وہ (پیچھے رہ جانے والا مقتدی) اپنے اَذکار پورے کرے، دوسری تکبیر کہہ دیتا ہے تو پھر اس سے بقیہ ذکر ''ساقط'' ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ دیگر نمازوں میں پیچھے رہ جانے والے شخص سے قرأت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اگر امام اپنی نماز پوری کر کے سلام پھیر دے اور اس صورت میں پیچھے رہ جانے والے شخص پر جنازے کی کچھ تکبیریں پڑ نا باقی ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان بقیہ تکبیروں کو (ترتیب سے) ان کے اَذکار سمیت پورا کرے۔ یہی مذہب ہمارے ہاں (زیادہ) صحیح اور مشہور ہے۔ اور اس بارے میں ہمارے ہاں ایک کمزور سا قول ہے کہ ''وہ صرف بقیہ تکبیروں کو ہی بغیر ان میں





''اذکار'' پڑھے ترتیب کے ساتھ کہہ دے (تو کافی رہے گا) واللہ اعلم۔

## باب، جنازے کے ساتھ چلنے والا شخص کیا پڑھے؟

اس کے لیے مستحب عمل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور ان احوال کے بارے میں غور وفکر کرے جن سے عنقریب میت کا سامنا ہونے والا ہے، کہ اب اس کا اصل ٹھکانہ کیا ہوگا اور وہاں اسے کیا کچھ حاصل ہوگا۔ اور یہ اس کا اور اس کے پچھلے تمام اہل و عیال کا بھی اس دنیا میں آخری مقام ہے۔ اور ایسے وقت میں بے فائدہ گفتگو سے کلی اجتناب کرے اس لیے کہ یہ لحات ''فکر'' و''ذکر'' کے ہیں۔ جن میں بے جا گفتگو، کھیل کود اور غفلت و بے پرواہی انتہائی مذموم چیزیں ہیں۔ جبکہ بے فائدہ کلام سے تو (ایک مسلمان کو) ہر حال میں روکا گیا ہے تو ایسے (پریشانی وافسوس کے) حالات میں کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

یہ جان لیجیے! کہ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ کے ہاں خاموشی اختیار کرنا زیادہ پسندیدہ اور درست عمل ہے۔ تو ایسی صورت میں تلاوتِ قرآن یا کوئی اور ذکر وغیرہ کرتے ہوئے بلند آواز نہیں ہونی چاہیے اور اس میں یہ واضح حکمت نظر آتی ہے کہ خاموشی سے جنازے سے متعلق امور کے بارے میں دلی اطمینان اور غور وفکر میں یکسوئی بہتر طور پر حاصل ہوتی ہے اور ایسے (نازک) حالات میں یہی چیز مطلوب ہوتی ہے۔ اور یہی بات حق ہے۔ لہٰذا اس عمل کے مخالفین کی کثرت کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔

حضرت ابوعلی الفضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس کا مفہوم یہ ہے: کہ ''ہدایت کے راستوں کو اپناؤ۔ اور اس پر چلنے والوں کی کم تعداد آپ کو ضرر نہ دے۔ (یعنی دھوکے میں نہ ڈال دے) اور گمراہی کے راستوں سے بچو۔ اور اس پر چل کر ہلاک ہونے والوں کی کثرت کہیں آپ کو دھوکے میں مبتلا نہ کر دے۔''

اور امام بیہقی رحمہ اللہ [1] کی ''السنن'' میں مروی ہمیں روایت ملی ہے جو مجھ سے یہ بات

---

[1] امام بیہقی کی السنن الکبریٰ: 4/21-28.

کہنے کا تقاضا کرتی ہے: ''کہ جو جاہل لوگ دمشق اور اس کے علاوہ دیگر علاقوں میں جنازے پر آوازیں کھینچ کھینچ کر کچھ پڑھتے ہیں اور کلام کو اس کی اصل جگہ سے نکال باہر کرتے ہیں تو یہ عمل علمائے کرام کے اتفاق کے ساتھ حرام ہے۔ اور تحقیق میں نے اس عمل کی قباحت، اس کے حرام ہونے کی شدت اور جس نے اس ''حکم'' سے انکار کیا ہے اس کے فاسق ہونے کے بارے میں'' آداب القراء'' کتاب میں وضاحت کر دی ہے۔ اور اللہ بہتر مددگار ہے۔

## باب، جس شخص کے پاس سے جنازہ گزرے یا وہ خود اسے دیکھ لے تو کیا کہے؟

اس کے لیے یہ الفاظ پڑھنا مستحب ہے: «سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ»
''کہ پاک ہے وہ زندہ رہنے والی ذات جسے کبھی موت نہ آئے گی۔''

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے قاضی الامام ابوالمحاسن الرویانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''البحر'' میں رقمطراز ہیں: اس شخص کے لیے مستحب ہے کہ وہ دعا کرے اور یہ کلمات ادا کرے۔ «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ» کہ اللہ کے سوا حق کے ساتھ کوئی عبادت کے لائق نہیں جو زندہ رہنے والی ذات ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔''

نیز یہ بھی مستحب ہے کہ وہ اس میت کے حق میں دعا کرے اور اگر وہ (مرنے والا شخص) ثنا کا حقدار ہے تو اس پر خیر و برکت کے ساتھ ''ثنا'' پڑھے اور اس بارے میں کمی نہ کرے۔

## باب، جو شخص میت کو قبر میں اتارے تو (اس وقت) وہ کیا کچھ پڑھے؟

سنن أبي داود، سنن الترمذی اور سنن البیہقی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں (مرفوع) روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب میت کو قبر میں رکھتے تو یہ الفاظ ادا فرماتے: «بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» کہ اللہ تعالیٰ کے (بابرکت و پاکیزہ) نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے طریقے پر (ہم

اس کو لحد میں اتارتے ہیں)۔[1] نیز امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر شافعی اصحاب رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ ان مذکورہ کلمات کے ساتھ میت کے لیے دعا کرنا بھی (ایسے وقت میں) مستحب عمل ہے۔ (ایسے موقع پر) ایک بہت اچھی دعا جس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے "مختصر المزنی" میں "نص" (یعنی مہر تصدیق ثبت) کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: جو لوگ[1] میت کو قبر میں اتاریں، وہ یہ دعاء پڑھیں:

«اللّٰهُمَّ أَسْلَمَهُ إِلَيْكَ الْأَشِحَّاءُ مِنْ أَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَ قَرَابَتِهِ وَ إِخْوَانِهِ، وَ فَارَقَ مَنْ كَانَ يُحِبُّ قُرْبَهُ، وَ خَرَجَ مِنْ سَعَةِ الدُّنْيَا وَالْحَيَاةِ إِلَى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَضِيقِهِ، وَ نَزَلَ بِكَ وَ أَنْتَ خَيْرُ مَنْزُولٍ بِهِ، إِنْ عَاقَبْتَهُ فَبِذَنْبٍ، وَ إِنْ عَفَوْتَ عَنْهُ فَأَنْتَ أَهْلُ الْعَفْوِ، أَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهِ وَهُوَ فَقِيرٌ إِلَى رَحْمَتِكَ؛ اللّٰهُمَّ اشْكُرْ حَسَنَتَهُ، وَاغْفِرْ سَيِّئَتَهُ، وَ أَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَاجْمَعْ لَهُ بِرَحْمَتِكَ الْأَمْنَ مِنْ عَذَابِكَ، وَاكْفِهِ كُلَّ هَوْلٍ دُونَ الْجَنَّةِ؛ اللّٰهُمَّ اخْلُفْهُ فِي تَرِكَتِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَارْفَعْهُ فِي عِلِّيِّينَ وَعُدْ عَلَيْهِ بِفَضْلِ رَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ»

"اے اللہ! اسے اس کے اہل، اس کی اولاد، اس کے قرابتداروں اور اس کے بھائیوں میں سے بخلاء لوگوں نے آپ کی ذات کے سپرد کیا ہے اور یہ (دنیا میں) جن قرابتداروں سے محبت کرتا تھا ان سے جدا ہو گیا اور دنیوی زندگی کی

---

[1] مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک یہ دعا پڑھے اس لیے کہ یہ مقام (اور وقت) اللہ سے سوال کرنے، اس کی رحمت طلب کرنے اور اس کا فضل مانگنے کا ہے۔ لہٰذا قائلین (مانگنے والوں) کے اعتبار سے تکرار مناسب ہوگا اور حدیث شریف میں آیا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ بروقت مانگنے والوں سے محبت کرتا ہے۔" اور یہاں "جمع" کا خیال رکھنا ایک سے زیادہ لوگوں کے مستحب ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور پھر ان لوگوں کا جفت کے بجائے طاق (یعنی وتر) کی تعداد میں ہونا زیادہ پسندیدہ ہے اور ویسے ایک شخص کی دعا بھی کفایت کر جائے گی۔

وسعت سے قبر کی تاریکی اور تنگی کی طرف منتقل ہو گیا ہے اور (اب یہ) آپ کے جوار (رحمت) میں اترا ہے اور آپ کی ذات سب سے بہتر ہے کہ جس کے پاس اترا جائے، اگر آپ اسے سزا دیتے ہیں تو اس کے گناہ کی پاداش میں ہے اور اگر آپ اس سے درگزر فرماتے ہیں تو آپ (سب سے زیادہ) معاف کر دینے والے ہیں۔ آپ کی ذات تو اس کے عذاب سے بھی بے پروا ہے اور یہ (ہر حال میں) آپ کی رحمت کا محتاج ہے۔ الٰہی! اس کی (معمولی) نیکی کو شرفِ قبولیت سے نواز اور اس کی برائی کو معاف فرما دے اور اسے عذابِ قبر سے بچا لے اور اپنی رحمت کے صدقے اسے اپنے عذاب سے محفوظ فرما اور جنت کے علاوہ اس کے لیے ہر ''مقام خوف'' میں کافی ہو جا۔ الٰہی اس کے پسماندگان میں سے اس کی جگہ اچھا جانشین مقرر فرما دے اور اسے جنت کے بلند مقامات پر فائز فرما۔ اور اے رحم کرنے والوں میں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی ذات اسے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے سائے تلے آنے والوں میں شمار کر۔ آمین۔

## باب، میت کو دفن کرنے کے بعد کیا کہا جائے؟

مسنون طریقہ یہ ہے کہ جو شخص قبر پر کھڑا ہو وہ (میت کو دفن کرنے کے بعد) اس کے سر کی جانب سے اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ملا کر تین (مٹی کی) مٹھیاں (اس کی قبر پر) پھینکے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ سے ایک جماعت کا کہنا ہے: کہ مستحب عمل یہ ہے کہ وہ پہلی مٹھی پر «مِنْهَا خَلَقْنَا كُمْ» کہ اس (زمین سے) ہم نے تم کو پیدا کیا'' اور دوسری مٹھی پر «فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ» اور اسی میں ہم تم کو لوٹائیں گے۔'' اور تیسری مٹھی پھینکتے وقت «وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى»[1] اور اسی (زمین) سے تم کو دوسری مرتبہ نکال باہر کریں گے۔'' آیات پڑھے۔ نیز میت کی تدفین کے بعد اس کے پاس اتنا عرصہ بیٹھنا مستحب ہے جتنے وقت میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کے لیے تیار کر لیا جاتا ہے۔ اور قبر کے

[1] طٰہ 55۔




پاس بیٹھنے والوں کو چاہیے کہ وہ تلاوتِ قرآن، میت کے لیے دعائے مغفرت، وعظ و نصیحت اور نیکوکار لوگوں کی حکایات اور ان کے حالات وغیرہ پڑھنے اور سننے میں مشغول رہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ہم بقیع الغرقد (مدینہ منورہ کے قبرستان) میں ایک جنازے کے ساتھ تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ اس (وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹہنی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے کی جانب سے موڑا اور زمین پر اس کو چلایا۔ پھر فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک شخص کا ٹھکانہ جہنم اور جنت میں (پہلے سے ہی) لکھ دیا گیا ہے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تب کیا ہم اپنی لکھی ہوئی تقدیر پر ہی اعتماد نہ کر لیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمل کرو، ہر شخص جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔''[1] اور اس طرح پوری حدیث ذکر کی۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے انھوں نے (وصیت کرتے ہوئے) فرمایا: ''کہ جب تم مجھے دفن کراؤ تو میری قبر کے آس پاس اتنا عرصہ ٹھہرو جتنے عرصے میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے کے لیے تیار کر لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور دیکھ سکوں کہ (اس کے بدلے میں) میرے رب کے فرشتے میرے پاس کیا چیز لاتے ہیں۔''[2]

اور سنن أبي داود اور سنن البیہقی میں ''حسن إسناد'' کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے: ''کہ اپنے بھائی کے لیے بخشش طلب کرو

---

① صحیح البخاري، حدیث: 1362، صحیح مسلم، حدیث: 2647، سنن أبی داؤد، حدیث: 4694، سنن الترمذی، حدیث 2137، 3341۔

② صحیح مسلم، حدیث: 121۔

اور (اللہ تعالیٰ سے) اس کی ثابت قدمی کا سوال کرو، اس لیے کہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر شافعی اصحاب رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: ''کہ ایسے وقت میں اس کی قبر کے پاس قرآن حکیم سے کچھ حصہ تلاوت کرنا مستحب ہے۔'' نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے: ''اگر وہ پورا قرآن پڑھ کر ختم کرلیں تو یہ بہت ہی اچھا عمل ہوگا۔''

اور سنن البیہقی میں ''حسن اِسناد'' کے ساتھ مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت کی تدفین کے بعد قبر پر سورۃ بقرہ کی ابتداء میں سے کچھ حصہ اور اس کا کچھ آخری حصہ تلاوت کرنا مستحب گردانتے تھے۔[2]

[**فصل**]: اور جہاں تک میّت کو دفن کرنے کے بعد اسے ''تلقین'' کرنے کا معاملہ ہے، تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے ایک بڑی جماعت نے اسے ''مستحب'' کہا ہے اور وہ حضرات جو اس عمل کے استحباب پر ''نص'' یعنی (مظہر تصدیق ثبت) کرتے ہیں ان میں ایک القاضی حسین اپنی ''تعلیق'' میں اور ان کے ساتھ ابوسعد المتولی اپنی کتاب ''التتمۃ'' میں اور اسی طرح الشیخ الامام الزاہد ابوالفتح نصر بن ابراہیم نصر المقدسی اور الامام ابوالقاسم الرافعی اور دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ ہیں۔ اور القاضی حسن رحمہ اللہ نے اسے بعض شافعی اصحاب رحمہم اللہ سے نقل بھی کیا ہے۔ اور اس (تلقین) کے الفاظ کے بارے میں الشیخ نصر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جائے تو اس کے سر کی جانب کھڑا ہو کر کہے:

«يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ اذْكُرِ الْعَهْدَ الَّذِي خَرَجت عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا: شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَ أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا، وَ أَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي

---

① سنن أبي داود، حديث: 3221، سنن البيهقي: 56/4 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

② سنن البيهقي: 56/4، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث ''موقوف حسن'' ہے۔

الْقُبُورِ، قُلْ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا، وَ بِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً، وَ بِالْقُرْآنِ إِمَامًا، وَ بِالْمُسْلِمِينَ إِخْوَانًا، رَبِّي اللّٰهُ لَا إِلٰهَ هُوَ، وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔

''اے فلاں بیٹے فلاں کے (اور یہاں اس کا اور اس کے والد کا نام لے) اپنے اس عہد کو یاد کر جس پر تو نے اس دنیا کو چھوڑا ہے۔ (اور یہ عہد) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ یکتا ذات ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (سچے) رسول ﷺ ہیں اور بے شک قیامت آنے ہی والی ہے جس کے (وقوع پذیر) ہونے میں کوئی شک نہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ قبر میں موجود ہر شخص کو اٹھائے گا۔ یہ کہو: میں راضی ہوا اللہ تعالیٰ ساتھ، اس کے رب ہونے پر اور اسلام کے ساتھ اس کے دین ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ان کے نبی ﷺ ہونے پر اور کعبۃ المشرفہ کے ساتھ اس کے ہمارا قبلہ ہونے پر اور قرآن کے ساتھ اس کے ہمارا امام ہونے پر اور تمام مسلمانوں کے ساتھ ان کے ہمارا بھائی ہونے پر کہ میرا پروردگار ایک اللہ ہے جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور وہ بڑے عرش کا پروردگار ہے۔''

یہ الفاظ الشیخ نصر المقدسی رحمہ اللہ کے اپنی کتاب ''التہذیب'' میں ذکر کردہ ہیں اور باقی اہلِ علم رحمہم اللہ کے الفاظ بھی تقریباً اس سے ملتے جلتے ہیں۔ جبکہ بعض اہل علم رحمہم اللہ کے بیان کردہ الفاظ میں کمی ہے۔ اور انھی اہلِ علم رحمہم اللہ میں سے ہیں جو کہتے ہیں: ''کہ یہ الفاظ کہے جائیں «يَاعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ أَمَةِ اللّٰهِ» کہ اے اللہ کے بندے، اے اللہ کی لونڈی کے بیٹے'' اور بعض یہ کہتے ہیں «يَاعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حَوَّاءَ» کہ اے اللہ کے بندے، اے حوا کے بیٹے! اور ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو کہتے ہیں: «يَا فُلَانُ يَا ابْنَ أَمَةِ اللّٰهِ» کہ اے فلاں (یہاں اس میت کا نام لے) اے اللہ کی لونڈی کے بیٹے۔ یا «يَا فُلَانُ بْنَ حَوَّاءَ'' کہ اے

فلاں (اس شخص کا نام لے) حضرت حواء کے بیٹے۔"

اور الشیخ الامام ابوعمرو بن الصلاح رحمہ اللہ سے اس "تلقین" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے اپنے "فتاویٰ" میں فرمایا: "کہ "تلقین" وہ عمل ہے جسے ہم پسند کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے خراسان کی ایک جماعت نے اس کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں: "اور تحقیق ہمیں اس بارے میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ملی ہے جس کی اِسناد قائم نہیں (یعنی کہ ضعیف سند ہے)[1] مگر دیگر مختلف "شواہد" اور قدیم زمانے میں اہلِ شام کے اس پر عمل نے اسے سہارا دیا ہے۔

نیز کہتے ہیں: "دودھ پیتے بچے کو "تلقین" کرنے کے بارے میں کوئی مستند دلیل نہیں اور نہ ہم اسے صحیح خیال کرتے ہیں اور اللہ اس بارے میں بہتر جانتا ہے۔

(امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں): میں کہتا ہوں کہ چھوٹے بچے کو مطلق طور "تلقین" نہیں کی جائے گی خواہ وہ شیر خوار ہو یا اس سے قدرے بڑی عمر کا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور "مکلف" نہ بن جائے" اور اللہ تعالیٰ اس بارے بہتر جانتا ہے۔

## باب، میت کی وصیت کے بارے میں کہ "اس پر فلاں شخص نماز جنازہ پڑھے یا خاص صفت پر اور خاص جگہ میں اسے دفن کیا جائے اور اسی طرح اس کے کفن اور اس سے متعلق دیگر امور جن کا کرنا جائز یا ناجائز ہے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اس حال میں آئی کہ آپ رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ تو انھوں نے فرمایا: "تم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا"؟ میں نے کہا: "تین کپڑوں میں۔" اس

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: "یہ حدیث "غریب" ہے۔ اور اس حدیث کی سند دونوں طرف سے حد درجہ ضعیف ہے۔" دیکھیے: الفتوحات الربانیہ: 4/196.

پر انھوں نے فرمایا: ”کون سے دن اللہ کے رسول ﷺ نے وفات پائی؟“ میں نے کہا: ”سوموار کے دن۔“ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ میں نے کہا: سوموار کا دن ہے۔ تب آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں بھی اسی رات (اللہ تعالیٰ سے ملاقات) کی امید کرتا ہوں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر اس کپڑے کی جانب دیکھا جس میں انھوں نے بیماری کے دن کاٹے تھے کہ اس میں زعفران کے نشانات (واضح) تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے (میری وفات کے بعد) اس کپڑے میں غسل دینا اور (اس کے علاوہ) دو مزید کپڑے لے کر مجھے ان (تین) کپڑوں میں کفن دینا۔“ (یہ سن کر) میں نے کہا: ”یہ تو بوسیدہ کپڑا ہے۔“ تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بے شک مردہ کی نسبت زندہ شخص نئے کپڑوں کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے منگل کی رات کو وفات پائی اور صبح ہونے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا۔[1]

اور صحیح بخاری میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب (قاتلانہ حملے میں) زخمی ہو گئے تو فرمانے لگے: ”جب میری روح قبض کر لی جائے تو میرا جنازہ اٹھا لو اور مجھے (اللہ کے نبی ﷺ کے روضۂ اقدس کی جانب لے چلو اور حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر) سلام کرو اور یہ کہو: کہ عمر (جوارِ رسول ﷺ میں دفن ہونے کی) اجازت چاہتا ہے۔ تو اگر (ام المؤمنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے لیے (اس بات کی) اجازت مرحمت فرما دی تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر وہ میری (اس عرض) کو لوٹا دیں، (یعنی انکار کر دیں) تو مجھے واپس مسلمانوں کے قبرستان میں لا کر دفن کر دینا۔“[2]

① صحیح البخاري، حدیث:1387، الموطا بلاغاً:1/224، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث میں (کسی مرد) میت کو تین عدد سفید کپڑوں میں کفن دینے کا استحباب ذکر ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت، آپ رضی اللہ عنہ کی فراست کی صحت و وسعت اور آپ رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں صبر و تحمل اور ثابت قدمی کا بیان ہے۔ دیکھیے: فتح الباري:3/254.

② صحیح البخاري، حدیث:1392 اور اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہے۔“

اور صحیح مسلم میں حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ (یعنی حضرت عامر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”(میری وفات کے بعد میرے لیے (قبر میں) لحد تیار کرنا اور میری قبر پر (سرہانے کی جانب) کوئی مٹی کی اینٹ وغیرہ گاڑ دینا جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے موقع پر کیا گیا۔“ ①

اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے اس حال میں کہ وہ موت کی دہلیز پر تھے، فرمایا: ”کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے (جنازے کے) ساتھ نہ کوئی نوحہ (یعنی واویلا کرنے والی اور رونے پیٹنے) والی چلے اور نہ ہی آگ لے جائی جائے۔ پھر جب تم مجھے دفن کر لو تو میری قبر پر تھوڑی تھوڑی مقدار میں مٹی سے بھری مٹھیاں پھینکنی شروع کر دو۔

بعد ازاں میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر تک ٹھہر و جتنے وقت میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے کے لیے تیار کر لیا جاتا ہے۔ کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں۔ اور میں دیکھ لوں کہ (آپ کی دعا کے نتیجے میں) میرے پروردگار کے فرشتے کس چیز کے ساتھ لوٹتے ہیں۔ ②

نیز اسی مفہوم کی حدیث جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی قبل ازیں ”میت کے گھر والوں کا اس کی وفات کے بارے میں اعلان“ کے باب میں گزر چکی ہے اور دیگر احادیث اس سلسلے میں جو ہم نے ذکر کر دی ہیں اللہ کی توفیق سے کفایت کر جائیں گی۔“

میں کہتا ہوں: ”اور ہونا یہ چاہیے کہ ہر وہ وصیت جو مرنے والا شخص کرے اس پر من وعن عمل نہ ہو اور نہ اسے پورا کیا جانا چاہیے۔ بلکہ اس کی طرف سے کی گئی وصیت کو اہل علم کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے تو جس کو وہ جائز قرار دے دیں اس کو پورا کرنا چاہیے اور جسے وہ ناجائز

① صحیح مسلم، حدیث: 996 اور لحد سے مراد ”قبر“ کے اندر میت کے دائیں پہلو میں (اور قبلہ رخ) زمین کرید کر بنایا جانے والا ”شق“ یعنی گڑھا ہے۔

② صحیح مسلم، حدیث: 121۔

کہہ دیں اس پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔ اور میں اس سلسلے میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مثال کے طور پر وہ (مرنے والا) یہ وصیت کرے کہ اسے اپنے شہر کے مسلمان قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں نیکوکار دفن کیے گئے ہیں تو اس کی اس وصیت کو پورا کرنا چاہیے۔ اور اگر وہ یہ وصیت کرے کہ اس کی نماز جنازہ کوئی اجنبی شخص پڑھائے تو کیا اس صورت میں میت کے قریبی رشتہ داروں پر کسی کو مقدم کیا جائے گا؟ اس میں اہلِ علم رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ اور ہمارے مذہب (شافعی رحمہ اللہ) کے مطابق صحیح یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار اس امامت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

لیکن اگر موصیٰ لہ (جس اجنبی کے حق میں وصیت کی گئی ہو) اچھی شہرت کا حامل، نیکی و بھلائی کے کاموں کا خوگر اور علم و عمل میں میت کے قریبی رشتہ دار سے بڑھ کر ہو تو اس کے لیے اپنے مرنے والے قریبی عزیز کی بھلائی کا لحاظ رکھتے ہوئے (کہ اس میں سراسر اس کے ساتھ آخرت کے حوالے سے ہمدردی و خیر خواہی کا پہلو نمایاں ہے) اپنے پر اس اجنبی کو ترجیح دینا مستحب ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اسے کسی تابوت میں ڈال کر دفن کیا جائے تو اس کی یہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔

ہاں اگر دفن کی جگہ اتنی نرم اور نمدار ہو کہ تابوت کے بغیر میت کی تدفین عمل میں نہ لائی جاسکے تو اس صورت میں تابوت کا استعمال جائز ہے مگر اس کی قیمتِ خرید کفن کے کپڑے کی طرح میت کے خاص اپنے مال سے ادا کی جائے گی۔ اور اگر میت یہ وصیت کرے کہ اسے کسی اور شہر میں (بغیر کسی عذر کے) دفن کیا جائے تو اس کی وصیت نافذ العمل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ صحیح اور پسندیدہ مذہب کے مطابق، جس کے کہنے والے اکثر اہل علم رحمہم اللہ ہیں اور محققین نے اس کی صراحت بھی کی ہے، میت کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنا حرام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''مکروہ'' عمل ہے۔ نیز امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''ہاں اگر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یا بیت المقدس کے قریب کسی نے وفات پائی ہو تو اسے حصول برکت کی خاطر ان پاک شہروں میں لا کر دفن کیا جاسکتا ہے۔

اگر وہ یہ وصیت کرے کہ قبر میں اس کے نیچے کوئی بچھونا بچھا کر یا سر کے نیچے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ کر دفن کیا جائے تو اس کی اس وصیت پر بھی عمل نہ کیا جائے گا۔ اور...... اسی طرح اگر وہ وصیت کرے کہ اسے ریشمی کپڑے میں کفن دیا جائے تو ( سن لیجیے ) کہ مردوں کی ریشمی کپڑے میں تکفین حرام ہے، جبکہ عورتوں کے لیے حرام تو نہیں مگر ''مکروہ'' ( ناپسندیدہ ) ضرور ہے اور اس مسئلہ میں ہیجڑہ بھی مرد کے حکم میں آتا ہے...... اور اگر مرنے والا شخص یہ وصیت کر جائے کہ اسے اتنی تعداد میں کپڑوں میں کفن دیا جائے جو کہ مشروع تعداد سے زیادہ ہو یا کسی ایسے کپڑے کے بارے میں وصیت کر جائے جو اچھی طرح بدن کو نہ ڈھانپتا ہو تو یہ وصیت بھی نافذ نہ ہوگی اور اگر وہ اس بات کی وصیت کرے کہ اس کی قبر کے پاس قرآن پڑھا جائے یا اس کی جانب سے اتنی مقدار میں صدقہ کیا جائے یا اس کے علاوہ دیگر اعمال جو قرب الٰہی کے حصول کا سبب بنتے ہیں تو اگر اس وصیت میں غیر شرعی اعمال کا وجود نہ ہو تو ایسی وصیت نافذ العمل ہو سکتی ہے۔[1]

(مثال کے طور پر ) وہ اس بات کی وصیت کرتا ہے کہ اس کا جنازہ (بغیر کسی شرعی عذر کے ) تاخیر سے پڑھایا جائے یا اس کی قبر پر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کیا جائے جس کے سبب اس کی قبر ''مرجع اہل اسلام'' بن جائے تو ایسی وصیت پر قطعاً عمل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ عمل صریحاً حرام ہے۔''

## باب، زندہ لوگوں کا جو عمل میت کو فائدہ دیتا ہے، اس کے بارے میں

علماء رحمہم اللہ! کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زندہ لوگوں کی طرف سے ''دعاء'' مرنے والوں کو فائدہ دیتی ہے اور اس کا ثواب انھیں ملتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل لیتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

[1] اس سلسلے میں خاص طور پر موجودہ دور میں مروجہ بدعات و رسومات کا خاص خیال رکھتے ہوئے ان سے بچا جائے۔ (مترجم)

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ .... الْآيَةَ﴾

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، وہ (ان کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما...... آخر تک[1]) اور اس مفہوم کی دیگر مشہور قرآنی آیات سے بھی اور اسی طرح مشہور احادیثِ رسول ﷺ سے بھی، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ» ''کہ اے اللہ! بقیع الغرقد (قبرستان) والوں کو معاف فرما دے۔[2] اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا...... الخ» کہ الٰہی ہمارے تمام زندوں اور مردوں کو بخش دے۔[3]

اور علمائے کرام میت کو قرآن حکیم پڑھنے کا ثواب پہنچنے کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں تو اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب اور اہل علم رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ قراءتِ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت نیز بعض شافعی مذہب کے قائل اصحاب کا کہنا ہے: ''کہ اس کا ثواب میت کو ملتا ہے۔ اور اس بارے میں پسندیدہ طرز عمل یہ ہے کہ پڑھنے والا شخص تلاوت سے فراغت کے بعد یہ کہے: ''اے اللہ! جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں شخص تک پہنچا دے۔''[4] اور اللہ اصل حقیقت بہتر جانتے ہیں۔ نیز میت پر ثنا پڑھنا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا بھی مستحب (اور پسندیدہ عمل) ہے۔

---

① الحشر 10.

② صحيح مسلم، حديث: 974.

③ آخر دعا تک سنن أبي داود، حديث: 3201.

④ ایسا کہنا بہر حال کسی بھی مرفوع اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا اس کے بجائے اگر وہ کوئی وقت اور جگہ مقرر کیے بغیر قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے بعد میت کے حق میں دعاء کرتا ہے تو یہ ان شاء اللہ مؤثر ہوگی۔ اور اصل حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ایک جنازہ پر سے ہوا تو انھوں نے اس کے حق میں ''ثنا'' یعنی خیر و بھلائی کی دعا کی۔ اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واجب ہوگئی۔'' پھر ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا گزر ایک اور جنازے پر سے ہوا تو انھوں نے اس کے حق میں ''شر'' کی دعا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واجب ہوگئی۔'' اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''(اے اللہ کے رسول) کیا چیز واجب ہوگئی''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: یہ (پہلا) شخص جس پر تم نے بہتری کی ''ثنا'' پڑھی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور یہ (دوسرا) شخص جس پر تم نے ''شر'' کی ثناء پڑھی تو اس کے لیے آتش جہنم واجب ہوگئی۔ ''تم تو زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔''[1]

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوالاسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں مدینہ آیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی۔ اسی اثنا میں ان لوگوں کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، جس پر خیر و برکت کی ثنا (اور دعائیہ کلمات) کہے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی۔'' پھر وہاں سے کوئی دوسرا جنازہ گزارہ گیا تو اس پر بھی خیر و برکت کے (دعائیہ) کلمات کہے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی''۔ پھر کوئی تیسرا جنازہ وہاں سے گزرا تو اس پر ''شر'' کے کلمات کے ساتھ ''ثناء'' پڑھی گئی اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے: ''واجب ہوگئی۔'' ابوالاسود کہتے ہیں: میں نے کہا: ''اے امیر المؤمنین: کیا چیز واجب ہوگئی؟ تو انھوں نے فرمایا: ''میں نے ایسے ہی کہا ہے جیسے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ''کہ جس مسلمان کے حق میں چار آدمی بھلائی کی گواہی دے دیں، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلے کا پروانہ دے دیتے ہیں۔'' تو اس پر ہم نے کہا: اور اگر تین آدمی اس کے حق میں گواہی دیں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تین آدمیوں کی گواہی پر بھی۔'' ہم

---

[1] صحيح البخاري، حديث:1367، صحيح مسلم، حديث: 949، سنن الترمذي، حديث:1058، سنن النسائي:4/49،50.

نے (پھر) کہا: ''اور اگر دو آدمی گواہی دے دیں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور دو آدمی دے دیں تب بھی۔'' پھر اس کے بعد ہم نے ایک شخص کی گواہی کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت نہیں کیا۔'' اور اس مفہوم کی اُحادیث جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے بہت زیادہ ہیں۔ واللہ اَعلم۔ ①

## باب، مُردوں کو برا بھلا کہنے (اور گالی دینے) کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مُردوں کو گالی مت دو، بے شک انھوں نے جو کچھ (اپنے اعمال کی شکل میں) آگے بھیجا ہے اسے (بدلے کی شکل میں) پالیا ہے۔'' ②

اور سنن اَبی داؤد اور سنن الترمذی میں ضعیف اِسناد کے ساتھ جسے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے فوت شدگان کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں (اور لغزشوں) کے بیان سے رک جاؤ۔'' ③

میں کہتا ہوں: ''اہلِ علم رحمہم اللہ! کا کہنا ہے کہ اس مسلمان میت کو گالی دینا حرام ہے جو کہ (اپنی زندگی میں) اپنے فسق و فجور کا پرچار نہیں کرتا تھا اور جہاں تک کافر میت اور اسی طرح اپنی زندگی میں اپنے فسق (نافرمانی کے کاموں) کا اعلان کرنے والے مسلمان کی میت کا

① صحیح البخاري، حدیث: 1368، سنن الترمذی، حدیث: 1059، سنن النسائی: 51/4.

② صحیح البخاري، حدیث: 1393، سنن أبي داؤد، حدیث: 4899، سنن النسائی: 53,52/4.

③ سنن أبي داود، حدیث: 4900، سنن الترمذی، حدیث: 1019 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ''کہ میں نے امام ترمذی رحمہ اللہ کے نسخوں میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں پائی کہ انھوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہو۔ اور انھوں نے تو اسے ''غریب'' کہا ہے۔ جبکہ اس حدیث کے بعض راوی امام بخاری رحمہ اللہ سے ''منکر الحدیث'' نقل کیے گئے ہیں۔ نیز امام اَبی داؤد نے اس پر ''سکوت'' فرمایا ہے۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''حسن'' کی شرط سے ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 211/4.

معاملہ ہے تو اس بارے میں سلف صالحین رحمہم اللہ کے ہاں اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں ایک دوسرے کے مدمقابل نصوص (شرعی دلائل) وارد ہوئی ہیں، جن کا ماحصل یہ ہے اور جو ہم نے اس باب میں بھی ذکر کر دیا ہے کہ مردوں کو گالی دینے (اور انھیں برائی کے الفاظ سے یاد کرنے) کے بارے میں نہی (یعنی ممانعت) ثابت ہوئی ہے۔ اور برے (اور شر پسند) لوگوں کو برائی سے یاد کرنے کی رخصت (یعنی جواز) میں بھی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں ان میں (سرفہرست) وہ قرآنی قصے ہیں جن کی تلاوت کا اور ان کی قرأت کی اشاعت وترویج کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے اور کثیر تعداد میں احادیث بھی ہیں جیسے وہ حدیث جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن لحی کا ذکر کیا ہے اور ابو رغال کا قصہ [1] اور وہ شخص [2] جو اپنی خاص کھونڈی سے حاجیوں کی اشیاء چرایا کرتا تھا اور اسی طرح ابن جدعان کا قصہ وغیرہ۔ [3]

---

① ابو رغال کا یہ قصہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے دیکھیے حدیث: 3088، سنن أبي داود۔

② اس شخص کا قصہ جو اپنی کھونڈی سے حجاج کرام کی چیزیں چراتا تھا اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے صلاۃ الکسوف، حدیث نمبر: 904 اور 10 میں ذکر کیا ہے۔

③ ابن جدعان ان کا اصل نام عبداللہ تھا۔ لوگوں کو بہت زیادہ کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اور بنی تیم بن مرۃ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قرابت داروں میں سے تھا۔ اس طرح وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی ٹھہرا۔ اس کا ذکر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التخریج" میں کیا ہے اور یہ شخص عہد جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں سے تھا اور صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ابن جدعان جاہلیت میں تو صلہ رحمی کرتا اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتا تھا تو کیا اسے اس کا یہ عمل فائدہ دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی (ایمان کی حالت میں) یہ نہیں کہا: اے میرے رب! جزا کے دن میری غلطیوں (اور گناہوں) کو معاف کرنا۔" اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور ایک دوسرے طریق سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی روایت میں "نام کا ذکر ہوا ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک عبداللہ بن جدعان ...... پھر آخر تک پوری حدیث مذکور ہے۔ نیز اس میں یہ اضافہ بھی ہے" کہ وہ (عبداللہ بن جدعان) مہمان نوازی کرتا، قیدیوں کو رہائی دلاتا اور پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کیا کرتا تھا۔" اور اسی طریق پر امام ابویعلی رحمہ اللہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے: "اور وہ (لوگوں کو) مصیبت سے بچاتا تھا تو اس پر اسے ثواب سے نوازا جائے گا۔" دیکھیے: الفتوحات: 4/215۔

علاوہ ازیں وہ صحیح حدیث جو گزشتہ باب میں ہم نے ذکر کی ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو انھوں نے اس پر "شر" کی ثناء پڑھی (مطلب یہ کہ اس کا برائیوں کے حوالے سے ذکر کیا) تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روکا نہیں بلکہ فرمایا: (کہ تمھارے اس ذکر سے) اس پر آتش جہنم واجب ہوگئی۔" (یہ سب اس کے جواز کی دلیلیں ہیں)...... تو اہل علم رحمہم اللہ نے ان ہر دو طرف کی دلیلوں کو جمع کرنے میں متعدد اقوال کی صورت میں اختلاف کیا ہے جن میں سے سب سے زیادہ صحیح اور واضح قول یہ ہے:

"کہ کافر مُردوں کے عیوب و نقائص اور برائیوں کا ذکر کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کے وہ فوت شدگان جو کہ (اپنی زندگی میں) فسق و بدعات اور دیگر معصیت کے کاموں کا بر ملا ارتکاب و اظہار کیا کرتے تھے تو ایسے لوگوں کے بارے میں "شر" کی گفتگو اس وقت جائز ہوگی جب اس سے مقصود ان جیسے لوگوں کو ان کے انجام سے مطلع کرنا ہو۔ نیز بدعات و خرافات اور دیگر غیر شرعی امور سے لوگوں کو بچانا مقصود ہو اور ان لوگوں کی ایسے کاموں میں پیروی سے روکنا مطلوب ہو۔ (تا کہ لوگ سن کر ان کے انجام سے عبرت پکڑ سکیں) اگر ایسی کوئی مصلحت پیش نظر نہ ہو تو مسلمان مُردوں کا "ذکرِ بد" جائز نہیں۔ اور اس مسئلہ میں بیان کردہ تفصیل کے مطابق ہی مختلف نصوص کو منطبق کیا جائے گا۔ نیز علمائے کرام رحمہم اللہ نے (علم حدیث کے ضمن میں) مجروح راویوں کے جرح کرنے کے جواز پر بھی اتفاق کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

## باب، قبروں کی زیارت کرنے والا کیا کہے؟

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں: "جس رات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع (مدینہ کے قبرستان) کی طرف نکل جاتے اور یہ دعاء فرماتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَ اَتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ، غَدًا

مُؤَجَّلُونَ، وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ؛ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»

''اے اہل ایمان قوم کے گھر کے باسیو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ تم کو ہر اس چیز سے نوازے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تم سے ملنے والے ہیں۔ الٰہی! بقیع الغرقد (میں مدفون ایمان والوں) کی مغفرت فرما۔''[1]

اور صحیح مسلم میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے (وہ کہتی ہیں) اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کیا کچھ کہوں؟ وہ قبروں کی زیارت کے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کی بابت پوچھ رہی تھیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا پڑھا کرو:

«اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ»

''کہ اہل ایمان اور مسلمان گھروں میں بسنے والوں پر سلامتی ہو اور ہم میں اور تم میں سے آگے نکل جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں (سب اہل ایمان پر) اللہ اپنی رحمت کی برکھا برسائے اور بے شک ہم، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ کو (عنقریب) ملنے والے ہیں۔''[2]

اور سنن أبي داود، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَ إِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ»

---

① صحیح مسلم، حدیث: 974، سنن النسائی: 93/4 اور عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں حدیث: 1092۔

② صحیح مسلم، حدیث 974/103۔

’’اے اہل ایمان قوم کے گھروں میں سکونت رکھنے والو! تم پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو اور بے شک ہم، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا، تم کو (عنقریب) ملنے والے ہیں۔‘‘[1]

اور سنن الترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرے تو اپنے رُخ انور سے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَ نَحْنُ بِالْاَثَرِ»

’’کہ اے اہل قبور تم پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو، اللہ ہم کو اور تم کو بخش دے، تم ہم سے پہلے یہاں آچکے اور اب ہم تمھارے نقش قدم پر ہیں (یعنی تمھارے پیچھے چلے آتے ہیں)۔‘‘[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث ’’حسن‘‘ ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان کی طرف جائیں تو ان کو ’’سلام‘‘ کہنے والا یہ دعائیہ کلمات پڑھے:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَ لَكُمُ الْعَافِيَةَ»

’’اے اہل ایمان کے گھروں میں رہنے والو تم پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو اور بے شک ہم، اگر اللہ نے چاہا تو تم کو ملنے والے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے

---

[1] سنن أبي داود، حدیث:3237، سنن النسائي: 91/4، سنن ابن ماجه، حدیث:4306. نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اور اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی طویل حدیث کی صورت میں نکالا ہے۔‘‘

[2] سنن الترمذی، حدیث:1053 اور اس کی اِسناد حسن ہے۔

لیے اور تمھارے لیے عافیت کا طلبگار ہوں۔"①

اور یہ روایت ہمیں سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں بھی اسی طرح مروی ملی ہے مگر وہاں الفاظ «لَلَاحِقُوْنَ» کے بعد ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: «أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ» "کہ تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے تابع یعنی پیچھے آنے والے ہیں۔"

اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (کے قبرستان) تشریف لائے تو فرمایا:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ، وَ إِنَّا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَ لَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُمْ»

"اے اہل ایمان قوم کے گھروں میں بسنے والو، تم پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو تم ہمارے لیے پیش رو ہو اور بے شک ہم تم کو ملنے والے ہیں۔ الٰہی ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ رکھنا اور نہ ان کے بعد سیدھی راہ سے بھٹکا دینا۔"②

اور قبروں کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب (عمل) ہے کہ وہ قبر میں مدفون اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے اور دیگر تمام فوت شدگان مسلمانوں کے لیے کثرت کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت* اور دیگر (مسنون) دعائیں اور ذکر اذکار کرے۔ اور قبروں کی کثرت سے زیارت کرنا بھی مستحب عمل ہے اور زائر کو چاہیے کہ وہ نیک اور اہل علم و فضل کی قبروں کے پاس زیادہ عرصہ ٹھہرے۔

---

① صحيح مسلم، حديث: 975، سنن النسائي: 94/4، سنن ابن ماجه، حديث: 1547 اور امام نسائی کی عَمَلُ الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَةِ میں حدیث: 1091 جیسا کہ اسے "المجتبیٰ" میں بھی لائے ہیں۔

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 596 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث" حسن ہے۔ جسے امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 221/4.

* قرآنِ حکیم کی تلاوت کی بابت اہل علم میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں بھی ذکر ہوا ہے۔ درست یہی ہے کہ اس بارے میں کوئی بھی صحیح اور واضح نص وارد نہیں ہوئی۔ (مترجم)

## باب، جو شخص قبر کی زیارت کے دوران کسی کو بے صبری سے روتا دیکھے یا کوئی اسے اور غیر شرعی کام قبر کے پاس کرتا دیکھ لے تو اسے روکنے کے بارے میں

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس (بیٹھی) رو رہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر جا اور صبر کر۔''[1]

اور سنن أبي داود، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں حسن اسناد کے ساتھ حضرت بشیر بن معبد رضی اللہ عنہ جو ابن الخصاصیہ کے نام سے مشہور ہیں سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قبروں کے درمیان جوتوں سمیت چلتے دیکھا تو فرمایا: ''اے جوتوں والے! اپنے جوتے اتار دے''[2] اور پھر پوری حدیث ذکر فرمائی۔''

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1283، صحيح مسلم، حديث: 926۔

[2] سنن أبي داؤد، حديث: 3230، سنن النسائي: 296/4، سنن ابن ماجه، حديث: 1567

اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے: ''تو اس آدمی نے دیکھا۔ پھر جب اس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو اپنے جوتوں کو اتار کر پھینک دیا۔ امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المجموع'' میں فرماتے ہیں: ''کہ ہمارے مذہب کے مطابق معروف طریقہ یہی ہے کہ قبروں کے درمیان جوتوں وغیرہ سمیت چلنا مکروہ (ناپسندیدہ) نہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ہمارے ائمہ رحمہ اللہ! اپنے موقف کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے دلیل لیتے ہیں: ''کہ جب بندہ اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی (تدفین کے بعد) واپس جانے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ، امام ابوداود اور امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ پھر وہ ابن الخصاصیہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کا دو طریقوں سے جواب دیتے ہیں: ایک یہ کہ اور یہ امام خطابی رحمہ اللہ کا جواب ہے ...... کہ وہ آدمی دولتمند (گھمنڈ رکھنے والوں) اور عیش پرستوں جیسے جوتے پہنے ہوئے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان مخصوص جوتوں میں فخر و تکبر کی چال چلتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا اور جوتے اتار دینے کو کہا۔ اور دوسرے یہ کہ شاید ان جوتوں میں کوئی نجاست و غلاظت لگی ہوئی ہو۔ تو اس طرح ان دونوں حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)





میں کہتا ہوں: ”کہ امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا فرض ہے اور اس بات پر کتاب وسنت میں وارد دلائل کی کثرت بالکل واضح ہے۔ (واللہ اعلم)

## باب، ظالموں کی قبروں اور ان کی تباہ شدہ بستیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے رونے اور خوف کھانے نیز ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور محتاجی کا اظہار کرنے اور اس عمل میں غفلت سے بچنے کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: ”یعنی جب وہ چلتے ہوئے مقام حجر اور قوم ثمود کی بستیوں کے پاس پہنچے...... ”کہ تم ان عذاب دیئے جانے والوں کے علاقے میں روتے ہوئے داخل ہو اور اگر تم آہ و بکاء نہیں کر سکتے تو پھر تم یہاں ان کے (غضب شدہ) علاقوں میں نہ آؤ، کہ مبادا تم کو بھی وہی (آفت اور اللہ کی پکڑ) آلے جیسے ان (ہلاک ہونے والوں) پر آئی۔“[1]

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 433 اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ حدیث: 2980.

# کتاب
# مخصوص نمازوں میں پڑھے جانے والے
# اذکار کی کتاب

## باب، جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات پڑھی جانے والی مسنون دعائیں اور اذکار کے بارے میں

جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرنا اور دیگر مسنون اذکار اور دعائیں نیز اللہ کے رسول ﷺ پر درود پڑھنا مستحب (یعنی سنت) ہے۔ نیز جمعہ کے دن "سورہ کہف" پڑھنے کا خاص اہتمام کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الام" میں کہتے ہیں: "کہ میں "سورۃ الکہف" جمعہ کی رات کو بھی پڑھنا مستحب گردانتا ہوں۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر فرمایا اور کہا: "کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اس وقت جو بھی مسلمان بندہ نماز میں کھڑے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو وہ (اللہ) اسے وہ چیز عطا فرماتا ہے۔"[1]

"میں کہتا ہوں کہ اس گھڑی (یعنی وقت) کے تعین کے سلسلے میں علمائے سلف (یعنی پہلے گزر جانے والے) اور خلف (یعنی بعد میں آنے والوں) نے بہت زیادہ تعداد میں اور انتہائی مشہور اقوال پر اختلاف کیا ہے اور میں نے اس مسئلہ میں مذکور تمام اقوال بشمول ان

[1] صحيح البخاري، حديث: 935، صحيح مسلم، حديث: 852 الموطا:1/108، سنن النسائي:3/115، ص 116 'المجتبىٰ' میں اور عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں حدیث: 469.





کے کہنے والوں کے ''شرح المہذّب'' کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت زیادہ تعداد کے مطابق یہ گھڑی جمعہ کے دن ''عصر'' کے بعد آتی ہے۔ اور حدیث میں ''نماز'' میں کھڑے ہونے سے مراد وہ شخص بھی لیا گیا ہے، جو نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا رہے اس لیے کہ اس کا نماز کے انتظار میں بیٹھنا، نماز پڑھنے کے حکم میں ہے اور اس بارے میں سب سے زیادہ درست بات درج ذیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

جو ہمیں صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں ''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:'' کہ وہ (گھڑی) امام کے (خطبہ کے لیے) منبر پر بیٹھنے سے لے کر اس کے نماز ختم کرنے تک کے درمیان کسی وقت آتی ہے۔''[1]

اور جہاں تک جمعہ کے دن '' سورۃ الکہف'' اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (کثرت کے ساتھ) درود پڑھنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں مشہور اُحادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوئی ہیں، جنھیں میں نے ایک تو ان کی شہرت کی وجہ سے اور دوسرے کتاب کی طوالت کے پیش نظر نقل نہیں کیا۔ اور اس لیے بھی کہ ان میں سے چند احادیث کا ذکر قبل ازیں متعلقہ ابواب میں ہو چکا ہے۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے دن صبح کی نماز سے پہلے تین بار یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے (تمام) گناہ معاف کر دیتے ہیں خواہ وہ (مقدار میں) سمندر کے جھاگ کی مانند کیوں نہ ہوں۔ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ» ''میں (اپنے گناہوں کی) معافی چاہتا ہوں اس اللہ کی ذات سے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی اور قائم رہنے والی ذات ہے اور میں اسی کی طرف تائب ہوتا ہوں۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث:853، سنن أبي داود، حدیث:1049.

[2] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:82 اس کی اسناد ضعیف ہے اور گزشتہ صفحات میں بھی ذکر ہو چکی ہے۔

اور ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لاتے تو دروازے کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر یہ دعاء فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَوْجَهَ إِلَيْكَ ، وَ أَقْرَبَ مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيْكَ ، وَ أَفْضَلَ مَنْ سَأَلَكَ وَ رَغِبَ إِلَيْكَ»

''الٰہی مجھے ان لوگوں کی نسبت جو آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اپنی ذات کی طرف زیادہ متوجہ ہونے والا بنادے اور جو لوگ آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں، ان کی نسبت مجھے اپنا زیادہ مقرب بنالے۔ اور جو لوگ آپ سے سوال کرتے اور آپ کی طرف رغبت رکھتے ہیں ان سے کہیں بڑھ کر مجھے صاحب فضل بنادے۔''①

''میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے لیے مستحب یہ ہے کہ ہم یہ دعا ان الفاظ میں پڑھا کریں:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْجَهِ مَنْ تَوَجَّهَ اِلَيْكَ وَ مِنْ اَقْرَبِ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيْكَ ، وَ مِنْ اَفْضَلِ مَنْ سَأَلَكَ وَ رَغِبَ اِلَيْكَ»

''الٰہی مجھے اپنی ذات کی طرف متوجہ ہونے والوں کی نسبت زیادہ متوجہ ہونے والا کر دے اور آپ کی ذات کا قرب حاصل کرنے والوں کی نسبت اپنا زیادہ مقرب بنالے اور جو آپ سے سوال کرتے یا آپ کی جانب رغبت رکھتے ہیں ان کی نسبت مجھے زیادہ صاحب فضل بنادے۔

اور جمعہ کی نماز میں اور جمعہ کے دن صبح کی نماز میں پڑھی جانے والی مسنون آیات اور سورتوں کا ذکر گزشتہ اذکارِ نماز کے باب میں گزر چکا ہے۔''

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص جمعہ کی نماز

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:276 اور اس کی سند ضعیف ہے اس لیے اس میں دو راوی مجہول ہیں۔

کے بعد سورت ( «قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ...... آخر تک )اور سورت (قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ...... آخر تک )اور سورت (قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ......آخر تک ) سات مرتبہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس عمل کے بدلے میں اس کو دوسرے جمعہ تک برائی (اور بدبختی ) سے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ ①

[فصل]: اسی طرح نماز جمعہ سے فراغت پانے کے بعد کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

تو جب نماز ( جمعہ ) پوری ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر بھی کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" ②

## باب، عیدین کے موقع پر پڑھے جانے والے مشروع أذکار کے بارے میں

یہ بات جان لیجیے کہ آنحضور ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر عیدین کی دونوں راتوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نوافل وغیرہ کی ادائیگی اور دیگر عبادات سے زندہ رکھنا (مطلب یہ کہ شب بیداری کرنا مستحب ہے") کہ جس شخص نے عیدین کی راتوں کو (اللہ کی عبادت سے ) زندہ کیا تو اس کا دل، جس دن کہ دل مردہ ہو جائیں گے، مردہ نہ ہوگا۔" اور یہ الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں۔ ترجمہ: کہ جس شخص نے عیدین کی دونوں راتوں میں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے ( نیز ) ثواب کا امیدوار رہتے ہوئے قیام کیا تو اس کا دل، جس وقت کہ

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب: حدیث:377، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے۔ اور صحیح أحادیث میں جو مسنون ذکر وارد ہوا ہے اس کے بعد اسے مقید کیا جانا چاہیے۔ نیز امام مکحول رحمہ اللہ کی مراسیل میں سے ایک مرسل روایت اس کی شاہد بھی ہے۔/اسے سعید بن منصور نے "السنن" میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات:4/232.

② الجمعہ 10.




دل مردہ ہو جائیں گے، مردہ نہ ہوگا...... اسی طرح ہی امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ[1] کی روایتوں میں بھی ذکر ہوا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے جو ہمیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے مروی ملی ہے۔ اور یہ ہر دو اعتبار سے ضعیف ہے۔ مگر فضائل میں وارد اَحادیث کے بارے میں (بعض محدثین کے نزدیک) تسامح برتا گیا ہے (کہ ان کے بیان میں کوئی حرج نہیں) جیسا کہ ہم نے کتاب کے شروع میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔'' اور اہل علم رحمہم اللہ عید کی رات (شب بیداری) کی اس مقدار میں اختلاف کرتے ہیں جس سے حدیث میں مذکور اجر و ثواب کا ایک انسان مستحق ٹھہرتا ہے تو حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ وہ رات کا زیادہ حصہ بیدار رہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر رات کی ایک گھڑی بھی عبادت و ریاضت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزار دے تو اس کو یہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔

[**فصل**]: اور عیدین کی دونوں راتوں میں ''تکبیرات'' کہنا مستحب ہے۔ عیدالفطر میں (رمضان المبارک کے آخری دن) غروب آفتاب سے لے کر عید کی نماز میں امام کے تکبیر تحریمہ «اللّٰه اکبر» کہنے تک تکبیرات کہنا مستحب (یعنی مسنون) ہے۔ نیز دیگر نمازوں کے بعد اور ان کے علاوہ اوقات میں بھی یہ تکبیرات کہنا مستحب عمل ہے۔ اور خاص طور پر جہاں لوگوں کا زیادہ ہجوم ہو وہاں آدمی ان تکبیرات کا زیادہ اہتمام کرے۔ اسی طرح چلتے ہوئے، بیٹھتے ہوئے اور لیٹتے ہوئے راستوں پر آتے جاتے، مسجد میں، نماز کے بعد اور اپنے بستر پر کثرت سے تکبیرات کہے۔

اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر عرفات میں حاجیوں کے ٹھہرنے کے دن یعنی ''یوم عرفہ'' نو ذی الحجہ کو صبح کی نماز کے بعد سے لے کر ''ایام تشریق'' کے آخری دن عصر کی نماز تک (اور یہ پانچ

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: 1782 اور ''الزوائد'' میں ہے: ''کہ بقیہ راویوں کی تدلیس'' کی بناء پر اس کی اسناد ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب اور مضطرب الاسناد ہے (یعنی اس کی سند میں اضطراب بھی ہے)...... دیکھیے: الفتوحات: 4/235.




دن بنتے ہیں) تکبیرات کہے اور اس آخری دن "عصر" کی نماز کے بعد تکبیرات کہہ کر پھر سلسلہ منقطع کر دے۔ اور یہی وہ سب سے زیادہ درست طریقہ ہے جس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ اگر چہ اس میں ہمارے اور ہمارے علاوہ دیگر مذہب رکھنے والے ائمہ ﷭ میں مشہور اختلاف بھی ہے مگر صحیح بات وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس باب میں اُحادیث بھی وارد ہوئی ہیں، جو ہمیں سنن البیہقی میں مروی ملی ہیں۔ ان تمام احادیث اور ائمہ ﷭ کے مذاہب کو، میں نے واضح طور پر، "شرح المہذب" میں بمعہ ان سے متعلقہ تمام فروعات کے ذکر کر دیا ہے، جبکہ یہاں اختصار کے ساتھ ان کے صرف مقاصد کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا۔"

ہمارے شافعی ائمہ کرام ﷭ کا کہنا ہے: "کہ تکبیر کہتے وقت آدمی یہ الفاظ کہے: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ» اسی طرح مسلسل تین مرتبہ پڑھے۔ اور حسب ارادہ انھیں الفاظ کو بار بار دہرائے۔ امام شافعی ﷫ اور دیگر ائمہ کرام ﷭ کہتے ہیں: "کہ اگر وہ اور زیادہ کرنا چاہے تو یہ الفاظ کہنا بہت عمدہ ہوگا:

«اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيلًا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَ نَصَرَ عَبْدَهُ، وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ»

"اللہ بہت ہی بڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی تعریفات بہت زیادہ تعداد میں ہوں اور اللہ تعالیٰ پاک ذات ہے، صبح وشام (میری) تسبیح کے ساتھ، اس اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور ہم اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے سوائے اس کی ذات کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ خواہ کفار اس بات کو ناپسند ہی کیوں نہ جانیں۔ اس اللہ واحد کے سوا اور کوئی حق کے ساتھ عبادت کا مستحق نہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے (رسول ﷺ) کی مدد کی اور اس یکتا ذات نے ہی (دشمن کے) گروہوں کو

شکست فاش دی، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے۔

اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے: ''کہ تکبیرات کے سلسلے میں جو الفاظ عام لوگوں نے اپنا لیے ہیں ان کو اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور وہ کلمات یہ ہیں:

«اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ»

''اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ کے لیے ہی ہر قسم کی ستائش ہے۔''

[**فصل**]: یہ بھی جان لیجیے کہ تکبیرات کے دنوں میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا کارِ ثواب ہے، خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل، یا نمازِ جنازہ اور خواہ وہ وقت پر ادا کی جانے والی فرض نماز ہو یا قضاء نماز کی ادائیگی ہو یا کسی نذر وغیرہ کے سلسلے میں نماز پڑھی جا رہی ہو اور ان میں بعض مواقع پر علماء کے مابین اختلاف بھی ہوا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔ مگر اس بارے میں صحیح مذہب یہی ہے، جو میں نے ذکر کر دیا ہے اور اسی پر ہی اہلِ علم کا فتویٰ اور عمل بھی ہے ...... اور اگر امام مقتدی کے ذہن و اعتقاد کے برخلاف تکبیرات کہتا ہے۔ مثال کے طور پر امام ''عرفہ کے دن'' یا اس کے بعد ''ایامِ تشریق'' (یعنی ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں تکبیرات کہنا مشروع خیال کرتا ہے اور مقتدی ایسا نہیں سمجھتا، یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو کیا اس صورت میں مقتدی امام کی اقتداء اور پیروی کرے یا اپنے اعتقاد اور ذہن کے مطابق ہی عمل کرے؟ تو اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کے ہاں دو صورتیں ہیں۔ جن میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ امام کی اقتداء اور پیروی کی پابندی نماز کے اختتام پر سلام پھیرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس بات کے کہ اگر امام عید کی نماز میں مقتدی کے خیال کے برعکس تکبیرات زیادہ کہتا ہے تو اس وقت





مقتدی بہر حال امام کی لازمی طور پر پیروی کرے۔

[**فصل**]: اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام عید کی نماز میں قراءت (یعنی تلاوتِ قرآن) سے پہلے (عام نمازوں کی نسبت) زائد تکبیرات کہے تو وہ پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح (یعنی تکبیر تحریمہ) کے علاوہ سات تکبیرات کہے گا اور دوسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے وقت کہی جانے والی تکبیر کے علاوہ (قراءت سے پہلے) پانچ تکبیریں کہے گا اور پہلی رکعت میں تکبیرات ''دعاءِ استفتاح'' کے بعد اور تعوذ (أَعُوْذُ بِاللّٰهِ ..... آخر تک) پڑھنے سے پہلے، جبکہ دوسری رکعت میں ''تعوذ'' سے پہلے کہی جائیں گی۔ اسی طرح امام (اور مقتدی) کے لیے مستحب ہے کہ وہ ہر دو تکبیروں کے درمیان «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ» کے الفاظ کہیں، اسی طرح ہی ہمارے اکثر ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے اور ہمارے بعض دیگر ائمہ رحمہم اللہ! کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت یہ کلمات کہیں:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»

''کہ اس یکتا اللہ کی ذات کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کے لیے ساری بادشاہی اور ہر قسم کی تعریف و ستائش ہے اسی کے دستِ (قدرت) میں ہر قسم کی بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے ابو نصر بن الصباغ رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں: اگر (امام و مقتدی) وہ الفاظ کہیں جو عام لوگوں کے اختیار کردہ ہیں تو یہ طریقہ بہت بہتر ہے۔ اور وہ الفاظ یہ ہیں: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا، سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا» اللہ بہت بڑا ہے اور ہر قسم کی تعریفات بہت زیادہ مقدار میں اللہ کے لیے ہیں۔ اللہ کی ذات پاک ہے (میری) صبح و شام کی تسبیح کے ساتھ۔''

اور یہ سب کچھ آدمی کی وسعت اور توفیق پر منحصر ہے۔ اس میں کوئی پابندی یا تنگی نہیں۔ اور اگر وہ یہ سارے اذکار یہاں تک کہ وہ پہلی رکعت کی سات اور دوسری رکعت کی پانچ

تکبیرات کہنی بھی چھوڑ دیتا ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اور اس پر کوئی سجدۂ سہو وغیرہ نہیں ہے۔ ہاں اس صورت میں وہ فضیلت (اور اس کے اجر وثواب) سے محروم ضرور ہو جائے گا۔ اور اگر وہ تکبیرات کہنا بھول جائے یہاں تک کہ سورۃ فاتحہ اور قرآن کی سورت بھی پڑھ لے تو یاد آنے پر بھی، صحیح قول کے مطابق، چھوڑی ہوئی تکبیرات نہ کہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک ''ضعیف قول'' یہ بھی مروی ہے کہ وہ ''قرأت'' کے بعد تکبیرات کہے گا...... اور جہاں تک عید کی نماز کے بعد دیے جانے والے دو خطبوں کا تعلق ہے تو مستحب یہ ہے کہ امام پہلے خطبہ کے آغاز میں نو اور دوسرے خطبے میں سات تکبیرات کہے اور عید کی نماز میں قرآن حکیم کا کونسا حصہ تلاوت کرے؟ تو اس بارے میں گزشتہ باب ''اذکارِ نماز کے اوصاف کے بارے'' میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ کونسی سورت کس رکعت میں پڑھنا مسنون ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ''سورۃ ق'' اور دوسری رکعت میں سورت «اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... إلخ» پڑھے اور اگر وہ چاہے تو پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورت «سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى» اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت «هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ» بھی پڑھ سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

## باب، ذی الحجہ کے پہلے 10 دنوں میں پڑھے جانے والے اذکار کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ﴾

''اور معلوم دنوں میں اللہ کا نام لیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور اہل علم رحمہم اللہ! کہتے ہیں: ''کہ یہ معلوم میں کثرت سے ذکر الٰہی مسنون عمل ہے اور ان 10 دنوں میں ''وقوفِ عرفہ'' (یعنی 9

[1] الحج 28.

دن ذی الحجہ کے پہلے دس 10 ہیں۔'' اور یہ بھی جان لیجیے کہ باقی دنوں کی نسبت ان 10 دنوں ذی الحجہ کو حاجیوں کے عرفات کے میدان میں ٹھہرنے ) کے دن کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس دن باقی 9 دنوں کی نسبت زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی مستحب عمل ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اور دنوں میں نیکی کا عمل اتنی فضیلت کا حامل نہیں جتنا کہ ذی الحجہ کے ابتدائی 10 دنوں میں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ''کیا اور دنوں میں اللہ کے راستے میں ''جہاد'' بھی اتنی اہمیت نہیں رکھتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اور جہاد بھی نہیں۔''

ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور مال لے کر ( اللہ کے راستے میں ) نکلا ہو اور ان میں سے کوئی بھی چیز لے کر واپس نہ پلٹا ہو۔'' یہ الفاظ تو ''صحیح بخاری'' کی روایت کے ہیں اور ''صحیح'' ہیں۔ جبکہ ''جامع الترمذی'' کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''کہ ان 10 دنوں میں، جس قدر نیکی کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں ''محبوب'' ہیں اور دنوں میں اتنے محبوب نہیں'' اور سنن أبی داؤد کی روایت میں بھی ان سے ملتے جلتے الفاظ ہیں۔''[1]

اور امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمہ اللہ کی ''مسند'' میں صحیحین کی اسناد کے ساتھ مروی ہمیں روایت ملی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ذکر ہوا ہے: ''کہ ذی الحجہ کے (ان 10 ) دنوں میں نیکی کا عمل اور دنوں میں عمل کی نسبت بہت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے کہا گیا ''اور اللہ کے راستے میں جہاد'' کا عمل بھی نہیں؟......

اور پھر تمام روایت کا ذکر ہوا ہے۔ اور ایک روایت میں ''ذی الحجہ'' کے 10 دنوں کے بجائے'' عید قربان کے 10 دنوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔[2]

اور سنن الترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

① صحيح البخاري، حديث: 969، جامع الترمذي، حديث: 757.

② سنن الدارمي: 2/26،25.

نے فرمایا: ”دعاؤں میں سے سب سے بہتر دعا“ وقوفِ عرفہ“ (یعنی 9 ذی الحجہ ) کی ہے اور سب سے بہتر ذکر
جو میں نے اور مجھ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام نے کیا وہ یہ ہے:
«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»
”کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، وہ یکتا ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اور ہر قسم کی ستائش اسی کو سزاوار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“[1]

اس کی اسناد کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور موطا امام مالک رحمہ اللہ میں ”مرسل اسناد“ کے ساتھ اور مذکورہ الفاظ کی کمی کے ساتھ ہمیں روایت ملی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”کہ سب سے افضل دعا، وقوف عرفہ (یعنی 9 ذی الحجہ) کے دن کی دعاء ہے اور سب سے افضل جو میں نے اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء علیہم السلام نے کہا وہ یہ ہے: «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ»[2]

اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم[3] سے مروی ہمیں خبر پہنچی ہے کہ انھوں نے

---

① جامع الترمذی، حدیث: 3579، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ”حدیث غریب“ ہے۔ جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس طریق سے یہ حدیث غریب ہے اور اس کے بعد آنے والی موطاء امام مالک کی حدیث اس کی ”شاہد“ ہے۔

② المؤطا، حدیث: 246، نیز امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”کہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس حدیث کے ”مرسل“ روایت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی میں نے اس ”اسناد“ سے اسے ”مسند“ حفظ کیا ہے کہ اس کے کسی ”طریق“ سے حجت (دلیل) پکڑی جاسکے اور ”فضائل اعمال“ میں وارد احادیث بھی اس سے دلیل پکڑنے کی محتاج نہیں اور یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مسند بھی وارد ہوئی ہے۔

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”کہ اسے اختصار کے ساتھ ابونعیم رحمہ اللہ نے ”الحلیۃ“ میں سالم کے ترجمہ کے تحت نکالا ہے۔ دیکھیے، الفتوحات: جلد 4، ص: 249 نکالا ہے۔

ایک سائل کو دیکھا جو وقوفِ عرفہ کے دن (عرفات کے میدان میں) لوگوں سے مانگتا پھرتا تھا تو انھوں (یعنی حضرت سالم رضی اللہ عنہ) نے اسے کہا: ''اے عاجز! (کیا) آج کے دن بھی غیر اللہ (یعنی اللہ کے علاوہ) سے مانگا جاتا تھا۔''

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی ''صحیح''[1] میں کہتے ہیں: کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''منیٰ'' میں موجود اپنے قبہ میں (اتنی بلند آواز میں) تکبیر کہتے کہ مسجد میں موجود لوگ بھی سن لیتے تو وہ بھی تکبیریں کہتے اور (پھر ساتھ ہی) بازاروں (اور منڈیوں) میں موجود لوگ بھی تکبیریں کہنا شروع کر دیتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان تکبیروں کی آواز سے گونج اٹھتا۔''

نیز امام بخاری رحمہ اللہ![2] نے کہا ہے: حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ذی الحجہ کے (ابتدائی) 10 دنوں میں تکبیریں کہتے ہوئے منڈی کی جانب نکل جایا کرتے اور پھر دیگر لوگ بھی ان کے ساتھ مل کر تکبیریں کہتے تھے۔''

## باب، سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت پڑھے جانے والے مشروع اذکار کے بیان میں

یہ جان لیجیے! کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور ''دعائیں'' کرنا مسنون عمل ہے اور اسی طرح گرہن کے دوران نماز کا اہتمام بھی تمام اہل اسلام کے اجماع کے ساتھ سنت طریقہ ہے۔

صحیح بخاری اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں جو کہ نہ کسی کی موت پر بے نور ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے پر۔ تو جب تم انھیں گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرو اور تکبیریں کہو (یعنی اس کی بڑائی

---

① صحيح البخاري: 461/2، منیٰ کے دنوں میں تکبیریں کہنے کا باب'' اور اگلے دن جب صبح کو عرفات جاتے ہیں۔

بیان کرو) اور صدقہ کرو۔"[1] اور ایک روایت میں (جو صحیحین ہی کی ہے) صرف یہ ذکر ہوا ہے: "تو جب تم ان کو گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔" اور اسی طرح یہ روایت ہمیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بھی ملی ہے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اسے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "کہ جب تم ان (سورج اور چاند) کو گرہن کی حالت میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کے حضور التجاء اور اپنے گناہوں کی معافی کی فکر کرو"..... نیز امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

تو جب تم ان دونوں (سورج اور چاند) کو گرہن زدہ دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو اور نماز پڑھو۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے[2]

اور صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: "میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس حال میں کہ سورج گرہن لگ چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) تکبیر (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) اور تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کے اذکار پڑھنا

---

[1] صحیح بخاری میں یہ مذکور ہے: "اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں (خاص طور پر) ان دنوں میں تکبیریں کہا کرتے نیز فرض نمازوں کے بعد، اپنے بستر پر جاتے ہوئے، اپنے جھونپڑے میں، اپنی مجلس میں اور چلتے پھرتے ان دنوں میں تکبیروں کا التزام کرتے تھے۔

[2] صحيح البخاري، حديث: 1044، صحيح مسلم، حديث: 903,902,901، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور صحيح البخاري، حديث: 1052، صحيح مسلم، حديث: 907، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور صحيح البخاري، حديث: 1059، صحيح مسلم، حديث: 912 حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور صحيح البخاري، حديث: 1060، وصحيح مسلم، حديث: 915، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور صحيح البخاري، حديث: 1040 حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔"

شروع کیے اور دعاء بھی کرتے رہے، یہاں تک کہ سورج گرہن ختم ہو گیا تو جب یہ گرہن ختم ہو چکا تو آپ ﷺ نے دو سورتیں تلاوت کیں اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔'' [1]

[فصل]: اور سورج یا چاند گرہن کے وقت ادا کی جانے والی نماز میں قرأت کو لمبا کرنا ''مستحب'' ہے۔ لہٰذا نمازی آدمی کو چاہیے کہ وہ پہلی رکعت کے قیام میں ''سورۂ بقرۃ'' جیسی سورت اور دوسری رکعت کے قیام میں دو سو آیات کے مثل، تیسری رکعت کے قیام میں ڈیڑھ سو اور چوتھی رکعت کے قیام میں سو آیات تلاوت کرے۔ اور اسی طرح پہلے رکوع میں سو آیات کی مقدار کے برابر تسبیح «سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ» پڑھے۔ اور دوسرے اور تیسرے رکوع میں ستر اور چوتھے رکوع میں پچاس آیات کی مقدار کے برابر تسبیحات پڑھے۔ اور جہاں تک سجدے کا تعلق ہے تو اسے رکوع کی مقدار کے برابر لمبا کرے۔ مطلب یہ کہ پہلا سجدہ پہلے رکوع کے برابر اور دوسرا سجدہ دوسرے رکوع کی مقدار کے برابر ہونا چاہیے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ اگر چہ اس بارے میں علماء کرام کے مابین اختلاف معروف ہے اور آپ کو جو کچھ کہ میں نے سجدوں کے لمبا کرنے میں استحباب کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ بالکل شک میں نہیں پڑنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کی اکثر کتابوں میں مشہور قول یہ ذکر ہوا ہے کہ ''سجدہ'' لمبا نہ کیا جائے تو یہ بات غلط بھی ہے اور ضعیف بھی۔ بلکہ درست بات یہ ہے کہ سجدہ بھی لمبا کیا جائے گا اور (اس کی دلیل) اللہ کے رسول ﷺ سے ''کثرتِ طرق'' کے ساتھ ثابت شدہ صحیحین کی حدیث بھی ہے۔ اور تحقیق میں نے اس مسئلہ کو ''دلائل'' اور ''شواہد'' سمیت کتاب ''شرح المہذب'' میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہاں بھی میں نے جو کچھ وہاں ذکر کیا ہے، اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ تاکہ آپ اس مسئلہ کی بابت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے تو متعدد مقامات پر سجدے کو لمبا کرنے کے استحباب پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ (واللہ اعلم)

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: کہ ''نمازی دو سجدوں کے درمیان جلوس (یعنی بیٹھنے)

---

[1] صحيح مسلم، حديث:913، سنن أبي داود، حديث:1195، سنن النسائي:3:125-

کو لمبا نہ کرے بلکہ اس نماز میں بھی وہ دوسری نمازوں میں اختیار کردہ عام معمول کے مطابق عمل کرے اور یہ بات جو انھوں نے کہی ہے۔ بہر حال ''محل نظر'' ہے۔ اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس ''جلوس'' کو بھی لمبا کرے۔ اور یہ بات بھی میں نے ''شرح المہذب'' میں واضح طور پر ذکر کر دی ہے کہ پسندیدہ عمل سجدے کو لمبا کرنا ہی ہے۔ اور دورانِ نماز یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دوسری رکعت میں رکوع، تشہد اور دو سجدوں کے درمیان جلوس (بیٹھنا) اعتدال کی حد سے لمبا نہ ہو (مطلب یہ کہ دونوں رکعتوں میں تناسب اور توازن قائم رہنا چاہیے۔) اور اصل حقیقت اللہ خوب جانتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص پوری نماز میں یہ تطویل (یعنی قیام اور رکوع و سجود کو لمبا کرنا) چھوڑ دیتا ہے اور قیام میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر ہی اکتفاء کرتا ہے تو اس کی نماز درست ہوگی۔''......

اور یہ عمل مستحب ہے کہ آدمی ہر رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» ''کہ اللہ نے اس شخص کو جس نے اس کی تعریف کی سن لیا۔ اے ہمارے رب! ہر قسم کی ستائش آپ ہی کے لیے ہے۔''

اور ہمیں اس سلسلے میں ''صحیح'' میں مذکور روایت ملی ہے[1] اور چاند گرہن میں سری یعنی آہستگی سے قراءت کرنا مستحب ہے۔

پھر نماز سے فراغت کے بعد امام دو خطبے پڑھے۔ جس میں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور سزا سے ڈرائے۔ اور انھیں اللہ جل شانہ کی اطاعت و فرمانبرداری، کثرت سے صدقہ و خیرات کرنے اور غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے پر انگیخت دلائے۔ اور یہ سب باتیں صحیح اور مشہور احادیث سے ثابت ہیں۔ بعد ازاں وہ حاضرین کو اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کا شکر بجالانے کی تاکید کرے اور انھیں عبادات کے سلسلے میں غفلت و کوتاہی میں پڑے رہنے سے خوف دلائے۔ اور اللہ اصل حقیقت سے خوب واقف ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 913، سنن أبي داود، حدیث: 1195، سنن النسائي جلد3، ص: 125.

صحیح بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں:
"کہ تحقیق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلاموں کی گردنیں آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔"[1]

## باب، استسقاء (یعنی قحط کے وقت بارش کے حصول کے لیے) پڑھی جانے والی دعاؤں اور أذکار کے بارے میں

قحط یا خشک سالی کے وقت پورے خشوع اور عاجزی وانکساری کے ساتھ کثرت سے دعا، ذکر اذکار اور استغفار کرنا چاہیے اور ایسے مواقع پر پڑھی جانے والی دعائیں درج ذیل ہیں:
«اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا ھَنِیْئًا مَرِیْئًا غَدَقًا،[2] مُجَلِّلًا،[3] سَحًّا،[4] عَامًّا طَبَقًا[5] دَائِمًا، اَللّٰھُمَّ عَلَی الظِّرَابِ وَ مَنَابِتِ الشَّجَرِ، وَ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1054، صحيح مسلم، حديث: 905، الموطأ: 188/1، سنن النسائي: 151/3.

[2] غَدَقًا: امام الأزہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بہت زیادہ پانی جو خیرو برکت کا باعث ہو" اور ابن الجزری رحمہ اللہ کا کہنا ہے:" اس سے مراد بڑے بڑے قطروں والی بارش ہے۔ جبکہ امام الجوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: «غَدَقَتِ الْعَيْنُ» یعنی چشمہ پانی سے لبالب بھر گیا۔ تو معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ "دال" کے فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ ہوگا تو "مصدر" اور اگر "دال" کے کسرہ (یعنی زیر) کے ساتھ ہوگا تو "صفت" کے طور پر استعمال ہوگا۔

[3] مُجَلِّلًا: یعنی جو شہروں اور آبادیوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو اور خیرو برکت سے سب کو ڈھانپ لے۔ ابن الجزری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "لام" کے فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ مفعول کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور "الحرز" میں کہا گیا ہے:" تب شاید اس کا مفہوم یہ ہو کہ وہ بارش جو کہ زمین کو تمام اطراف سے احاطہ کرکے سیراب کردے اور کلام کے ظاہر سے اس کا مفعول کے طور پر استعمال ہونا ہی زیادہ صحیح ہے۔

[4] سَحًّا: یعنی جو زمین پر شدت اور سختی کے ساتھ واقع ہو کہا جاتا ہے: سَحَّ الْمَاءُ: جب پانی اوپر سے نیچے کی طرف گر کر بہہ پڑے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے: سَاحَ الْوَادِي يَسِيْحُ: جب پانی زمین کی سطح پر بہنے لگے۔

[5] اور مذکورہ دعا میں عَامًّا سے مراد ایسی بارش کی رحمت جو اہلِ زمین پر تمام مخلوقات کے لیے منفعت بخش ہو۔ اور الظِّرَاب ظَرِب کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ پہاڑ جو زیادہ بلندی میں نہ ہو یعنی ٹیلے وغیرہ (واللہ اعلم)۔

بُطُونِ الْأَوْدِيَةِ؛ اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ إِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا، فَأَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْنَا مِدْرَارًا؛ اللَّهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِينَ. اللَّهُمَّ أَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ، وَ أَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ، واسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمَاءِ، وَ أَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ؛ اللَّهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَهْدَ وَالْجُوعَ وَالْعُرْيَ، وَ اكْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يَكْشِفُهُ غَيْرُكَ»

''الٰہی! ہم کو ایسی بارش سے سیراب فرما دے، جو ہماری (تنگدستی میں) مددگار، ہمارے لیے راحت وسکون اور فرحت وشادمانی (یعنی آسانی وشادابی کا باعث) ہو، جو کہ مقدار میں بہت زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ خیر و برکت لائے۔ شہروں اور آبادیوں کے لیے منفعت بخش ہو نیز ایسی موسلا دھار بارش جو کسی قسم کی کوئی کمی نہ چھوڑے۔ زمین میں موجود تمام مخلوقات کے لیے نفع بخش، پے در پے نازل ہونے والی، ہمیشہ کے لیے رحمت کا سبب ہو۔ الٰہی ٹیلوں پر، جنگلات پر اور وادیوں اور کھلے میدانوں میں ابر رحمت برسا۔ الٰہی بے شک ہم آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں بلاشک آپ بہت زیادہ اور بار بار معاف کر دینے والے ہیں۔ تو ہم پر موسلا دھار بارش برسا دے۔''

الٰہی ہم کو بارش سے سیراب فرما دے اور ہم کو اپنی رحمت سے ناامید لوگوں میں سے نہ کر۔ الٰہی ہمارے لیے کھیتی اگا دے اور ہماری خاطر جانوروں کے تھنوں میں دودھ وافر مقدار میں جاری کر دے اور ہمیں آسمان کی برکات سے بہرہ ور فرما دے اور ہمارے لیے زمین کی (پوشیدہ) برکات کو وا کر دے۔

الٰہی! ہم سے (ہر قسم کی) تنگدستی، بھوک اور (فقر کی وجہ سے طاری) عریانی دور کر دے اور ہم سے (ہر قسم کی) آزمائش اور مصیبت کو کھول دے (یعنی اٹھا لے) جو کہ آپ کی ذات کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں اٹھا سکتا۔''

اور خشک سالی یا قحط کے موقعہ پر ایسی دعائیں کرتے وقت اگر لوگوں کے درمیان کوئی نیکو کار مشہور ہستی موجود ہو تو اس کے ذریعے دعا کرنا مستحب عمل ہے۔ اور یہ الفاظ کہے جائیں: «اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِيْ وَ نَتَشَفَّعُ اِلَيْكَ بِعَبْدِكَ فُلَانٍ» ''کہ اے اللہ! ہم آپ کے فلاں بندے کے ذریعے اور اس کی سفارش سے آپ کی بارگاہ میں بارش کی درخواست کرتے ہیں۔'' (یعنی بِعَبْدِكَ میں فُلَانٍ کی جگہ اس نیک آدمی کا نام لیا جائے)

صحیح بخاری میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قحط کے زمانے میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعے بارش طلب کرنے کی دعاء کیا کرتے تھے تو وہ یوں کہتے: الٰہی! ہم اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم (کی حیاتِ طیبہ میں تو ان) کی ذات کے ذریعہ بارش کی دعاء کرتے تھے تو اس کے نتیجے میں آپ ہمیں سیراب فرما دیتے اور بے شک (آپ کے نبی محترم کی وفات کے بعد) اب ہم اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم کے ذریعے[1] بارش کی التجاء آپ کے حضور لے کر آئے ہیں، لہٰذا (اپنے فضل سے) ہم پر بارانِ رحمت برسا دے۔ تو اس دعاء کے نتیجے میں وہ سیراب کیے جاتے۔''[2]

اور اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اہلِ تقویٰ اور نیک لوگوں کے ذریعے بارش کی دعاء کرانے کا ذکر آیا ہے۔ نیز نمازِ استسقاء میں اسی مقدار میں قرآن یا دیگر تسبیحات وغیرہ پڑھنا مستحب ہے۔ جس قدر عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہیں۔ اور اس کا بیان تفصیل سے

[1] مذکورہ صحیح بخاری کی حدیث میں کسی بھی نیکو کار اور متدین شخص سے دعاء کرانے کا جواز ملتا ہے۔ مگر یہ صرف ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو بقیدِ حیات یعنی زندہ ہوں ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کیونکر ''وسیلہ'' بن سکتے تھے۔ بات واضح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک زندہ تھے۔ جبکہ ایسے مواقع پر یا کسی بھی تنگدستی، بیماری یا آفات سے بچاؤ کے لیے فوت شدگان کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعاء کرنا صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک و بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ یعنی اس کام پر عقیدے کا فساد مرتب ہوتا ہے اور اپنے کسی بھی بڑے بھائی، بزرگ، باپ، دادا اور استاد وغیرہ سے بھلائی کی دعاء کرانا صحیح ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔ (فَافْهَمْ جَيِّدًا) (مترجم)

[2] صحيح البخاري، حديث: 1010.

ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔ یعنی آغاز میں تکبیر تحریمہ کے بعد پہلی رکعت میں سات تکبیرات کہی جائیں اور دوسری رکعت میں (تکبیر انتقال کے بعد) پانچ تکبیریں کہی جائیں اور پھر تمام فرعی اور جزوی مسائل جن کا ذکر میں نے عید کی سات اور پانچ تکبیرات کے ضمن میں کیا ہے یہاں اس نماز میں اسی طرح عمل میں لائے جائیں گے۔ بعد ازاں امام دو خطبے پڑھے جن میں کثرت کے ساتھ دعاء کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگی جائے۔

سنن أبي داؤد میں، امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر، صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ قحط زدہ اور خشک سالی سے متاثرہ عورتیں روتی ہوئی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورت حال دیکھ کر یہ دعاء فرمائی:

«اللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا ، مَرِيًّا، سَرِيْعًا، نَافِعاً، غَيْرَ ضَارٍّ، عَاجِلاً غَيْرَ آجِلٍ»

"اے اللہ ہم کو باعث فرحت وسکون، موسلادھار، تیز، منفعت بخش یعنی باعث رحمت نہ کہ باعث زحمت، فوری طور پر نہ کہ دیر سے بارش سے سیراب فرمادے جو کہ ہم (سب) کے لیے، مددگار اور آرام وسکون کا سبب بنے۔"[1]

تو اس دعاء کے نتیجے میں ان پر آسمان پے در پے بارش کی صورت میں برس پڑا۔

اور سنن أبي داود رحمہ اللہ میں ہی صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی کی طلب میں دعاء کرتے تو یہ کلمات فرماتے:

«اللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادِكَ وَ بَهَائِمَكَ، وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ ، وَ اَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ»

---

① سنن أبي داود، حديث: 1169 اور امام خطابی رحمہ اللہ کے نسخہ میں اس حدیث کے حاشیہ پر یہ روایت ہے کہ حدیث کے راوی کہتے ہیں: "میں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعاء کے لیے اوپر ہاتھ اٹھائے اور پھیلائے ہوئے دیکھا۔"

”اے اللہ! اپنے بندوں اور اپنے جانوروں (چوپایوں) کو پانی سے سیراب فرما دے۔ اپنی رحمت کو نچھاور کر دے اور اپنے مُردہ شہر (یعنی زمین) کو زندہ کر دے۔“ ①

اور سنن أبي داود ہی میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے جس کے آخر میں امام ابوداود رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ یہ اِسناد ”جید“ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”کہ لوگوں نے (ایک مرتبہ) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انقطاعِ بارش یعنی خشک سالی کی شکایت کی۔ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر لگانے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عیدگاہ میں منبر لگا دیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک معین دن وہاں آنے کا وعدہ دیا۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اس وقت تشریف لائے جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو چکا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ عزوجل کی تکبیر (یعنی بڑائی) اور حمد (یعنی تعریف و ستائش) بیان فرمائی۔ پھر فرمایا: ”بے شک تم نے (میرے پاس آ کر) اپنے علاقے کی قحط سالی اور ایک وقت سے لے کر کافی دیر تک بارش کے مؤخر ہونے کی شکایت کی ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ (ایسے مواقع پر) اسی کو پکارو اور یہ تم سے وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ تمھاری پکار کو قبول فرمائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَ نَحْنُ الْفُقَرَاءُ، أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ، وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ»

”ہر قسم کی تعریف و ستائش اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بڑا

① سنن أبي داود، حدیث: 1176 اور اس حدیث کی اِسناد ”حسن“ ہے۔ نیز مؤطا میں اسے ”مرسل“ کی حیثیت سے روایت کیا گیا ہے۔ دیکھیے: المؤطا 1/ 191,190۔

رحم کرنے والا، مہربان ہے، بدلے کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو ہی اللہ ہے۔ آپ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ آپ ہی غنی ہیں اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش برسا دے اور اس بارانِ رحمت کو ہماری قوت اور ایک وقت (موت) تک پہنچنے کا سبب بنا دے۔"

بعد ازاں آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک اوپر اٹھائے اور انھیں اوپر ہی اٹھائے رکھا یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سپیدی ظاہر ہونے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک لوگوں کی جانب پھیری اور خود بھی پھر گئے۔ یا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے اپنی چادر کو الٹ دیا۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ (اسی وقت) موسلا دھار بارش ہونے لگی اور پھر حالت یہ ہوئی کہ آپ ﷺ ابھی اپنی مسجد تک نہیں آئے تھے کہ پانی کے سیلاب کے ریلے بہنے لگے تو جب آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنے اپنے گھروں اور پناہ گاہوں کی جانب بھاگتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَ اَنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ»

"کہ میں گواہی دیتا ہوں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔"[1]

اور یہ بات جان لیجیے کہ:

اس مذکورہ بالا حدیث میں نماز کی ادائیگی سے پہلے خطبہ کی صراحت ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی اسی بات کی تصریح موجود ہے لیکن یہ صراحت جواز کے لیے ہے کہ خطبہ کو نماز پر بوقتِ ضرورت مقدم کیا جا سکتا ہے، جبکہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! اور دیگر اہل علم

[1] سنن أبي داود، حديث: 1173، اور امام ابو داود رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی "إسناد" جید ہے۔

کی فقہ کی کتابوں میں مشہور عمل یہی ہے کہ دیگر احادیث رسول ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے نماز کو خطبہ پر مقدم کرنا مستحب (یعنی مسنون) ہے (حدیث میں آیا ہے) کہ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کو خطبہ پر مقدم کیا ہے۔ اور اصل حقیقت تو اللہ خوب جانتا ہے۔

اور دعاءِ استسقاء کبھی بلند آواز اور کبھی آہستگی سے، ہاتھوں کو خاص اونچا اٹھا کر کرنا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنی چاہیے:

«اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَنَا بِدُعَائِكَ، وَوَعَدْتَنَا إِجَابَتَكَ، وَقَدْ دَعَوْنَاكَ كَمَا أَمَرْتَنَا، فَأَجِبْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا؛ اَللّٰهُمَّ امْنُنْ عَلَيْنَا بِمَغْفِرَةِ مَا قَارَفْنَا، وَ إِجَابَتِكَ فِي سُقْيَانَا وَ سَعَةِ رِزْقِنَا»

''الٰہی آپ نے ہی ہم کو آپ (اپنے) سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور ہماری دعاء کو شرفِ قبولیت بخشنے کا وعدہ بھی کیا ہے اور تحقیق ہم نے آپ کو پکارا ہے جس طرح آپ نے ہمیں پکارنے کا حکم دیا ہے۔ تو ہماری دعا کو اپنے وعدے کا لحاظ رکھتے ہوئے قبول فرما۔ اے اللہ! جو ہم سے گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کو معاف کر کے اور ہماری پانی کی طلب میں پکار کو قبول کر کے اور ہمارے رزق میں وسعت فرما کر ہم پر احسان فرما۔''...... نیز امام کو چاہیے کہ وہ دعاء میں تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کو شریک کرے (یعنی جو وہاں حاضر نہ ہو سکے ہوں ان کے حق میں بھی دعاء کرے) اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود پڑھے اور قرآن حکیم سے ایک یا دو آیتیں بھی تلاوت کرے اور امام یہ الفاظ بھی کہے: «اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ» کہ میں اپنے لیے اور تمھارے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں''......

نیز اسے انتہائی رقت آمیز اور درد انگیز دعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ یہ اور اس قسم کی دوسری مسنون دعائیں بھی کرنی چاہئیں جن کا ہم صحیح احادیث میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ (اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا ...... آخر تک) کہ الٰہی ہم کو دنیا میں بھی نیکی عطا فرما دے...... آخر تک)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کہ امام نماز استسقاء کے وقت بھی عیدین کی طرح دو خطبے دے۔'' دونوں خطبوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی یعنی تکبیریں کہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش بیان کرے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور زیادہ سے زیادہ استغفار کرے۔ یہاں تک کہ اس کے کلام کا زیادہ تر حصہ استغفار پر ہی مشتمل ہونا چاہیے، اور اکثر بار یہ آیت کریمہ تلاوت کرے:

﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ...... آخر تک﴾

''اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، بے شک وہ بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا...... آخر آیت تک)''[1]

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ دعاء استسقاء کے وقت آپ کی زیادہ تر دعاء استغفار کے کلمات پر مشتمل ہوتی تھی۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ آپ رضی اللہ عنہ کی دعا اکثر استغفار ہی ہوا کرتی تھی۔'' انھی الفاظ سے دعاء کی ابتداء کرتے، اپنے کلام میں فاصلہ یا وقفہ بھی استغفار کے کلمات سے کرتے اور استغفار کے کلمات پر ہی اس کو ختم کرتے۔'' آپ رضی اللہ عنہ کے کلام کا زیادہ تر حصہ استغفار پر مشتمل ہوتا۔ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی گفتگو ختم کر دیتے۔ اور لوگوں کو توبہ پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے پر بہت زیادہ ابھارتے تھے۔''

## باب، جب طوفانی آندھی وغیرہ آئے تو کیا کہنا چاہیے؟

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب تندو تیز آندھی آتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا، وَ خَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ

[1] نوح 11،10۔

بِهِ، وَ أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَ شَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ»

''الٰہی! میں اس آندھی کی بھلائی کا اور جو بھلائی اس میں ہے اس کا آپ سے سوال کرتا ہوں اور اس بھلائی کا بھی جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔ اور میں اس آندھی کے شر سے اور جو شر اس میں ہے اس سے اور جس شر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''①

اور سنن أبي داود اور سنن ابن ماجہ میں ''حسن إسناد'' کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت میں سے ہے، جو باعثِ رحمت ہوتی ہے اور باعث زحمت بھی۔ تو جب تم اسے آتے ہوئے دیکھو تو اسے گالی مت دو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی مانگو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔''②

اور سنن أبي داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب بھی آسمان کے افق پر کوئی چیز (یعنی بادل یا آندھی وغیرہ) اٹھتے دیکھتے تو جملہ کام چھوڑ دیتے خواہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے۔* پھر آپ ﷺ فرماتے: «اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا» کہ اے اللہ! میں اس کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔'' اگر بارش ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے: «اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا هَنِيْئًا» کہ الٰہی ایسی بارش ہو جو خوشگوار یعنی باعثِ رحمت ہو۔''④

---

① صحیح مسلم، حدیث: 899، صحیح البخاري، حدیث: 3206.

② سنن أبي داود، حدیث: 5097، سنن ابن ماجه، حدیث: 3727 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات: 272/4.

* مطلب یہ ہے کہ نفلی نماز سے رُک جاتے۔ اور فرائض کو مختصر کر کے جلدی فارغ ہو جاتے۔ (مترجم)

④ سنن أبي داود، حدیث: 5099، سنن ابن ماجه، حدیث: 3889، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے امام ابوداود رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابن ماجہ رحمہ اللہ اور امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 273/4.

میں کہتا ہوں: کہ الصَّیِّبُ سے مراد بہت زیادہ مقدار میں بارش ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اتنی مقدار میں بارش جس کا پانی بہہ پڑے۔ اور یہ کلمہ مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اصل عبارت یوں ہے: «اَسْئَلُكَ صَيِّبًا» یا «اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ صَيِّبًا هَنِيْئًا» کہ الٰہی میں آپ سے "الصَّیِّبُ" بارش کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ اس بارش کو باعثِ رحمت و سکون بنا دے!

اور جامع الترمذی وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ" ہوا کو گالی نہ دو۔ اگر تم اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو یہ کلمات کہو:

«اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَ خَيْرِ مَا فِيهَا، وَ خَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ، وَ نَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ الرِّيحِ وَ شَرِّ مَا فِيهَا وَ شَرِّ مَاأُمِرَتْ بِهِ»

"اے اللہ! ہم آپ سے اس آندھی کی بھلائی اور اس بھلائی کا جو اس میں ہے، اور اس بھلائی کا جس کی یہ پابند ہے، کا سوال کرتے ہیں اور اس آندھی کے شر سے اور اس شر سے جو اس میں ہے اور اس "شر" سے بھی جس کی یہ پابند ہے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کہتے ہیں:" کہ باب میں اسی موضوع سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایات

---

① جامع الترمذی، حدیث: 2253 . ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں:" امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں غالباً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر تحقیق کر لیں! سے اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے "الدعاء" میں اور عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص سے مروی حدیث بھی روایت کی ہے اور اسی طرح اس حدیث کو امام البزار رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 275/4.

مروی ہیں۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "جب آندھی شدت اختیار کر جاتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ ادا فرماتے:

«اللَّهُمَّ لَقْحًا لَا عَقِيمًا»

"کہ الٰہی! یہ آندھی ہمارے لیے بارانِ رحمت کا سبب بنانہ کہ مجرد آندھی جو خشکی کا باعث ہو۔"[1]

میں کہتا ہوں: لَقْحًا سے مراد وہ آندھی جو پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھا کر لاتی ہے، جیسے لَقْحَةٌ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو گابھن ہو اور اسی طرح اَلْعَقِيْمُ سے ایسے بادل مراد ہیں جن میں پانی نہ ہو جیسے اس جانور کو بھی اَلْعَقِيْمُ کہا جاتا ہے جس کے بطن میں بچہ نہ ہو۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بڑا سانحہ پیش آجائے یا بڑی تند و تیز آندھی اٹھ پڑے تو تم پر ایسے موقع پر تکبیر (یعنی اللہ کی کبریائی اور بڑائی کا اعتراف) لازم ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بڑی بڑی سیاہ آندھیوں اور بگولوں کو پھاڑ دیتا ہے۔"[2]

---

① ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 300 اور اس میں یہ الفاظ ہیں «لَقْحًا، لَا عَقِيمًا» اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کے بعد یوں کہا ہے: "یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "الأدب المفرد" میں اسی طرح ہی نکالا ہے۔ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں اس کی تخریج کی ہے"

② ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 285 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اگر یہ دونوں راوی (یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ) ایک روایت کی سند میں جمع ہو جائیں تو یہ محض "وہم" ہے اور معاملہ ایسے نہیں۔ جیسا کہ اس کی سند کے بعض راویوں میں صحابی رضی اللہ عنہ پر اختلاف واقع ہوا ہے..... اور یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند "بہت زیادہ "ضعیف" ہے اس لیے کہ اس میں محمد بن زاذان راوی ضعیف ہے۔ اور پھر آگے اس کا استاذ عنبسہ بن عبدالرحمٰن متروک ہے۔" دیکھیے: الفتوحات: 4/276.

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأم" میں اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں: "جب کبھی بھی تند و تیز آندھی چلی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھٹنوں کے بل جھکتے اور یہ دعاء کرتے کہ:

«اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا، اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَ لَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا»

"اے اللہ! اس آندھی کو باعثِ رحمت بنادے اور اسے باعثِ عذاب نہ بنا۔ الٰہی! اس آندھی کو بارانِ رحمت کا سبب بنا نہ کہ باعثِ زحمت (اور محض خشک جھکڑ)[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ جل شانہ کی کتاب میں ہے:

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا﴾

"بے شک ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی۔"[2]

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾

"ہم نے (عاد کی قوم) پر نامبارک ہوا چلائی۔"[3]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا ہے:

﴿وَ أَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ﴾

"اور ہم ایسی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں)۔"[4]

ایک اور جگہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ﴾

"اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے (جو) خوشخبری دیتی ہیں۔"[5]

---

① کتاب الأم 1/253، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام البیہقی رحمہ اللہ نے بھی "المعرفۃ" میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/277.

② القمر 19 . ③ الذاریات 41 . ④ الحجر 22 . ⑤ الروم 46 .

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک ''منقطع'' حدیث ذکر کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں فقر یعنی تنگدستی کی شکایت کی تو اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے فرمایا: ''شاید کہ تم ہوا کو گالی دیتے ہو۔''[1]

نیز امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی بھی آدمی کو یہ لائق نہیں کہ وہ ہواؤں کو گالیاں دیتا پھرے۔ اس لیے کہ یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کے حکم کی پابند ہیں اور اس کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، جنھیں وہ ذات چاہے تو (اپنے بندوں کے لیے) موجبِ رحمت بنا دے اور چاہے تو انھیں عذاب کا سبب بنا دے۔'' (وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ!)

## باب، جب آسمان پر تارا ٹوٹ کر گرے تو کیا کہنا چاہیے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی (موقوف) روایت ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب تارا ٹوٹ کر گر پڑے تو ہم اس کے پیچھے اپنی نگاہیں نہ دوڑائیں بلکہ ہم اس وقت یہ الفاظ کہیں: «مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ» کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے (سو کرے) ہمیں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی بھی کام کی ہمت نہیں ہے۔''[2]

## باب، ستارے اور بجلی وغیرہ کی طرف دیکھنے اور اشارہ کرنے سے گریز کرنے کے بارے میں

گزشتہ حدیث اس سے پہلے کے باب میں اسی موضوع سے متعلق ہے اور امام

---

[1] کتاب الأم: 1/253 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی سند معضل ہے اس لیے کہ اس میں دو یا اس سے زیادہ راوی ساقط ہیں۔ اور امام موصوف رحمہ اللہ کا یہ قول کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے روایت کی، اس وہم میں مبتلا کر دیتا ہے کہ محمد نے خود اس سے روایت کی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ انھوں نے تو اس قصے کو ہی ''مرسل'' بیان کیا ہے اور میں نے تو اس حدیث کے متن کا نہ کوئی ''شاہد'' پایا ہے اور نہ ہی کوئی ''تابع''۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/281،280.

[2] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 658 اور اس کی اسناد میں عبدالاعلیٰ نامی راوی ہے جو انتہائی ضعیف ہے بلکہ اس پر جھوٹا ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/281، 4/284.

شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأم'' میں اپنی اسناد کے ساتھ ایسے شخص سے روایت کی ہے جس پر کسی نقص کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ وہ شخص حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے (موقوف) روایت کرتا ہے، وہ کہتے ہیں: ''جب تم میں سے کوئی ایک بجلی کی لپک یا بارش کا بادل دیکھ لے تو اس کی طرف اشارہ تک نہ کرے اور اسے چاہیے کہ وہ ''وصف'' بیان کرنے اور تعریف و توصیف کرے۔''①

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''عرب لوگ تو ہمیشہ اسے ناپسند کرتے آئے ہیں۔''

## باب، جب کوئی رعد (یعنی بادل کی گرج، یا فرشتے کی آواز) سن لے تو اسے کیا کچھ پڑھنا چاہیے؟

جامع الترمذی میں ضعیف اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بادل کی گرج اور کڑک وغیرہ سنتے تو فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَ لَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَ عَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ»

''الٰہی: ہم کو اپنے غصے کی بنا پر نہ مارنا اور نہ اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک کرنا بلکہ اس پکڑ سے پہلے ہی ہم سے درگزر فرما دے۔''②

① الأم: 1/253، اس شخص سے مراد کہ جو تہمت سے مبرا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ ابراہیم بن محمد بن أبي یحیٰی ابواسحاق المدنی ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/282.

② جامع الترمذی، حدیث: 3446 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اسے امام احمد رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ نیز امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے متعدد طرق سے نکالا ہے...... پھر امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کہ شیخ یعنی امام نووی رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ اس مذکورہ حدیث پر تو انھوں نے ''ضعف'' کا اطلاق کیا ہے اور وہ اسے ہی ذکر بھی کرتے ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں خاموش ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/284 اور امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہاں اس حدیث کی علت کا سبب ''ابومطر'' راوی ہے جو کہ مجہول ہے۔

اور مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ وہ جب بھی بادل کی گرج کی آواز سنتے تو باتیں چھوڑ دیتے اور یہ کلمات پڑھتے کہ:

«سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ»

''کہ پاک ہے وہ ذات جس کی تعریف کے ساتھ رعد فرشتہ (یا بادل) تسبیح بیان کرتا ہے اور فرشتے اس ذات کے خوف سے اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔''[1]

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأُم''[2] میں اپنی صحیح اِسناد کے ساتھ جلیل القدر تابعی امام طاؤس رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ جب وہ بادل کی گرج سنتے تو یہ الفاظ کہا کرتے تھے: «سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحْتَ لَهٗ» کہ پاک ہے وہ ذات جو چیز بھی اس کی پاکیزگی بیان کرتی ہے۔'' امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''گویا کہ وہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان تک پڑھتے: ﴿وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور رعد فرشتہ (یا بادل) اس اللہ کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتا ہے ......[3] اور ائمہ کرام رحمہم اللہ! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے تو ہمیں دورانِ سفر بادل کی گرج، بجلی کی چمک اور سردی نے آلیا تو ہمیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''جو شخص بادل کی گرج سن کر تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو اس بادل کی گرج، چمک سے محفوظ ہو جائے گا۔ پس ہم نے

① المؤطا: 992/2 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث موقوف ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں اسماعیل بن أبي اویس سے اور انھوں نے مالک رحمہ اللہ سے، روایت کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات 285/4.

② الأم: 253/1، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کہ اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اسی مثل کی ایک روایت انھوں نے اسود بن یزید رحمہ اللہ! سے مروی ذکر کی ہے، جو کبار تابعین میں سے ہیں۔ مگر اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: (يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ) اور اس حدیث کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 276/4.

③ الرّعد 13.

یہ الفاظ کہے اور ہمیں عافیت مل گئی۔ «سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ» ”کہ پاک ہے وہ ذات جس کی تعریف کے ساتھ ”رعد“ فرشتہ (یا بادل) تسبیح بیان کرتا ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔[1]

## باب، جب بارش برسنے لگے تو آدمی کیا کہے؟

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کو برستے دیکھتے تو فرماتے: «اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا» اے اللہ! اس بارش کو ہمارے لیے باعث منفعت بنا دے۔[2]

اور سنن ابن ماجہ میں مروی جو ہمیں روایت ملی ہے اس میں یہ ذکر آیا ہے ”کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرماتے۔“

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الأم“ میں اپنی اسناد کے ساتھ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ”مرسل حدیث“ روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”(دشمنوں کے) لشکروں سے مڈبھیڑ کے وقت، نماز کھڑی ہوتے وقت اور بارش نازل ہوتے وقت (اللہ تعالیٰ سے) دعاء کی قبولیت کا سوال کرو۔[3] (مطلب یہ کہ ان اوقات میں دعاء کرو کیونکہ یہ دعاء کی قبولیت کے اوقات ہیں)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک سے علاوہ دیگر حضرات سے میں نے یہ بات حفظ کی ہے کہ بارش نازل ہوتے وقت اور نماز کھڑی ہوتے وقت دعاء کی قبولیت کا سوال کرو۔“

---

① ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں، اسے امام الطبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، جبکہ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ روایت موقوف اور اس کی اسناد حسن ہے۔ دیکھیے ”الفتوحات الربانیۃ“ جلد: 4، ص: 286.

② صحيح البخاري، حديث: 1032 سنن ابن ماجه، حديث: 3890 اور صَيِّبًا سے مراد وہ موسلا دھار بارش ہے جو کثرت کی وجہ سے سطح زمین پر بہہ پڑے۔

③ کتاب الأم 224,223/1 اور یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

## باب، بارش برسنے کے بعد کیا کچھ کہنا چاہیے؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ اس بارش کے بعد جورات کو برسی تھی۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت پائی اور لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے تو فرمایا: ''کیا آپ جانتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: '' اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندوں میں سے (بعض نے تو) مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی ہے اور (کچھ لوگوں نے) کفر کی حالت میں صبح کی ہے۔ تو وہ شخص جس نے کہا: ''کہ ہم تو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش دیے گئے تو یہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے والا ہے اور ''ستارے'' سے کفر کرنے والا ہے۔ اور جس شخص نے کہا: ''کہ ہم تو فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش دیئے گئے تو ایسا شخص میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ''ستارے'' پر ایمان رکھنے والا ہے۔''[1]

''میں کہتا ہوں، کہ ''حدیبیہ'' معروف جگہ ہے اور یہ مکہ سے کچھ فاصلے پر ایک کنواں تھا۔''

اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''اگر کوئی مسلمان یہ کہے: ''کہ ہم فلاں ''ستارے'' کی وجہ سے بارش دیے گئے ہیں اور وہ یہ بات کہتے ہوئے اعتقاد رکھتا ہو کہ بے شک ستارہ ہی اس کا موجد اور یہ کام سرانجام دینے والا ہے اور بارش اتارنے والا ہے تو وہ بلاشک کافر اور مرتد ہو جائے گا۔ اور اگر وہ یہ بات یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہے: ''کہ یہ ستارہ بارش برسنے کی ایک علامت ہے جب یہ علامت ظاہر ہو جائے تو بارش برستی ہے جبکہ حقیقت میں یہ کام سرانجام دینے والا اور اس کو پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔ مگر اس کے ''مکروہ'' ہونے کے بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور پسندیدہ مذہب یہی

① صحيح البخاري، حديث: 846، صحيح مسلم، حديث:71، الموطا:192/1، سنن أبي داؤد، حديث:3906، سنن النسائي:165/3.

ہے کہ ایسا کہنا بھی بہر حال ''مکروہ'' ہے۔ اس لیے کہ یہ الفاظ کافروں والے ہیں اور حدیث کا ظاہر بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأم'' وغیرہ میں اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

اور اس بارے میں ''مستحب'' یہ ہے کہ آدمی اس نعمت یعنی بارش برسنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

## باب، جب بارش برسنے پر اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو کیا دعاء کرنی چاہیے؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ میں مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا، اس حال میں کہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس آدمی نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ اموال تباہ ہو گئے اور راستے کٹ گئے ہیں۔ اللہ جل شانہ سے دعاء کیجیے وہ ہماری مدد فرمائے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے۔ پھر فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا» اے اللہ! ہماری مدد فرما، اے اللہ ہماری مدد فرما، اے اللہ ہماری مدد فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم (اس سے پہلے) آسمان پر نہ ہم کوئی بادل دیکھ رہے تھے اور نہ کوئی تیرنے والا بادل کا ٹکڑا اور جو بھی گھر اور مکان ہمارے اور سلع (مدینہ کے قریب مشہور پہاڑ) کے درمیان تھا کہ ناگہاں ڈھال کی صورت میں بادل اُمڈ آئے۔ تو جب انھوں نے آسمان کو پالیا اور پھیل گئے۔ تو پھر خوب برسنا شروع ہوئے۔

پھر اللہ کی قسم! پورا ہفتہ ہم نے سورج نہیں دیکھا۔ پھر وہی (یا کوئی اور) آدمی آئندہ جمعہ کے روز اسی دروازے سے (مسجد میں) داخل ہوا اس حال میں کہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو وہ کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ (ہمارے اموال و اسباب ہلاک ہو گئے اور راستے کٹ گئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجیے کہ وہ ہم سے اس





بارش کو روک لے: تو اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے پھر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَ لَا عَلَيْنَا ، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ ① وَ الظِّرَابِ ② وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ ③ وَمَنَابِتِ الشَّجَرَةِ»

''اے اللہ! ہمارے آس پاس (اسے برسا) ہم پر نہیں، اے اللہ! ٹیلوں پر ہو اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو اور پہاڑی نالوں پر اور جہاں درخت پیدا ہوتے ہیں۔ تو فوراً بادل چھٹ گئے اور ہم باہر نکلے تو سورج (کی دھوپ) میں چل رہے تھے۔'' ④

حدیث کے یہ مذکورہ الفاظ صحیحین میں ہیں۔ جبکہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں «اَغِثْنَا» کے بجائے «اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا» یعنی الٰہی! ہمیں سیراب کر دے'' کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں جس کے فوائد زیادہ ہیں۔ (اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہے۔)

## باب، نمازِ تراویح کے اَذکار کے بارے میں

یہ بات جان لیجیے کہ نمازِ تراویح کے بارے میں اہل علم ؒ کا اتفاق ہے کہ یہ سنت

① الآکام: ہمزہ کے کسر (یعنی زیر) کے ساتھ ہے اور بسا اوقات ہمزہ کے فتحہ (یعنی زبر اور مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ ابن الجزری ؒ کہتے ہیں کہ زیادہ تر تو فتحہ اور مدّ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات کسرہ کے ساتھ۔ یہ کلمہ اُکمۃ کی جمع ہے۔ ابن البرقی ؒ کہتے ہیں: اس سے مراد جمع شدہ مٹی کے ڈھیر ہیں۔

② الظِّرَاب: ظاء کے کسرہ کے ساتھ اور ظرب کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ چھوٹے پہاڑ جو پھیلے ہوئے ہوں اور الجوہری ؒ کہتے ہیں: ''اس سے مراد چھوٹے ٹیلے ہیں۔'' (واللہ اعلم)

③ بُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ: وادی کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پانی جمع ہو جائے تو اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

④ صحيح البخاري، حديث:1013، صحيح مسلم، حديث: 897، الموطا:1/191، سنن أبي داؤد، حديث1174، 1175، سنن النسائي:3/154، 155.

ہے اور یہ نماز بیس [1] رکعتوں پر مشتمل ہے۔ ہر دو رکعت کے بعد "سلام" ہے اور اس نماز کی ادائیگی کا بالکل وہی طریقہ ہے جو کہ قبل ازیں نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی کے بارے میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ نیز وہ تمام اَذکار جو اس سے پہلے نماز کے بیان میں گزر چکے ہیں جیسے دعائے افتتاح، بقیہ اذکار کی تکمیل، تشہد کا پورا پڑھنا اور آخر میں دعائیں وغیرہ یہ سب کچھ نماز تراویح میں بھی پورے اہتمام کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اگر چہ نمازِ تراویح اور اس کی ادائیگی کا طریقہ لوگوں کے درمیان معروف ہے، مگر میں نے اس پر تنبیہ اس لیے کی ہے کہ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے وہ اس نماز اور اس میں پڑھے جانے والے اَذکار کے بارے میں غفلت کا شکار ہیں۔ پس وہ اپنے تساہل اور کوتاہی کی وجہ سے زیادہ اَذکار ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور جہاں تک نمازِ تراویح میں پڑھے جانے والے قرآنِ حکیم کی مقدار کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مختار اور پسندیدہ عمل وہی ہے جو کہ اکثر لوگوں نے کہا ہے اور اس پر ان کا عمل بھی ہے کہ پورے رمضان المبارک کے مہینے میں اختتام پر ایک پورا قرآن حکیم پڑھ لیا جائے۔ اس طرح ہر رات نمازِ تراویح میں ایک مکمل پارہ پڑھنا ہوگا۔ اور پڑھنے والے امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ قرآنِ حکیم ٹھہر ٹھہر کر اور واضح کر کے پڑھے۔ اور مقتدیوں پر ایک پارے سے

---

[1] (نمازِ تراویح کی بیس رکعات سنتِ رسول ﷺ سے ثابت نہیں بلکہ سنتِ رسول ﷺ صرف گیارہ (11) رکعات ہیں جن میں آٹھ نوافل اور تین آخر میں وتر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رات کی نماز، رمضان اور رمضان کے علاوہ کی راتوں میں بھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھی (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)۔ تفاصیل کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اور اس بات پر اہل علم میں اتفاق ہے کہ بہرحال افضل عمل وہی ہے جو کہ سنتِ رسول ﷺ ہو نہ کہ کسی غیر نبی یا غیر رسول کی سنت۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث جو کہ سنن ترمذی، سنن ابی داود اور صحیح ابن خزیمہ میں مروی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں نمازِ تراویح پر ہی اکتفا کیا اور اس کے بعد نمازِ تہجد ادا نہیں فرمائی کیونکہ سحری تک آپ ﷺ صحابہ کرام کو نمازِ تراویح ہی پڑھاتے رہے تو اس حدیث سے رمضان میں آپ ﷺ کی تراویح کے بعد تہجد کی نفی ہوتی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق یہ نمازِ تراویح گیارہ رکعات پر مشتمل تھی۔ اور جہاں تک نفلی نماز کا تعلق ہے تو اس میں شریعت کی طرف سے وسعت ہے۔ (فَافْهَمْ جَيِّدًا۔ مترجم)

زیادہ قرأت کو لمبا نہ کرے۔ خاص طور پر اس عمل سے محتاط رہے جسے بہت سارے مساجد کے جاہل ائمہ نے عادت کے طور پر اپنا لیا ہوا ہے کہ وہ رمضان المبارک کی (۲۷) ستائیسویں شب کو آخری رکعت میں پوری سورۃ الأنعام پڑھتے ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ یہ سورت یکبارگی (اس رات کو) نازل ہوئی تھی۔ مگر یہ انتہائی قبیح بدعت اور واضح جہالت ہے۔ جو کہ دین میں فساد اور خرابی کا سبب ہے۔ اور اس کا بیان اس سے پہلے ''تلاوتِ قرآن کی کتاب'' میں بھی گزر چکا ہے۔

## باب، نمازِ حاجت کے اذکار کے بیان میں

جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ضرورت ہو یا کسی بندے سے کوئی کام ہو تو وہ اچھے انداز سے وضوء کر کے دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر یہ دعاء پڑھے:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ»

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ بردبار بزرگ ہستی ہے۔ اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم کا مالک پاک ہے۔ اور تمام تر تعریفات اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں آپ کی رحمت کے اسباب، آپ کی بخشش کے سامان اور ہر نیکی سے حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی کا آپ سے سوال کرتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ نہ چھوڑیے مگر اسے بخش دیجئے اور نہ کوئی پریشانی مگر اسے دور کر دیجئے اور نہ کوئی

ضرورت جو آپ کی پسندیدہ ہو مگر اسے پورا کر دیجئے۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔“[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس حدیث کی سند میں ”مقال“ ہے (مطلب یہ کہ ضعیف ہے)۔

”میں کہتا ہوں:“ (دعائے حاجت کے سلسلے میں) دکھ اور درد کے مداوا کے لیے یہ دعاء کرے «اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ» ”کہ الٰہی دے ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے۔“ جیسا کہ صحیحین کے حوالے سے، اسے پہلے بھی ہم نے بیان کیا ہے۔

اور سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک نابینا آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو اس نے کہا: ”آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے (اس مرض سے) عافیت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں دعاء کر دیتا ہوں۔ اور اگر تم چاہو تو (اس بینائی سے محرومی پر) صبر کرلو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ وہ آدمی کہنے لگا: آپ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں دعاء فرمائیے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھے انداز میں وضو کرے اور ان کلمات سے (اللہ کے حضور) التجاء کرے۔

«اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ﷺ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِي، اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ»

”الٰہی میں آپ کے حضور سوال کرتا ہوں اور آپ کی جانب، آپ کے نبی، نبیٔ رحمت

---

[1] جامع الترمذی، حدیث: 479، سنن ابن ماجه، حدیث: 1384 اور امام الحاکم رحمہ اللہ نے 320/1 میں اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 299،298/4.

حضرت محمد ﷺ کی وساطت[1] سے پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں اپنی اس حاجت کے سلسلے میں آپ ﷺ کی وساطت سے اپنے پروردگار کی جانب پوری یکسوئی سے متوجہ ہوا ہوں تاکہ میرے اس دکھ کا مداوا ہو سکے۔ اے اللہ! میرے حق میں اپنے نبی رحمت ﷺ کی سفارش قبول فرما۔"[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

## باب، نمازِ تسبیح کے اذکار کے بیان میں

جامع الترمذی[3] میں حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ سے نمازِ تسبیح کے بارے میں جو حدیث روایت کی گئی ہے اس کا بڑا حصہ صحیح نہیں ہے۔ نیز امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: "تحقیق عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم رحمہم اللہ نے نمازِ تسبیح پر تأمل اور غور و فکر کیا ہے اور انھوں نے اس کی فضیلت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں[4] ہمیں احمد رحمہ اللہ بن عبدۃ نے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے

---

[1] مذکورہ حدیث میں اللہ کے نبی کا وسیلہ پکڑنے کا خصوصاً اللہ سے دعاء کرتے وقت جواز واضح ذکر ہوا ہے۔ اور یہ جواز صرف اور صرف آپ ﷺ کی حیات طیبہ تک تھا جبکہ آپ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد یہ جواز ختم ہو گیا اور اس کی بڑی دلیل گزشتہ ابواب میں گزر جانے والی صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے بجائے آپ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ کے حضور دعاء کرتے وقت وسیلہ بنایا۔ و اللہ أعلیٰ و أعلم بالصواب۔ (مترجم)۔

[2] جامع الترمذی، حدیث:3573، سنن ابن ماجه، حدیث:1385 اور امام الحاکم رحمہ اللہ:313/1 اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین (یعنی بخاری رحمہ اللہ و مسلم رحمہ اللہ) کی شرط پر صحیح ہے۔ مگر انھوں نے اسے نکالا نہیں۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی موافقت کی ہے۔

[3] جامع الترمذي:205:2۔

[4] جامع الترمذی:205/2 اور عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے مروی یہ "اثر" امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" میں روایت کیا ہے 30/1 اور کہا ہے کہ "عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے مروی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثابت شدہ ہیں اور حضرت عبداللہ رحمہ اللہ کی ہستی اس اتہام سے منزہ ہے کہ جو چیز سند کے اعتبار سے ان کے ہاں صحیح نہ ہو تو وہ اس کی کسی کو تعلیم دیں۔"




ہیں: ''ہم سے ابو وہب رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: '' میں نے عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے اس نماز کی بابت پوچھا جس میں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں تو انھوں نے فرمایا: '' کہ آدمی پہلے تکبیر (یعنی تکبیر تحریمہ)، پھر یہ کلمات ثنائیہ ادا کرے (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ) ''اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور تیری تعریف کے ساتھ (ہم تجھے یاد کرتے ہیں) تیرا نام بہت برکت والا ہے۔ اور تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' پھر پندرہ مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ» کہے[1] پھر تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ...... آخر تک) پڑھے اور بعد ازاں تسمیہ «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ» اور سورۃ فاتحہ اور قرآن حکیم سے کوئی اور سورت تلاوت کرے۔ پھر اس کے بعد 10 مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ» پھر رکوع کرے تو 10 مرتبہ یہی پوری تسبیح پڑھے۔ پھر جب رکوع سے سر اٹھائے تو اس وقت بھی 10 مرتبہ پوری تسبیح پڑھے، پھر سجدہ کرے اور دس مرتبہ پڑھے، پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس مرتبہ اور پھر جب دوسرا سجدہ کرے تو تب بھی 10 مرتبہ پڑھے۔ اور اسی طرح چار رکعات نماز تسبیح مکمل کرے۔ تو یہ ہر رکعت میں کل پچھتر (75) تسبیحات ہوں گی، وہ ہر رکعت کی 15 تسبیحات سے ابتداء کرے۔ پھر قرأت کرے۔ پھر 10 مرتبہ پوری تسبیح پڑھے۔ لیکن اگر کوئی شخص رات کو یہ نماز ادا کر رہا ہو تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ بات ہے کہ وہ 2 رکعات کے بعد سلام پھیر دے۔ اور اگر دن کے وقت نماز تسبیح پڑھ رہا ہو تو پھر وہ چاہے تو دو رکعت کے بعد سلام پھیر لے اور اگر چاہے تو دو دو پڑھنے کے بجائے اکٹھی چار رکعات پڑھ لے۔''

اور حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت میں یوں ہے کہ انھوں نے فرمایا: '' آدمی رکوع میں «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ» تین بار پڑھ کر اور اسی طرح سجدے میں

[1] ان اذکار کا اردو ترجمہ پچھلے ابواب میں تکرار کے ساتھ گزر چکا ہے لہٰذا یہاں طوالت کے پیش نظر حذف کیا جاتا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ (مترجم)۔

«سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی» تین بار پڑھ کر پھر دس دس مرتبہ تسبیحات پڑھے۔ نیز حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، کہ اگر کوئی شخص نماز تسبیح میں بھول جائے تو کیا وہ سجدہ سہو میں بھی دس دس مرتبہ مذکورہ تسبیحات پڑھے گا کہ نہیں؟ تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں۔ اس لیے کہ یہ نماز صرف 300 تسبیحات پر مشتمل ہے۔ (یعنی ہر رکعت میں پچھتر (75) مرتبہ)

اور سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے میرے چچا! کیا میں آپ کے ساتھ صلہ رحمی نہ کروں؟ کیا میں آپ رضی اللہ عنہ کو کچھ عطاء نہ کروں؟ کیا میں آپ رضی اللہ عنہ کو نفع نہ دوں؟ تو انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! چار (4) رکعات نماز ادا کیجیے۔ جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآنِ حکیم کی کوئی سورت تلاوت کریں۔ پھر جب یہ اختتام کو پہنچے تو رکوع سے پہلے 15 مرتبہ «اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہو۔ پھر رکوع کرو اور یہی کلمات 10 مرتبہ کہو۔ پھر رکوع سے سر اٹھانے پر 10 مرتبہ، پھر سجدے میں 10 مرتبہ، پھر دو سجدوں کے درمیان 10 مرتبہ، پھر دوسرے سجدے میں 10 مرتبہ، پھر دوسرے سجدے سے سر اٹھانے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے بھی 10 مرتبہ یہی کلمات پڑھو۔ تو اس طرح یہ ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ (۷۵) اور پوری نماز یعنی 4 رکعات میں 300 مرتبہ ہوں گے۔ تو اگر آپ رضی اللہ عنہ کے گناہ ریگستان میں ریت کے کنکروں کی مثل ہوں گے، تب بھی اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) آپ رضی اللہ عنہ کے گناہ معاف کر دے گا۔'' تو اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں (روزانہ) اس عمل کی کون طاقت رکھتا ہے؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر آپ رضی اللہ عنہ اس عمل کی روزانہ طاقت نہیں رکھتے تو ایک جمعہ کو (یعنی پورے سات دنوں میں ایک بار جمعہ کے دن) اس نماز کو پڑھ لیا کریں۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو طاقت نہیں رکھتے تو (پورے) مہینے میں ایک بار پڑھ لیا کریں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو سال میں ایک بار اس نماز کو

ادا کر لیا کریں۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث غریب ہے۔"

میں کہتا ہوں: امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأحوذی فی شرح الترمذی" میں کہا ہے: "کہ ابورافع کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ نہ اس کے "صحیح" ہونے میں کوئی دلیل ہے اور نہ "حسن" ہونے میں۔ نیز امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صرف اس کی اصل (حقیقت) پر متنبہ کرنے کے لیے ذکر کیا ہے تاکہ کوئی بھی شخص اس بارے میں دھوکے میں نہ رہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: "اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا قول کوئی دلیل نہیں۔ یہ سارا کلام امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کا تھا۔

اور امام العقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نمازِ تسبیح میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں۔ اور ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "نمازِ تسبیح" کی اَحادیث بمعہ ان کے "طرق" اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کی ہیں پھر ان سب کو "ضعیف" قرار دیتے ہوئے ان کے "ضعف" کے اَسباب بھی بیان کیے ہیں۔

اور ہمیں امام الحافظ ابوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ سے یہ بات پہنچی ہے۔ انھوں نے کہا ہے: "کہ قرآنی سورتوں کے فضائل میں سب سے زیادہ صحیح روایت سورہ اخلاص «قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ» کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ اور نمازوں کے فضائل میں وارد سب سے زیادہ صحیح روایت نمازِ تسبیح کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ اور تحقیق میں نے سارا کلام مسند (اور

---

[1] سنن أبي داود، حدیث: 1297، 1298، 1299، سنن الترمذي، حدیث: 482، سنن ابن ماجه، حدیث: 1388، اور امام الحاکم رحمہ اللہ "المستدرک" میں 1: 317، 318، اور اسے صحیح کہا ہے اور امام الذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور یہ حدیث اپنے بہت سے "طرق" اور "شواہد" کی وجہ سے صحیح ہے۔ نیز اہل علم کی ایک جماعت نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے حاشیہ 'جامع الأصول' 6: 254، اور "حدیث هذا" کے متعدد طرق کی تخریج کے ضمن میں دیکھیے: 'الفتوحات الربانیة' لابن علان رحمہ اللہ 4: 305-321۔

مربوط) صورت میں کتاب ''طبقات الفقہاء'' میں امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی کے ترجمہ کے ضمن میں ذکر کر دیا ہے۔ نیز امام موصوف رحمہ اللہ (یعنی امام دارقطنی رحمہ اللہ) کی اس مذکورہ عبارت سے یہ بات ہرگز لازم نہیں آتی کہ نمازِ تسبیح کی حدیث صحیح ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں: ''کہ اس باب میں (نمازِ تسبیح کے بارے میں) جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہ ہے۔ اگر چہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے مگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان تمام احادیث میں زیادہ راجح اور ضعف کے اعتبار سے کم تر یہ حدیث ہے۔''

میں کہتا ہوں: ''کہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ایک پوری جماعت نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کی ہے ''کہ یہ نمازِ تسبیح ''مستحب'' ہے۔ اور ان میں امام محمد البغوی رحمہ اللہ اور امام ابوالمحاسن الرویانی رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔

امام الرویانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''البحر'' میں ''کتاب الجنائز'' کے آخر میں رقمطراز ہیں: ''یہ بات جان لیجیے کہ بے شک ''نمازِ تسبیح'' میں (لوگوں نے خاصی) رغبت کی ہے، اسے عادت بنا کر ادا کرنا ''مستحب'' ہے۔ اور کسی بھی وقت اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ پھر امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اسی طرح حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ اور اہل علم رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے کہا ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: کہ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اگر کوئی شخص نمازِ تسبیح میں بھول جائے تو کیا وہ سہو کے دونوں سجدوں میں بھی دس دس مرتبہ تسبیحات پڑھے گا؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا: ''نہیں' اس لیے کہ نمازِ تسبیح تین سو تسبیحات پر مشتمل ہے۔'' (اس سے زیادہ پر نہیں)۔

اور میں یہ کلام بھی ''سجدہ سہو'' کے ضمن میں کر چکا ہوں اگر چہ اس کا پہلے ذکر کرنا بھی انتہائی دقیق فائدے کے لیے ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر اس حیثیت کا حامل امام رحمہ اللہ یہ بات ذکر کرتا ہے اور پھر اس کا انکار بھی نہیں کرتا تو اس کا واضح مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس کی موافقت کرتا ہے۔ لہٰذا اس حکم کے قائل بہت زیادہ اہل علم رحمہم اللہ ہیں۔ اور یہ امام الرویانی رحمہ اللہ تو ہمارے بڑے حقیقت شناس اور فاضل ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ہیں۔




## باب، زکوٰۃ (اور صدقہ وغیرہ) سے متعلقہ اذکار کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ﴾

"اے نبی ﷺ! ان کے مال میں سے زکوٰۃ کو قبول کر لو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔"[1]

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کوئی قوم صدقہ سمیت آتی تو آپ ﷺ فرماتے: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ» کہ الٰہی ان پر رحمت کی برکھا برسا۔" تو جب حضرت ابو اوفی رضی اللہ عنہ خود اپنا صدقہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ اَبِي اَوۡفٰى»

"کہ الٰہی ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت کی برکھا برسا۔"[2]

امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر شافعی ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا، ادا کرنے والے شخص سے یہ الفاظ کہے:

«اٰجَرَكَ اللّٰهُ فِيۡمَا اَعۡطَيۡتَ، وَجَعَلَهُ لَكَ طَهُوۡرًا، وَ بَارَكَ لَكَ فِيۡمَا اَبۡقَيۡتَ»

---

[1] التوبہ 103.

[2] صحيح البخاري، حديث: 1497، صحيح مسلم، حديث: 1087، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "الدعاء" میں امام طبرانی رحمہ اللہ کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوداود رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔ اور ان سب کے ہاں اس حدیث کا مدار امام شعبہ رحمہ اللہ پر ہے اور وہ "الصحیح" کے غرائب میں سے ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/324.




"کہ جو کچھ تم نے عطا کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر مرحمت فرمائے۔ اور تمھارے لیے اس کو (ظاہری و باطنی) پاکیزگی کا سامان بنائے اور جو کچھ تمہارے پاس باقی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ تمھارے لیے برکت دے۔" اور زکوۃ لینے والے کے لیے یہ دعاء کرنا مستحب ہے۔ خواہ وہ زکوۃ وصول کرنے والے (ملازمین ہوں) یا خود فقراء ہوں۔ اور یہ دعاء ہمارے اور ہمارے علاوہ دیگر مشہور مذاہب میں واجب نہیں اور ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے کہ یہ دعاء امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کی بناء پر واجب ہے۔ پس والی پر یہ حق (یعنی واجب) ہے۔ کہ اس کے لیے دعاء بھی کرے۔" اور ان کی اس بات پر دلیل آیت کریمہ میں ظاہری حکم کا وارد ہونا ہے۔"

علمائے کرام رحمہم اللہ! کہتے ہیں: "اور دعاء میں کسی شخص کے لیے یہ کہنا مستحب نہیں «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى فُلَانٍ» "الٰہی فلان شخص پر اپنی رحمت بھیج۔ اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان «وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ» سے مراد یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا کیجیے۔ اور جہاں تک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ» "کہ اے اللہ! ان پر رحمت کی برکھا برسا دے۔" تو اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں: کہ لفظ "الصلاۃ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختیار تھا کہ وہ ہمارے برخلاف ان الفاظ کے ساتھ امت میں جسے چاہتے خطاب فرماتے تھے۔

نیز ائمہ کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی کہا ہے: "جس طرح یہ نہیں کہا جا سکتا: مُحَمَّدٌ عَزَّ وَجَلَّ" اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ کے بعد) دنیا میں سب سے زیادہ صاحب عزت و جلالت ہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا: ابوبکر یا علی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلکہ یوں کہا جائے گا: عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ یا رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

یا اس طرح کے دیگر الفاظ۔ اور اگر کسی نے یہ کہہ دیا عَلِيٌّ یا اَبُوْبَكْرٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو اس بارے میں صحیح مذہب وہی ہے جسے ہمارے اکثر ائمہ کرام رحمہم اللہ نے

اختیار کیا ہے کہ (عام آدمی کے لیے) ایسا کہنا مکروہ (یعنی کراہت تنزیہی) ہے۔ (کراہت تحریمی نہیں)۔ جبکہ بعض ائمہ رحمہم اللہ کا کہنا ہے: ''ایسا کرنا جائز نہیں اور اس کا ظاہری حکم حرمت کا ہے۔ اور اسی طرح غیر نبی کو بھی ''علیہ السلام'' یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہنا صحیح نہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی کو (بروقت) مخاطب کرنا ہو یا اسے جواب دینا ہو۔ تو ''سلام'' میں ابتداء کرنا سنت اور اس کو لوٹانا واجب ہے۔ مگر جب ''الصَّلَاۃ'' اور ''السَّلَام'' متابعت میں ہو تو بلا اختلاف جائز ہے۔ لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ أَتْبَاعِهٖ»

''الٰہی! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے پیروکاروں پر رحمت برسا۔''

اس لیے سلف صالحین رحمہم اللہ نے ایسا کہنے سے نہیں روکا۔ بلکہ انفرادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے برعکس اس کے پڑھنے کا تو ہمیں نماز کے تشہد وغیرہ میں حکم دیا گیا ہے اور تحقیق میں نے اس موضوع پر ایک مستقل اور مفصل ''فصل ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام'' گزشتہ صفحات میں ذکر کر دی ہے۔''

**[فصل]:** یہ بات بھی جان لیجیے کہ زکوٰۃ کی نیت کرنا ''واجب'' ہے اور اس کی نیت بھی دوسری عبادات کی طرح دل کے ساتھ ہی ہوگی۔ اور اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والا شخص زبان کے ساتھ کوئی الفاظ بھی کہہ لے تو دوسری عبادات کی طرح یہ پسندیدہ عمل ہے۔* لیکن اگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت دل میں نیت کیے بغیر صرف زبان پر الفاظ کی ادائیگی کو کافی سمجھ لے تو ایسی نیت کے درست ہونے میں اہلِ علم رحمہم اللہ! کے مابین اختلاف ہے۔ اور ان میں زیادہ

* اس استحباب اور افضلیت پر کوئی صحیح شرعی نص نہیں۔ لہٰذا ہر عبادت اور نیکی کے عمل کی بجا آوری کے لیے دل کی نیت ہی کافی ہے۔ سوائے حج یا عمرہ کی ادائیگی کے وقت زبان سے نیت کرنا مشروع ہے۔ (مترجم)

درست بات یہی ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور نہ زکوۃ کی ادائیگی کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نیت کرتے وقت یہ الفاظ کہے: «هٰذِهِ زَكَاةٌ» ”کہ یہ زکوۃ ہے۔“ بلکہ اس کیلئے اس مال کو کسی مستحق شخص تک پہنچا دینا ہی کافی ہے۔ لیکن اگر وہ ساتھ الفاظ بھی بیان کرلے تو تب بھی اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔“ (وَاللهُ أعلَمُ بِالصَّوابَ)

[**فصل**]: اور زکوۃ ، یا صدقہ یا نذر یا کفارہ یا اسی طرح کی کوئی اور چیز ادا کرتے وقت آدمی کے لیے یہ دعائیہ کلمات ادا کرنا مستحب عمل ہے:

«رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ»

”کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے (اس چیز کو) قبول فرمالے، بے شک آپ بہت زیادہ سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔“

تحقیق اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہما السلام اور حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں اسی دعاء کے حوالے سے خبر دی ہے۔

# روزے کے اذکار کی کتاب

## باب، جب پہلی رات کے یا عام چاند کو آدمی دیکھے تو کیا پڑھے؟

مسند الدارمی اور جامع الترمذی میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یہ دعاء فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَ الْاِيْمَانِ وَ السَّلَامَةِ وَ الْاِسْلَامِ، رَبِّيْ وَ رَبُّكَ اللّٰهُ»

”اے اللہ! یہ چاند ہم پر خوش بختی و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ نکال (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث حسن ہے۔“[1]

اور مسند الدارمی میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو فرماتے:

«اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهٗ عَلَيْنَا، بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَى، رَبُّنَا وَ رَبُّكَ اللّٰهُ»

”اللہ بہت بڑا ہے۔ الٰہی! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان، سلامتی و اسلام اور جس عمل کو آپ پسند کرتے ہیں اور جس چیز سے آپ راضی ہوتے ہیں، کے ساتھ

[1] جامع الترمذی، حدیث: 3347، سنن الدارمی: 4/2، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ”یہ حدیث حسن ہے۔“ دیکھیے: الفتوحات: 329/4.

نکال (اے چاند) ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔"[1]

اور سنن أبی داود میں "کتابُ الأدب" میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے: بے شک انھیں یہ خبر پہنچی کہ اللہ کے نبی ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو فرمایا کرتے:

«ھِلَالُ خَیْرٍ وَّ رُشْدٍ، ھِلَالُ خَیْرٍ وَّ رُشْدٍ، ھِلَالُ خَیْرٍ وَّ رُشْدٍ، آمَنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِي خَلَقَكَ، ثَلَاثَ مَرَاتٍ، ثُمَّ یَقُولُ:» "(اللہ کرے) یہ چاند، بھلائی و ہدایت کا پیش خیمہ ثابت ہو، یہ چاند باعثِ بھلائی و ہدایت ہو، یہ چاند باعث بھلائی و ہدایت ہو (اے چاند!) میں اس ذات پر ایمان لایا۔ جس نے تجھے پیدا فرمایا۔" آپ ﷺ یہ دعاء تین مرتبہ فرماتے اور بعد ازاں یہ دعاء پڑھتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ذَھَبَ بِشَھْرِ کَذَا وَجَآءَ بِشَھْرِ کَذَا»

"کہ تمام تر تعریفات اس ذات کے لیے ہیں جو فلاں مہینے کو لے گیا اور (اس کی جگہ) فلاں مہینہ لے آیا۔"[2]

اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے ہی مروی ایک روایت میں ذکر آیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو اس سے اپنا چہرۂ انور پھیر لیتے۔[3] امام ابوداود نے ان دونوں روایتوں کو "مرسل" روایت کیا ہے اور سنن أبی داود کے بعض نسخوں میں یہ بیان ہوا ہے: "امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "اس باب میں اللہ کے نبی ﷺ سے کوئی مسند و صحیح حدیث ثابت نہیں۔"

اور ہم کو یہ روایت امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے

---

[1] سنن الدارمی: 403/2 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نکالا ہے لیکن اس کی "سند" ضعیف ہے۔ ہاں مگر گزشتہ حدیث سے سہارا لیتے ہوئے قوت پکڑ لیتی ہے۔

[2] سنن أبی داؤد، حدیث: 5092، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کے راوی ثقہ ہیں اور اگر یہ خبر حضرت قتادہ رحمہ اللہ کو کسی صحابی سے ملی ہو تو حدیث صحیح ہے۔

[3] سنن أبی داؤد، حدیث: 5093 اور اس کی سند میں ابوہلال محمد بن سلیمان الراسبی ہے۔ امام المنذری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ابوہلال راوی قابل حجت نہیں۔ اور یہ حدیث مرسل ہے۔



مروی ملی ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔[1]

اور جہاں تک عام چاند دیکھنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، پس اچانک جب چاند طلوع ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَوَّذِيْ بِاللهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْغَاسِقِ إِذَا وَقَبَ»[2]

''کہ اللہ کی اس ''غاسق'' کے شر سے پناہ مانگو جب یہ چھپ جائے۔''[3]

اور ''حلیۃ الأولیاء'' میں ایسی اسناد کے ساتھ، جس میں ضعف پایا گیا ہے، زیاد النمیری رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تو فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ»

''الٰہی! ہمارے لیے رجب کے اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرما اور ہم کو (عافیت کے ساتھ) رمضان المبارک تک پہنچا دے۔''

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 647 اور اس کی سند ضعیف ہے۔

[2] تَعَوَّذِيْ بِاللهِ...... آخر تک) مصنف اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں: ''کہ ''الغسق'' سے مراد ''اندھیرا'' ہے اور چاند کا نام ''غاسق'' اس لیے ہے کیونکہ یہ گرہن کے وقت سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر ساتھ ہی اندھیرا بھی چھا جاتا ہے۔ اور ''وقب'': ''وقوب'' کا مطلب ہے کہ اندھیرے یا اسی طرح کی کسی چیز میں داخل ہونا کہ وہ داخل ہونے والی شے کو ڈھانپ لے جیسے چاند گرہن وغیرہ۔ امام الحافظ ابوبکر الخطیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' لگتا ہے کہ چاند سے پناہ مانگنے کا سبب اس کا چھپ جانا ہو، اس لیے کہ فسادی لوگ روشنی یا دن کی نسبت رات کے اندھیرے میں جب چاند وغیرہ چھپ جائے تو زیادہ سے زیادہ پھیلتے، فساد برپا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرتے ہیں۔ تو ان کے ان کرتوتوں کی نسبت چاند کے چھپ جانے کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ چاند ان کے افعال شنیعہ کا سبب بنتا ہے۔ گویا یہ اس باب سے ہے کہ کسی چیز کا نام رکھتے وقت اس کو وہ نام دینا جس کا سبب وہ چیز خود ہو اور اسی کے ساتھ لازم وملزوم ہو۔'' انتہی

[3] ابن السنی کی کتاب حدیث: 653، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔''

(مطلب یہ کہ ہم کو ہماری زندگی میں اس رمضان کے روزوں کی توفیق مرحمت فرما) اور یہی روایت ہم کو زائد الفاظ کے ساتھ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں بھی مروی ملی ہے۔ [1]

## باب، روزے کی حالت میں مستحب (مسنونہ) اذکار کے بیان کے بارے میں

اس بارے میں مستحب یہ ہے کہ آدمی روزے کی نیت دل اور زبان* سے ایک ساتھ کرے۔ جیسا کہ ہم نے دیگر عبادات کی نیت کے بارے میں کہا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف دل سے نیت کر لے تو یہ بھی کافی ہے اور اگر وہ دل کو چھوڑ کر صرف زبان سے نیت کرتا ہے تو بلا خلاف اس کو یہ نیت کفایت نہیں کرے گی۔ اور سنت (سے یہ طریقہ ثابت) ہے کہ اگر روزے کی حالت میں اس کو کوئی برا بھلا کہے یا اسے گالیاں وغیرہ دے تو وہ جواب میں دو یا تین بار یہ کہے:

«اِنِّیْ صَائِمٌ اِنِّیْ صَائِمٌ»

”کہ میں تو روزے سے ہوں، میں تو روزے سے ہوں۔“

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”روزہ ڈھال ہے۔ تو جب تم میں سے کوئی ایک روزے سے ہو تو نہ وہ فحش گوئی کرے اور نہ جہالت کا اظہار (یعنی اجڈ پن اور گنوار پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے گالی گلوچ سے اجتناب کرے) [2] اور اگر کوئی شخص اس سے لڑ پڑے یا اسے برا بھلا کہے

---

[1] حلیۃ الأولیاء: 269/6 اور ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 664، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث غریب ہے“ اور اسے امام البزار رحمہ اللہ اور امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔

*روزے کی نیت زبان سے کرنے کے بارے میں کوئی صحیح اور شرعی نص موجود نہیں۔ عام لوگوں کی زبان پر متداول عربی زبان کے الفاظ خود ساختہ ہیں۔ (مترجم)

[2] ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: «فَلَا یَرْفُثْ وَ لَا یَجْھَلْ» مجھے ان الفاظ میں ہی نسخوں میں مل سکا ہے اور اس میں کچھ الفاظ حذف شدہ ہیں اور ”صحیحین“ میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں: «فَاِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ صَائِمًا فَلَا یَرْفُثْ وَ لَا یَجْھَلْ»

تو اسے آگے سے دو مرتبہ یہ کہنا چاہیے: میں تو روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔"[1]

"کہا یہ گیا ہے کہ وہ روزے دار یہ بات اپنے مخاطب کو زبان سے کہے اور اس گالی گلوچ نکالنے والے کو سنائے تاکہ اسے تنبیہ ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہ بات اپنے دل میں کہے تاکہ وہ اس قسم کے بیہودہ طرز عمل سے رک جائے اور اپنے روزے کے تقدس کی حفاظت کرے...... اور یہ پہلا قول زیادہ ظاہر اور صحیح ہے۔

اور سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے ایسے اشخاص ہیں جن کی دعاء رد نہیں کی جاتی، ایک روزہ دار، یہاں تک کہ وہ روزہ افطار کر لے، ایک عادل امام (یا بادشاہ) اور ایک مظلوم کی بد دعاء۔"[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"

## باب، روزہ افطار کرتے وقت کیا دعاء پڑھنی چاہیے؟

سنن اَبی داؤد اور سنن النسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے نبی ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے:

«ذَهَبَ الظَّمَأُ وَ ابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى»

"پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ثواب (بھی) ثابت ہو گیا۔"[3]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: 1894، صحیح مسلم، حدیث: 1151.

[2] جامع الترمذی، حدیث: 3592، سنن ابن ماجہ، حدیث: 1752 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔" اسے امام احمد رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور اسی طرح اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/338.

[3] سنن أبی داؤد، حدیث: 2357 اور اس کی إسناد "حسن" ہے۔

میں کہتا ہوں: "کہ مذکورہ دعاء میں لفظ «الظَّمَأُ» کا آخری حرف ہمزہ مقصورہ ہے اور اس کا مطلب "پیاس" ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: «﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ..... الآية﴾» "یہ اس سبب سے ہے کہ بے شک ان کو پیاس نہیں لگے گی۔"[1] اگرچہ یہ لفظ واضح ہے مگر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جن پر یہ لفظ مشتبہ ہوا۔ تو انھوں نے اس کو "ممدود" سمجھ لیا۔ لہٰذا قرآنی استشہاد کے ساتھ میں نے اسے یہاں ذکر کردیا ہے۔

اور سنن أبي داوٗد میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ بے شک انھیں یہ خبر پہنچی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے «اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ» "کہ الٰہی میں نے آپ کی رضا کے لیے روزہ رکھا اور آپ کے (عطاء کردہ) رزق پر افطار کیا۔"[2] اسی طرح انھوں نے اسے "مرسل" روایت کیا ہے۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں "حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَعَانَنِيْ فَصُمْتُ ، وَرَزَقَنِيْ فَأَفْطَرْتُ»

"تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے مجھے ہمت بخشی تو میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق (بھی) عطاء کیا تو میں نے افطار کیا۔"[3]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی ہی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ افطار کرتے وقت یہ پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْنَا ، وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا ، فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ

---

1. التوبة 120.
2. سنن أبي داوٗد، حدیث: 2358، اس کے امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ کے پاس "شاہد" ہیں جن سے یہ قوت پکڑتی ہے۔
3. ابن السنی کی کتاب حدیث: 480، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور یہ "محقق الارسال" ہے اور "سند" میں اس راوی کا اضافہ جس کا نام نہ لیا جائے "موجب علت" نہیں ہے۔

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»

”الٰہی! ہم نے آپ کی رضا کے لیے روزہ رکھا اور آپ کے (عطا کردہ) رزق پر افطار کیا، پس ہم سے (اس روزے کو) قبول فرما، بے شک آپ (ہماری پکاروں کو) خوب سننے والے اور (ہمارے دلوں کے احوال کو) خوب جاننے والے ہیں۔“[1]

اور سنن ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:“ کہ بے شک روزہ دار کی (طرف سے) روزہ افطار کے وقت کی گئی دعاء رد نہیں کی جاتی۔ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”میں نے خود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو روزہ افطار کرتے وقت یہ دعاء پڑھتے ہوئے سنا:

«اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي»

”اے اللہ! میں آپ سے آپ کی اس رحمت کا طلبگار ہوں جو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے کہ آپ مجھے معاف فرما دیں۔“[2]

## باب، جب کسی قوم کے پاس (کوئی شخص) روزہ افطار کرے تو کیا کہے؟

سنن ابی داؤد وغیرہ میں ”صحیح اِسناد“ کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک چپاتی اور زیتون کا تیل لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] امام ابن السنی کی کتاب حدیث: 481، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث غریب ہے“ اور اس کی ”سند“ انتہائی درجے کی ”واہ“ یعنی (کمزور) ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/341.

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث: 1753، ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 482 اور اس حدیث کی اِسناد ”حسن“ ہے۔

یوں گویا ہوئے:

«أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ، وَ أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَ صَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ»①

"آپ کے ہاں روزے داروں نے افطار کیا اور تمھارا کھانا نیک لوگوں نے تناول کیا اور فرشتوں نے تم پر رحمت کی دعائیں کیں۔"②

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے پاس روزہ افطار کرتے تو ان کے حق میں دعاء کرتے۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ فرماتے: (أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ ...... آخر تک) کہ روزہ داروں نے آپ کے پاس (روزہ) افطار کیا...... آخر تک۔"③

## باب، جب کوئی شخص اتفاق سے "لیلۃ القدر" پالے تو کیا دعاء مانگے؟

سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں۔ "میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں "لیلۃ القدر" کو جان لوں تو (اس عزت کی رات) کیا دعاء کروں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعاء پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ»

"الٰہی! بے شک آپ درگزر کرنے والے، معاف کر دینے کو پسند کرنے والے

---

① سنن أبي داود، حديث: 854، سنن النسائي، حديث: 292 اور یہ حدیث اپنے "طرق" کے اعتبار سے صحیح ہے۔ دیکھیے: حافظ ابن حجر کی تخریج: الفتوحات:4/343.

② اس دعاء کا ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے: آپ کے ہاں روزے دار، روزہ افطار کرتے رہیں اور تمھارا کھانا نیک لوگ تناول کرتے رہیں اور فرشتے تم پر رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ (مترجم)

③ ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:483، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کی اسناد کے راوی "حسن" کی قسم سے ہیں۔




ہیں تو مجھے بھی معاف فرمادے۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: لیلۃ القدر پالینے کی صورت میں اس قسم کی دعائیں کثرت سے کرنا مستحب ہے اور اسی طرح قرآن حکیم کی تلاوت اور دیگر تمام اذکار اور مسنون دعائیں جو بابرکت جگہوں میں (اور بابرکت اوقات میں) پڑھی جاتی ہیں۔ کا اہتمام کرنا بھی مستحب ہے۔ اور ان کا ذکر ایک ساتھ اور الگ الگ صورت میں گزر چکا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آدمی جس قدر اس "عزت" والی رات کو "مجاہدہ" اور عبادت و ریاضت کرتا ہے اس کی صبح کو بھی سارا دن اسی قدر عبادت و ریاضت کا اہتمام کرے۔ اور آپ رحمہ اللہ کے قول کی نص (یعنی اصل عبارت) یہ ہے:

"اور آدمی کے لیے مستحب ہے کہ اس رات عام مسلمانوں کو بھی بکثرت اپنی دعاؤں میں شریک رکھے۔ یہی نیکوکار لوگوں کی علامت اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور اس کی معرفت رکھنے والے بندوں کی پہچان ہے۔ اور ہر کام میں اللہ کی توفیق شاملِ حال ہوتی ہے۔

## باب، اعتکاف کی حالت میں پڑھے جانے والے اذکار کے بیان میں

اعتکاف کے دوران، اعتکاف کرنے والے شخص کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ کثرت سے قرآنِ حکیم کی تلاوت اور دیگر اذکار اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے۔

(وباللہ التوفیق)

---

[1] جامع الترمذی، حدیث: 3508 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں۔ اور سنن ابن ماجہ، حدیث: 3850 اور یہ حدیث "المسند" میں 258,206,183,171/6 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" میں (530/1) اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز امام الذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔"

# حج کے اَذکار کی کتاب

## باب، حج کے اَذکار کے بارے میں

یہ بات جان لیجیے کہ حج کے اَذکار اور دعائیں اتنی زیادہ ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ لیکن ہم صرف اہمیت کی حامل دعاؤں کی طرف ان کے مقاصد کے حصول کی خاطر اشارہ کریں گے۔ اور یہ بھی جان لیں کہ حج کے متعلق اَذکار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ اَذکار جو دورانِ سفر پڑھے جاتے ہیں اور دوسرے وہ اَذکار جو ''حج'' کی ادائیگی کے دوران کیے جاتے ہیں۔ تو جہاں تک (حج کے لیے) سفر میں پڑھے جانے والے اَذکار کا تعلق ہے تو انھیں ہم سر دست مؤخر کرتے ہیں۔ تاکہ ہم ان کا تذکرہ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا) اَسفار کے ساتھ خاص اَذکار میں کریں گے۔ اور جو اَذکار (مناسک) حج کی ادائیگی کے دوران پڑھے جاتے ہیں تو ہم ان کو حج کے اعمال کی ترتیب کے مطابق ذکر کریں گے۔ نیز کتاب کی طوالت کے خدشہ کے پیشِ نظر اور آسانی کے ساتھ مطالعہ کے حصول کی خاطر میں اکثر مقامات سے احادیث و دلائل کو بھی حذف کر دوں گا۔ اس لیے کہ یہ باب نہایت طویل ہے۔

تو اس بارے میں سب سے پہلی بات...... کہ جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے اور وضوء کرے اور پھر اپنا تہبند باندھے اور چادر اوڑھ لے۔[1]

---

[1] اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا فعل جو صحیح حدیث سے ثابت ہے، امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے: ''کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک تہبند اور ایک چادر میں احرام باندھا۔ اور آپ ﷺ کا قول بھی، جسے ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ''تم میں سے کسی ایک کو چاہیے (جب وہ احرام باندھنے کا ارادہ کرے کہ وہ ایک تہبند، ایک چادر اور دو جوتوں میں احرام باندھے۔) ابن المنذر رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی مستند تخریج کے پیشِ نظر اس سے تعرض نہیں کیا۔ نیز اس بارے میں سنت یہ ہے کہ تہبند اور چادر سفید ⇐

اور یہ بات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وضو اور غسل کرتے وقت آدمی کیا کچھ پڑھے اور یہ بھی کہ کوئی کپڑا پہنتے وقت کونسی دعاء پڑھنی چاہیے؟ تو اب اس کے بعد وہ دو رکعت نماز پڑھے۔ نماز کے بارے میں بھی اذکار اور دعائیں اس سے پہلے گزر چکی ہیں۔ اور مستحب یہ ہے کہ آدمی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد (قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ...... آخر تک )اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ...... آخر تک ) پڑھے، پھر جب اس نماز سے فارغ ہو جائے تو جو چاہے دعاء کرے، یہ مستحب عمل ہے اور نماز کے بعد پڑھے جانے والے اذکار اور مسنون دعاؤں کے بارے میں بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ تو جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو اس کی دل میں نیت کرے اور دل کی نیت کو زبان کے الفاظ سے مدد دینا بھی ''مستحب'' ہے تو وہ یہ الفاظ کہے:[1] (نَوَیْتُ الْحَجَّ وَ اَحْرَمْتُ بِهٖ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ...... آخر تلبیہ تک )دل میں نیت کرنا واجب ہے اور زبان سے سنت، اگر کوئی صرف دل کی نیت پر اکتفاء کر لے تو کافی ہوگی۔ جبکہ صرف زبان کی نیت پر اکتفا کرنا کافی نہ ہوگا۔''

امام ابوالفتح سُلیم بن ایوب الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اگر اس کے بعد وہ یہ الفاظ کہے تو بہت اچھا عمل ہے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ اَحْرَمَ نَفْسِيْ وَ شَعْرِيْ ، وَ بَشَرِيْ وَ لَحْمِيْ وَدَمِيْ»[2]

''الٰہی آپ کی رضا کے لیے میری جان نے ، میرے بالوں نے ، میرے بدن نے ، میرے گوشت نے اور میرے خون نے احرام باندھا۔''

دیگر اہل علم کا کہنا ہے: ''کہ وہ یہ الفاظ بھی کہے:[3] «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ

⇦ ⇦ رنگ کی ہوں اور نئی اور صاف ستھری بھی۔ اگر نئی نہ ہوں تو ان کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے۔ اور احرام کے کپڑے کا خواہ کچھ حصہ خشک گندگی والا اور رنگ دار ہو یا پورے کا پورا تو ایسی صفات کا حامل ''مکروہ'' ہے۔ اگر چہ بعض مخصوص حالات میں کم سلا ہوا کپڑا بھی استعمال میں لانا جائز ہے۔ باقی جہاں تک زردی مائل اور خوشبودار کپڑے کا تعلق ہے تو ایسے کپڑے سے بہر حال اجتناب کیا جائے۔ دیکھیے: الفتوحات:4/ 351.

[1]، [2]، [3] مذکورہ تینوں ''نیت'' کے اذکار سنت سمجھ کر نہ پڑھے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ بلکہ ⇦ ⇦

فَأَعِنِّي عَلَيْهِ وَ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ» ''الٰہی! بے شک میں نے حج کی ادائیگی کے لیے نیت کی۔ پس اس کی ادائیگی کے لیے میری مدد فرما اور میری اس عبادت کو شرف قبولیت سے نواز......
پھر وہ تلبیہ کہے اور یہ الفاظ ادا کرے «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ»
''حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر قسم کی تعریف وستائش اور تمام تر نعمتیں اور بادشاہی آپ ہی کے لیے ہیں۔ آپ کا کوئی شریک نہیں۔'' ...... یہ اللہ کے رسول ﷺ کا تلبیہ ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ آدمی اس تلبیہ کے آغاز میں اگر اس نے حج کے لیے احرام باندھا ہے تو یہ الفاظ کہے «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ بِحَجَّةٍ» کہ اے اللہ میں حج کی ادائیگی کے لیے (آپ کی بارگاہ میں) حاضر ہوں۔'' اور اگر اس نے عمرہ کی ادائیگی کے لیے احرام باندھا ہو تو یہ الفاظ کہے «لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ بِعُمْرَةٍ» کہ اے اللہ! میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے (آپ بارگاہ میں) حاضر ہوں۔'' اور صحیح اور پسندیدہ مذہب کے مطابق تلبیہ کے بعد حج اور عمرہ کا ذکر دوبارہ نہ دہرائے۔''

اور یہ بات جان لیجیے کہ تلبیہ کہنا سنت ہے۔ اگر کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو اس کا حج اور عمرہ صحیح ہوگا اور اُس پر کوئی بوجھ وغیرہ نہیں مگر وہ بڑی فضیلت اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی جیسے عمل سے محروم ہو جائے گا۔ یہی صحیح مذہب ہمارا اور اکثر اہلِ علم کا بھی ہے۔ جبکہ ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اسے واجب کہا ہے اور بعض نے تو اسے حج کی صحت کے لیے ''شرط'' قرار دیا ہے مگر درست بات پہلی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کی بناء پر تلبیہ پر محافظت (اور اہتمام) بہر حال مستحب (یعنی مسنون) ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ طریقہ اختلاف سے بچنے اور اس سے نکلنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اور اللہ اصل حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

---

⇐⇐ اس کے بجائے زبان سے ان الفاظ کے ساتھ نیت کرنا مشروع ہے۔
اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجَّةً أَوْ عُمْرَةً ، اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ ۔ الٰہی: میں حج یا عمرے کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوں۔ اے اللہ! میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہے جہاں تو مجھے روک دے گا۔ (صحیح بخاری) (مترجم)

اور اگر کوئی شخص اپنے علاوہ کسی کی طرف سے حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے احرام باندھے تو وہ یہ الفاظ کہے:* «نَوَيْتُ الْحَجَّ وَ اَحْرَمْتُ بِهِ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَنْ فُلَانٍ ، لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ عَنْ فُلَانٍ» کہ میں نے حج کی ادائیگی کے لیے نیت کی اور فلاں شخص کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس حج کی ادائیگی کے لیے احرام باندھا۔ الٰہی! میں فلاں شخص کی طرف سے (آپ کی بارگاہ میں) حاضر ہوں...... پھر آخر تک وہی الفاظ کہے جو وہ اپنے لیے حج کی ادائیگی میں احرام باندھنے پر تلبیہ کے الفاظ پڑھتا ہے۔"

[**فصل**]: اور تلبیہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کی ذات پر درود بھیجے اور اپنے لیے اور اپنے علاوہ جس شخص کے لیے چاہے دنیا اور آخرت کے معاملات کے بارے میں دعائیں کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی اور جنت کے حصول کا سوال کرے۔ اور آتشِ جہنم سے اس کی پناہ مانگے۔ نیز کثرت سے تلبیہ کہنا مستحب ہے۔ اور ہر حال میں چاہے وہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، چل رہا ہو، سوار ہو، یا لیٹا ہو یا کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہو یا حالات سفر میں ہو، بے وضو ہو یا حالتِ جنابت میں ہو یا عورت ماہواری کے ایام میں ہو۔ انسانی احوال کا تجدد ہو یا زمان و مکان کا تغیر و تبدل ہو، جیسے رات اور دن کا آنا جانا، سحری کا وقت، رفقاء کا ایک جگہ اجتماع ہونا، کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے، کسی اونچی جگہ چڑھتے ہوئے یا اس سے اترتے ہوئے، سواری پر سوار ہوتے ہوئے، یا اس سے اترتے ہوئے، نمازوں کے بعد کے اوقات میں اور تمام مسجدوں میں کثرت سے تلبیہ کرے۔ اور صحیح مذہب کے مطابق طواف اور سعی (بین الصفا و المروۃ) کے دوران تلبیہ نہ کہے اس لیے کہ ان کے لیے مخصوص اذکار ہیں۔

اور بلند آواز میں اس حد تک تلبیہ کہنا مستحب ہے کہ اس پر گراں نہ گزرے، نیز عورت کے لیے اونچی آواز میں تلبیہ کہنا درست نہیں۔ اس لیے کہ اس کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے

* ایسے موقعہ پر اتنا کہہ دینا بھی کافی ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً اَوْ حَجَّةً عَنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ . "الٰہی! میں تیری بارگاہ میں فلاں (اور اس شخص کا پورا نام لے) جو فلاں کا بیٹا ہے، کی جانب سے عمرے یا حج کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوں۔" (مترجم)

کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور تلبیہ کو ہر دفعہ تین تین مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ کہنا مستحب ہے اور کہنے والا اسے پے در پے (یعنی لگاتار) کہے اور درمیان میں اپنی گفتگو یا غیر کے کلام سے اسے منقطع نہ کرے۔ اگر تلبیہ کہنے والے کو کوئی شخص سلام کہہ دے تو وہ اس سلام کا جواب دے مگر اس حالت میں اس پر سلام کہنا ''مکروہ'' ہے اور جب اس کی نظر کسی اچھی چیز پر پڑ جائے تو اللہ کے رسول کے حکم کی بجا آوری میں یہ الفاظ کہے:

«لَبَّيْكَ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ»*

''میں حاضر ہوں، بے شک اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔''

اور یہ بات بھی جان لیجیے کہ قربانی کے دن ''جمرۂ عقبہ'' کو کنکر مارنے یا طواف کرنے تک تلبیہ کہنا مستحب ہے اگر وہ طوافِ افاضہ کو مقدم کرے۔ لیکن اگر وہ ان دونوں مناسک میں سے کسی ایک کی ابتداء کرتا ہے تو اس کے آغاز میں ہی تلبیہ ختم کر کے تکبیرات کہنے میں مشغول ہو جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''عمرہ کرنے والا شخص رکن یمانی کو چھونے تک تلبیہ کہے۔''

[**فصل**]: جب محرم (احرام باندھنے والا) مکۃ المکرمہ کے حرم (اللہ تعالیٰ اس کے شرف و عزت میں اضافہ فرمائے) میں داخل ہو جائے تو اس کے لیے یہ دعاء پڑھنا پسندیدہ عمل ہے: «اللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَ أَمْنُكَ فَحَرِّمْنِي عَلَى النَّارِ، وَ أَمِّنِّي مِنْ عَذَابِكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ، وَاجْعَلْنِي مِنْ أَوْلِيَائِكَ وَ أَهْلِ طَاعَتِكَ»۔ ''اے اللہ! یہ آپ کا حرم اور امن کی جا ہے۔ پس مجھ پر (اپنی رحمت سے) آتش جہنم کو حرام کر دے اور جس دن آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں گے، اس دن مجھے اپنے عذاب سے محفوظ فرما اور مجھے اپنے اولیاء اور اپنے فرمانبردار بندوں میں کر دے''[1] اور پھر جو چاہے دعاء کرے۔

[**فصل**]: پھر جب وہ مکہ المکرمہ (شہر) میں داخل ہو جائے اور کعبہ مشرفہ پر اس کی

---

* اس کی کسی شرعی دلیل پر ہم مطلع نہیں ہو سکا۔ (مترجم)

[1] مذکورہ دُعاء کسی بھی صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ (مترجم)

نگاہ پڑے اور مسجد الحرام پہنچ جائے تو اس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا مستحب ہے۔ تحقیق روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کعبہ مشرفہ کو دیکھ کر دعاء کرے تو اس کی دعاء قبول کی جاتی ہے۔'' تو وہ یہ دعائیں کرسکتا ہے: «اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَاالْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَ تَكْرِيمًا وَتَعْظِيمًا وَ بِرًّا وَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ، حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ» ''الٰہی! اس گھر کو شرف وعظمت وعزت اور رعب و ہیبت میں بڑھا دے اور جو شخص اس گھر کا حج یا عمرہ کرتے ہوئے اس کی عزت واحترام کا موجب ہوا سے بھی شرف و عزت، عظمت اور نیکی میں بڑھا دے۔ اے اللہ! آپ سراسر سلامتی ہیں اور آپ کی ذات کی طرف سے امن وسلامتی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو امن وسلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔''[1] پھر دنیا وآخرت کی بھلائیوں میں سے جو چاہے دعائیں مانگے اور مسجد الحرام میں داخل ہوتے وقت وہی دعائیں پڑھے جو ہم قبل ازیں کتاب کے آغاز میں تمام مساجد میں داخلے کے وقت دعائیں پڑھنے کا ذکر کر چکے ہیں۔

## **فصل،** طواف کے اَذکار کے بیان میں

اللہ کے گھر کے طواف کے آغاز میں اور ''حجر اسود'' کو چھونے سے پہلے یہ دعاء پڑھنا مستحب ہے:

«بِسْمِ اللهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ إِيمَانًا بِكَ وَ تَصْدِيقًا بِكِتَابِكَ، وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَ اِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ بہت بڑا ہے۔ الٰہی! آپ پر ایمان رکھتے ہوئے اور آپ کی کتاب کو سچ مانتے ہوئے اور آپ کے ساتھ کیے گئے وعدے کی پاسداری کرتے ہوئے اور آپ کے نبی ﷺ کی سنت کی تابعداری کرتے ہوئے میں شروع کرتا ہوں۔ اور مستحب یہ ہے کہ طواف کے ہر چکر میں حجر اسود

[1] مذکورہ دُعاء کسی بھی صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ (مترجم)

کے بالمقابل یہی ذکر کرے۔اور رمل یعنی پہلے تین چکروں میں یہ دعاء پڑھے:
«اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا، [1] وَ ذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَ سَعْيًا مَشْكُوْرًا»
''الٰہی ! اسے حج مبرور بنادے اور گناہوں کی معافی کا سبب بنادے اور میری اس محنت وکوشش کو اپنے نزدیک قابلِ قدر بنادے۔''

اور باقی چار چکروں میں یہ دعاء مانگے: «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، وَاعْفُ عَمَّا تَعْلَمُ وَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ» ''الٰہی ! مجھے معاف فرمادے اور مجھ پر رحم فرما اور (ہر) اس گناہ کو بھی بخش دے جسے آپ جانتے ہیں اور آپ سب سے بڑھ کر معزز ومکرم ہیں۔الٰہی ! اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی عطاء فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں پسند کرتا ہوں کہ طواف کے دوران یہ دعا پڑھی جائے: «اللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ» الٰہی! اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی مرحمت فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔امام موصوف رحمہ اللہ یہ بھی کہتے ہیں: ''کہ میں پسند کرتا ہوں کہ پورے طواف کے دوران یہ دعاء پڑھی جائے۔'' [2]

---

[1] حَجًّا مَبْرُوْرًا یعنی ایسا حج کہ جو گناہوں کی آلائشوں سے پاک ہو اور مَبْرُوْر بِرٌّ سے ہے اور بِرّ سے مراد احسان اور اطاعت ہے۔

[2] نوٹ: ''کعبہ مشرفہ کو دیکھنے'' سے لے کر اب تک جتنی دُعاؤں کا اُوپر ذکر ہوا ہے، اُن میں سے کوئی بھی صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت نہیں سوائے اس دُعاء کے (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً) آخر تک پڑھنے کا صحیح حدیث سے ثبوت ملتا ہے (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) لہٰذا مذکورہ دعاؤں کو دوسری اور دعاؤں کے ساتھ ملا کر پڑھنے کے بجائے قرآنی اور صحیح احادیث سے ثابت شدہ دعاؤں کو بدل بدل کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔کیوں کہ شریعت طاہرہ میں دورانِ طواف کسی بھی چکر میں کسی متعین دعاء کا ذکر نہیں ہوا سوائے (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا...... آخر تک) جو کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جائے۔ (مترجم)

اور مستحب یہ ہے کہ اپنے طواف میں دین و دنیا کے امور کے بارے میں جو کچھ پسند کرتا ہے اس کے حصول کی خاطر دعائیں کرے۔ اور اگر ایک شخص دعاء کرے اور باقی لوگ آمین کہیں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔

اور حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کی گئی ہے کہ وہاں پندرہ (۱۵) مقامات پر دعاء کو شرفِ قبولیت سے نوازا جاتا ہے:

① طواف کے دوران ② ملتزم کے پاس۔ ③ میزاب کے نیچے۔ ④ بیت اللہ شریف کے اندر۔ ⑤ آبِ زمزم (کے کنویں) کے پاس۔ ⑥ صفاء اور مروہ پر کھڑے ہو کر۔ ⑦ صفاء اور مروہ کے درمیان ''سعی'' کے دوران۔ ⑧ مقام ابراہیم کے پیچھے۔ ⑨ میدان عرفات میں۔ ⑩ مزدلفہ (یعنی مشعر حرام) کے پاس۔ ⑪ منیٰ کے میدان میں۔ ⑫ تینوں جمرات کے نزدیک۔...... اور جو شخص ان جگہوں پر دعاء کا اہتمام نہ کرے تو وہ (خیر کثیر سے) محروم ہو گیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر شافعی مذہب رکھنے والے اہلِ علم رحمہم اللہ! کا خیال ہے: ''کہ دورانِ طواف قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ یہ ذکر کی جگہ ہے اور سب سے افضل ذکر قرآن کی تلاوت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے بڑے اصحاب میں سے ابو عبداللہ الحلیمی رحمہ اللہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ طواف کے دورانِ قرآن مجید کی تلاوت مستحب نہیں...... اور اس بارے میں صحیح مذہب پہلا ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے کہ غیر مسنون دعائیں پڑھنے سے قرآنِ حکیم پڑھنا افضل ہے۔ اور مسنون دعائیں اور ذکر، صحیح قول کے مطابق، بہر حال قرآنِ حکیم پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تلاوتِ قرآن اس سے افضل ہے۔

شیخ ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ حج کے دنوں میں آدمی کے لیے طواف کے دوران پورا قرآنِ حکیم ختم کرنا مستحب ہے۔ اس عمل سے اسے اجرِ عظیم سے نواز جائے گا۔

اور اللہ ہی اصل حقیقت جانتا ہے۔"[1]

اللہ کے گھر کا طواف اور طواف کی دو رکعتوں سے فراغت کے بعد اپنے پسندیدہ امور کے بارے میں دعائیں کرنا مستحب ہے اور اس سلسلے میں یہ دعاء بھی منقول ہے:*

«اَللّٰھُمَّ اَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ اَتَيْتُكَ بِذُنُوبٍ كَثِيرَةٍ وَ أَعْمَالٍ سَيِّئَةٍ، وَ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ، فَاغْفِرْلِي إِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ»

"الٰہی! میں آپ کا بندہ اور آپ کے بندے کا بندہ ہوں۔ میں گناہوں کے انبار اور برے اعمال (کے ڈھیر) لے کر آپ کے در پر آیا ہوں۔ اور یہ مقام آتشِ جہنم سے آپ کی پناہ طلب کرنے والے کا ہے۔ پس مجھے معاف فرمادے۔ بے شک آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے بہت مہربان ہیں۔"

[**فصل**]: اور یہ فصل "ملتزم" میں دعاء کرنے کے بارے میں ہے۔

ملتزم کعبہ مشرفہ اور حجر اسود کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ بات پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس جگہ دعاء قبول کی جاتی ہے۔ اور (وہاں پڑھی جانے والی) مسنون دعاؤں میں سے ایک یہ دعا ہے:

«اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يُوَافِيْ نِعَمَكَ، وَيُكَافِيءُ مَزِيدَكَ، أَحْمَدُكَ بِجَمِيعِ مَحَامِدِكَ مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَ مَالَمْ أَعْلَمْ عَلٰى جَمِيعِ نِعَمِكَ مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَ مَالَمْ أَعْلَمْ، وَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ؛

---

[1] ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام الجوینی رحمہ اللہ کی اس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ لیکن اس اعتراض کو اس بات سے رد کیا جا سکتا ہے کہ امام موصوف رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر اس "خیر کثیر" کے حصول پر انگیخت دلائی ہے۔ (مطلب یہ کہ ان کا مقصد صرف بھلائی کے کام پر ابھارنا ہے۔) الفتوحات: 4/389.

* اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ دُعاء اس موقعہ پر پڑھنا کس صحیح اور شرعی نص میں وارد ہوئی ہے؟ لہٰذا پڑھتے ہوئے اسے مسنون عمل نہ سمجھے۔ (مترجم)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ أَعِذْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، وَ أَعِذْنِي مِنْ كُلِّ سُوءٍ، وَ قَنِّعْنِي بِمَا رَزَقْتَنِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ؛ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ أَكْرَمِ وَفْدِكَ عَلَيْكَ، وَ أَلْزِمْنِي سَبِيلَ الْإِسْتِقَامَةِ حَتّٰى أَلْقَاكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ»

''اے اللہ! تمام تر تعریفات آپ کے لیے ہیں جو آپ کی نعمتوں کے (شکرانے کے لیے) پوری ہو جائیں اور آپ کی مزید نعمتوں کو بھی کفایت کر جائیں۔ میں آپ کی تمام کمال صفات کے ساتھ آپ کی تعریف کرتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن سے میں بے بہرہ ہوں (اور) آپ کی (عطاء کردہ) تمام نعمتوں کے بدلے میں بھی ہر حالت جو مجھے معلوم ہے اور جو مجھے معلوم نہیں۔ الٰہی! حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر (اپنی) رحمت اور سلامتی کی برکھا برسا، الٰہی! مجھ کو شیطان مردود سے اپنی پناہ میں رکھ اور (دیگر) ہر برائی سے بھی اپنی پناہ میں رکھ اور جو کچھ آپ نے (اپنی رحمت سے) مجھے عطا فرمایا ہے اس بارے میں مجھ کو قانع بنادے اور (پھر) اس میں میرے لیے برکت دے۔ الٰہی! مجھے اپنے دربار میں رسائی پانے والوں میں سب سے زیادہ معزز بنادے اور اے جہانوں کے پروردگار اپنے حضور شرف باریابی تک مجھے ثابت قدمی کے راستے پر باقی رکھنا۔''[1]

پھر جونسی اور جس قدر اسے پسند ہو اپنے حق میں دعائیں کرے۔

اور یہ (فصل) مقام حجر (''حاء'' کے کسرہ (زیر) اور ''جیم'' کے سکون (جزم) کے ساتھ پڑھا گیا ہے) میں دعاء کرنے کے بارے میں ہے: اور یہ بیت اللہ کا حصہ ہے جس کی

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ میں اس دعاء کی اصل سے واقف نہیں ہو سکا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 391/4.



دیوار سے حد بندی کی گئی ہے۔ اور ہم نے قبل ازیں یہ ذکر کر دیا ہے کہ اس جگہ بھی کی گئی دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔

اور مقام حجر میں کی جانے والی دعاؤں میں سے ایک مسنون دعاء یہ ہے:

«يَا رَبِّ أَتَيْتُكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ مُؤَمِّلًا مَعْرُوفَكَ فَأَنِلْنِي مَعْرُوفًا مِنْ مَعْرُوفِكَ تُغْنِينِي بِهِ عَنْ مَعْرُوفِ مَنْ سِوَاكَ يَا مَعْرُوفًا بِالْمَعْرُوفِ»

''اے میرے پروردگار! میں دور کے پر مشقت سفر (کی صعوبتیں برداشت کرکے، آپ کی رحمت کا امیدوار ہوتے ہوئے، آپ کے در پر حاضر ہوا ہوں۔ پس مجھے اپنی رحمت میں سے اس قدر رحمت سے بہرہ ور فرمادے کہ آپ کے سوا تمام مخلوقات کے احسانات سے مجھے بے پروا کر دے۔ اے احسان کی صفت سے متصف ذات۔''[1]

## فصل، ''بیت اللہ'' میں دعاء کرنے کے بارے میں ہے

اور یہ بات بھی پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ ''اللہ کے گھر میں کی جانے والی دعاء قبول ہوتی ہے۔

سنن النسائی میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ''بیت اللہ'' میں داخل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مشرفہ کی پشت کے سامنے والے حصے سے اندر تشریف لاتے تو اپنے چہرۂ انور اور رخسار کو اس پر ٹکا دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس سے سوال کرتے اور بخشش طلب کرتے۔ پھر کعبہ مشرفہ کے تمام کونوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف کامل یکسوئی کے ساتھ رجوع کرتے

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہمیں یہ مذکورہ ''اثر'' امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''المنتظم'' میں مروی ملا ہے اور ''مثیر العزم'' میں بھی ایک ضعیف ''سند'' کے ساتھ مالک بن دینار رحمہ اللہ کے طریق سے۔ دیکھیے: الفتوحات: 393/4.

ہوئے «اللّٰهُ اَكْبَرُ»، «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ»، «سُبْحَانَ اللّٰهِ» اور «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کا ذکر کرتے۔ اللہ عزوجل سے سوال اور بخشش طلب کرتے۔ پھر آپ ﷺ باہر تشریف لے آتے۔“ [1]

[**فصل**]: اور یہ صفا مروہ کے درمیان ”سعی“ کے اذکار کے بارے میں ہے۔ نیز یہ قول بھی گزر چکا ہے کہ ”سعی“ کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ صفا (پہاڑی) پر کعبہ مشرفہ کی جانب منہ کر کے لمبا عرصہ قیام کرے۔ پھر تکبیر کہے، دعاء کرے اور یہ دعاء پڑھے:

«اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ عَلَى مَا هَدَانَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا أَوْلَانَا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَ يُمِيتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَ نَصَرَ عَبْدَهُ، وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ؛ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ: ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ، وَ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ، وَ إِنِّي أَسْأَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِي لِلْإِسْلَامِ أَنْ لَا تَنْزِعَهُ مِنِّي حَتَّى تَتَوَفَّانِي وَ أَنَا مُسْلِمٌ»

”اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے اور تمام تر تعریفات اللہ کے لیے ہیں، اللہ بہت بڑا ہے کہ جو اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور ہر قسم کی تعریف وستائش اللہ کے لیے ہے کہ جو اس نے ہم پر احسانات فرمائے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ یکتا ذات ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ساری بادشاہی اسی ذات کے لیے ہے اور ساری تعریفات اس کے لیے ہیں وہ زندہ کرتا

[1] سنن النسائی: 5/19، 20 اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/394۔

اور مارتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ہر قسم کی بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس یکتا ذات نے (کفار کی) جماعتوں کو شکست سے دو چار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی کے لیے دین کو خالص رکھتے ہوئے (اس پر عمل پیرا ہیں) خواہ کافر اسے ناپسند سمجھیں۔ الٰہی! بے شک آپ نے فرمایا ہے: «اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ» کہ مجھے پکارو، میں تمھاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں" بے شک آپ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور بے شک میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح آپ نے مجھے اسلام کے لیے ہدایت سے نوازا ہے، مجھے اس سے کبھی محروم نہ کرنا۔ مجھے اس حال میں (اس دنیا سے) اٹھانا کہ میں (آپ کا پوری طرح) فرمانبردار ہوں۔"

پھر دنیا و آخرت میں بھلائیوں کے حصول کے لیے دعائیں کرے اور یہ مذکورہ ذکر اور دعاء تین مرتبہ کہے اور تلبیہ پڑھے۔ اور جب وہ مروہ (پہاڑی) پر پہنچے تو اس پر چڑھ کر وہی اذکار اور دعائیں پڑھے جو اس نے "صفا" پر پڑھی تھیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں (موقوف) روایت ملی ہے کہ وہ "صفا" (پہاڑی) پر یہ دعاء پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنَا بِدِيْنِكَ وَ طَاعَتِكَ وطَاعَةِ رَسُوْلِكَ وَ جَنِّبْنَا حُدُوْدَكَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا نُحِبُّكَ، وَ نُحِبُّ مَلَائِكَتَكَ وَ أَنْبِيَاءَ كَ وَ رُسُلَكَ، وَ نُحِبُّ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ؛ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْنَا إِلَيْكَ وَ إِلَى مَلَائِكَتِكَ وَ إِلَى أَنْبِيَائِكَ وَ رُسُلِكَ وَ إِلَى عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ؛ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْنَا لِلْيُسْرَى، وَ جَنِّبْنَا الْعُسْرَى، وَاغْفِرْ لَنَا فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولَى، وَاجْعَلْنَا مِنْ أَئِمَّةِ الْمُتَّقِيْنَ»

"الٰہی! ہمیں اپنے دین (کی برکات) کے ذریعے اور اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کی بدولت بچائے رکھنا اور اپنی حدود (کی پامالی) سے ہمیں دور رکھنا۔ الٰہی! ہمیں توفیق دے کہ آپ سے محبت کریں اور آپ کے فرشتوں، آپ کے انبیاء و رسل علیہم السلام سے محبت کریں اور آپ کے نیک بندوں سے محبت کریں۔ الٰہی! اپنی ذات، اپنے فرشتوں کو، اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو ہمارے ہاں محبوب بنادے۔ الٰہی! ہمارے لیے (نیک کام کی انجام دہی کے لیے) آسانی میسر فرما اور تنگی و مصیبت سے دور رکھ اور دنیا و آخرت میں ہماری بخشش فرما اور ہم کو پرہیز گار ائمہ میں سے کر دے۔"①

اور صفا و مروہ کے درمیان آتے جاتے وقت یہ دعاء پڑھے:

«رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ تَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ»

"اے ہمارے پروردگار! معاف فرما اور رحم کر اور (ہماری خطاؤں کی بابت) جو کچھ آپ جانتے ہیں ان سے درگزر فرما۔ بے شک آپ سب سے بڑھ کر معزز و مکرم ہیں۔ اے اللہ! ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں (بھی) نیکی مرحمت فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے۔"

تیز سعی کے دوران اور دیگر ہر جگہ پر کی جانے والی پسندیدہ دعاؤں میں سے ایک یہ بھی دعاء ہے:

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی تخریج کے بعد، کہتے ہیں: "یہ حدیث موقوف صحیح ہے۔" دیکھیے: الفتوحات: 4/400۔

«اللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ[1] ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ[2]، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ، وَالنَّجَاةَ، مِنَ النَّارِ؛ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى؛ اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ؛ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْعَمَلٍ»

''الٰہی! اے دلوں کے پھیرنے والے، میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، الٰہی! میں آپ کی رحمت کے اسباب کا اور آپ کی بخشش کے سامان کا اور ہر قسم کے گناہ سے سلامتی کا اور جنت کے ساتھ کامیابی کا اور آگ سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں آپ کے حضور، ہدایت کا، پرہیز گاری کا، پاکیزگی

---

[1] يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ''اے دلوں کے پھیرنے والے'' صحیح حدیث میں آیا ہے: ''کہ مؤمن کا دل اللہ، رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ اور شعراء میں سے کسی ایک نے کیا عمدہ بات کہی ہے: (ترجمہ) اور انسان کا یہ نام اس کے بھول جانے کی وجہ سے رکھا گیا ہے اور ''قلب'' (دل) کا یہ نام بار بار ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

[2] ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ یعنی میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ'' اللہ کے نبی ﷺ سے صادر اس دعاء سے مراد یا تو آپ ﷺ کی تواضع ہے یا اللہ کے لیے اس کی عبادت کے اصل حق کی ادائیگی کے اظہار کے لیے ہے۔ یا پھر اپنی امت کے لیے تشریع کے طور پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ادا فرمائے۔ اور یہ ''ذکر'' امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے: ''یہ حدیث حسن ہے اور اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے۔

اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! اپنے ذکر پر، اپنے شکر پر اور اپنی عبادت کے حسن پر میری مدد فرما۔ اے اللہ! میں آپ سے ہر قسم کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ جن کا مجھے علم ہے اور جنھیں میں نہیں جانتا۔ اور ہر قسم کے شر سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں جن کا مجھے علم ہے اور جن کو میں نہیں جانتا۔ اور میں آپ سے جنت اور ہر قول اور (ظاہری و باطنی) عمل کا جو مجھے جنت سے قریب کر دے، سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی آتش جہنم سے اور ہر قول اور (ظاہری و باطنی) عمل سے جو مجھے جہنم سے قریب کر دے، پناہ طلب کرتا ہوں۔"

اور اگر کوئی شخص (ان اذکار کی جگہ پر) قرآنِ حکیم کی تلاوت کرے تو یہ عمل افضل ہے۔ اور اسے ان مذکورہ اذکار، دعاؤں اور قرآن حکیم کو ملا کر بھی پڑھنا چاہیے۔ لیکن اگر ان میں سے کسی بعض ذکر یا دعاء پر بھی اکتفاء کر لے تو یہ بھی درست ہے۔ مگر یہ اہم کی بجائے "مہم" پر عمل ہوگا۔ (واللہ أعلم بالصواب)۔

## **فصل**، ان اذکار کے بارے میں جو حاجی مکہ سے عرفات میدان کی طرف جاتے ہوئے پڑھتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے "منیٰ" کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے یہ دعاء پڑھنا مستحب ہے۔

«اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ اَرْجُوْ، وَ لَكَ اَدْعُوْ، فَبَلِّغْنِيْ صَالِحَ اَمَلِيْ، وَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي، وَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهِ عَلَى أَهْلِ طَاعَتِكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ»

"الٰہی! میں خاص آپ کی امید رکھتا ہوں اور آپ ہی کو بلاتا ہوں پس مجھ کو میری اچھی امید ودیعت فرما دے۔ اور میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور اپنی جن

نعمتوں کے ساتھ آپ نے اپنے فرمانبردار بندوں پر احسان فرمایا ہے وہی نعمتیں مجھ پر بھی بہا دے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔''[1]

اور جب وہ (حاجی) منیٰ سے میدان عرفات کی طرف چلے تو یہ دعاء کرنا مستحب ہے۔

«اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ ، وَ وَجْهَكَ الْكَرِيمَ أَرَدْتُ، فَاجْعَلْ ذَنْبِي مَغْفُورًا، وَ حَجِّي مَبْرُورًا، وَارْحَمْنِي وَلَا تُخَيِّبْنِي اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ» *

''الٰہی! میں آپ کی طرف متوجہ ہوا اور آپ کے (مشفق و) مکرم چہرے کا میں نے ارادہ کیا۔ تو میرے گناہوں کو قابل معافی بنا دے اور میرے حج کو ''مبرور'' (یعنی گناہوں کی آلائشوں سے مبرا) کر دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھ کو ناکامی (اور خرابی) سے بچا لے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور تلبیہ اور قرآن حکیم کی تلاوت کرے۔ نیز دیگر تمام اذکار اور دعائیں کثرت سے پڑھے۔ خاص طور پر اس دعاء کا اہتمام کرے: «اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ»

''اے اللہ ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

## فصل، میدان عرفات میں پڑھے جانے والے مسنون اذکار اور دعائیں

قبل ازیں ہم نے عید کے اذکار کے سلسلے میں اللہ کے نبی ﷺ کی یہ حدیث ذکر کی ہے ''کہ عرفہ کے دن سب سے بہتر دعاء اور سب سے بہتر ''ذکر'' جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے وہ یہ ہے:

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے اس دعاء کو'' مرفوع حیثیت میں کہیں نہیں دیکھا۔ اور اسے حافظ ابی اسحاق الحربی رحمہ اللہ کی کتاب ''المناسک'' میں پایا ہے۔ لیکن انھوں نے اسے اپنے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب نہیں کیا۔ دیکھیے: الفتوحات: 4/405.

* مذکورہ دعاء بھی کسی صحیح یا مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا مسنون سمجھ کر نہ پڑھے۔

«لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ»

’’کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کے لیے ساری (کائنات کی) بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ہی تمام تعریفات ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

لہٰذا کثرت سے یہ ذکر اور دعائیں کرنا مستحب ہے اور خاص طور پر اس مذکورہ ذکر کا اہتمام کرے۔ کیونکہ سال کے تمام دنوں کی نسبت یہ دن دعاء کے اعتبار سے افضل ترین دین ہے اور یہ حج کا سب سے بڑا (عمل) ہے[1] اور یہی حج کی اصل ہے اور اسی پر حج موقوف ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ذکر، دعائیں اور تلاوتِ قرآن کرے۔ مختلف مسنون دعاؤں اور اذکار کا انتخاب کرے اور اپنے لیے خاص طور پر دعاء کرے۔ اور اپنی دعا میں اپنے والدین، عزیز و اقارب، اساتذہ، اپنے ساتھیوں، دوستوں، احباب، اپنے محسنوں اور دیگر تمام مسلمانوں کو بھی شریک کرے۔ نیز میدانِ عرفات میں ہر جگہ انفرادی اور اجتماعی دعاء کرنے کا بھی اہتمام کرے۔ اور ہر قسم کی غلطی اور کوتاہی سے بچے۔ اس لیے کہ اس دن سرزد ہونے والی غلطی کا تدارک...... دوسرے دنوں کے برعکس...... ممکن نہیں۔ اور دعاء کرتے وقت تکلف کرتے ہوئے مسجع عبارتیں ادا کرنے سے گریز کرے۔ بلکہ بوقت دعاء دل کو حاضر رکھے اور پوری یکسوئی اور خشوع و خضوع، عاجزی و انکساری اور تذلل و تضرع سے سرشار (اپنے رب کے حضور) التجائیں کرے۔ اور دعاء کے دوران اگر غیر ارادی طور پر مسجع الفاظ، یا ترتیب و تنسیق سے ہٹ کر تکلف اور

[1] وَهُوَ مُعْظَمُ الْحَجِّ. ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: مطلب اس کا یہ ہے کہ میدان عرفات میں ٹھہرنا حج کا بڑا ’’منسک‘‘ ہے۔ اسے پالینے سے حج پالیا جاتا ہے اور اسے کھو دینے سے حج بھی پورا نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اَلْحَجُّ عَرَفَةُ) کہ حج وقوف عرفہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ’’کہ یہ حج کے ارکان میں سے سب سے افضل رکن ہے۔ کیونکہ حج اسی پر موقوف ہے۔ اور اس میں فضل عظیم اور شرف کبیر ہے۔

عبارات کے اعراب کا لحاظ کیے بغیر الفاظ ادا بھی ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں (مگر یکسوئی اور خشوع وخضوع میں فرق نہیں آنا چاہیے۔)

اور اس موقع پر مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دعاء کرتے وقت آواز کو آہستہ رکھے۔ کثرت سے استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نافرمانی سے بچنے اور اس کے حضور توبہ کے الفاظ ادا کرنے کا پوری یکسوئی اور دل ودماغ کی حضوری کے ساتھ بار بار اعادہ کرے۔ اور دعاء کی قبولیت کے وقت میں دیر نہ کرے۔ اور اپنی دعاء کا آغاز اور اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود وسلام بھیج کر کرے۔ نیز دعاء کرتے وقت باوضو ہونے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کے حضور متوجہ ہونے کی حرص کرے۔

اور جامع الترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''کہ عرفات کے میدان میں وقوف کے دن اللہ کے نبی ﷺ کی اکثر یہ دعاء ہوتی تھی:

«اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِیْ نَقُوْلُ، وَ خَيْرًا مِمَّا نَقُولُ، اللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِي وَ نُسُكِي، وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي، وَ إِلَيْكَ مَآلِي، وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِي، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ، وَ شَتَاتِ الْأَمْرِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِيءُ بِهِ الرِّيحُ»

''الٰہی! آپ کے لیے ہی ہر قسم کی اور تمام تعریفات ہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں اور اس سے بھی بہتر جو ہم کہتے ہیں۔ الٰہی! میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت آپ کے لیے ہے اور آپ کی طرف ہے میرا انجام کار۔ اور آپ کے لیے میرا تمام ورثہ (یعنی چھوڑا ہوا مال) الٰہی! میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اور سینے کے وسوسوں اور مختلف امور کی پراگندگیوں سے بھی، الٰہی! میں آپ کی اس شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں جسے آندھی لے کر آتی ہے۔'' [1]

---

[1] جامع الترمذی، حدیث: 3515 اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس طریق سے ''غریب'' ہے اور اس کی اسناد قوی (مضبوط) نہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث اس ''طریق سے ''غریب'' ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات: 6/5.

اور اس موقعہ پر کثرت سے تلبیہ پڑھنا، اللہ کے رسول ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجنا بھی مستحب ہے اور یہ بھی کہ انسان کثرت سے گریہ زاری کرنے کے ساتھ ساتھ ذکر و دعاء کرے۔ اس لیے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں (اللہ کے خوف سے) آنسو بہہ پڑتے ہیں۔ لغزشیں اور خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ اور مطالبات برآنے کی امیدیں کی جاتی ہیں۔ یہ ایک عظیم مقام اور جلیل القدر اجتماع کی جگہ ہے۔ وہاں اللہ کے بندوں میں سب سے مخلص اور افضل لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ نیز دنیا کی سب سے بڑی اجتماع گاہ ہے۔

اور میدان عرفات میں مانگی جانے والی پسندیدہ دعاؤں میں سے چند ایک یہ ہیں:[1]

«اللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ»

''اے اللہ! ہم کو دنیا میں بھی نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔''

«اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ»

''الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیے اور آپ کے سوا (ان) گناہوں کو اور کوئی نہیں معاف کر سکتا۔ تو مجھے اپنی جانب سے خاص بخشش سے نواز اور مجھ پر رحم فرما، بے شک آپ ہی بخشنے والے مہربان ہیں۔''[2]

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مصنف رحمہ اللہ نے جن دعاؤں اور احادیث کا یہاں مجموعہ ذکر کیا ہے، ان میں سے پہلی دعاء، چند صفحات پہلے گزر چکی ہے اور عنقریب بعد میں بھی ذکر کی جائے گی۔

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ دعاء ''تشہد کے بعد کی دعاؤں'' کے باب میں گزر چکی ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں۔

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا كَبِیْرًا وَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ، فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ رَحْمَةً اَسْعَدُ بِهَا فِي الدَّرَیْنِ ، وَ تُبْ عَلَیَّ تَوْبَةً نَصُوحًا لَا اَنْكُثُهَا اَبَدًا ، وَ اَلْزِمْنِي سَبِیلَ الاِسْتِقَامَةِ لَا اَزِیْغُ عَنْهَا اَبَدًا»

''الٰہی! مجھے ایسی معافی دے جو (دنیا و آخرت) دونوں جہانوں میں میرے معاملے کو درست کر دے اور مجھ پر ایسی رحمت کر جو میرے لیے دونوں جہانوں میں سعادت مندی کا باعث ہو اور میری توبہ قبول فرما ایسی توبہ جو میری خطاء باقی نہ چھوڑے اور اس توبہ کے بعد میں کبھی آپ سے کیا ہوا عہد نہ توڑوں اور مجھ کو ثابت قدمی کے ایسے راستے پر گامزن کر دے کہ میں اس راستے سے کبھی نہ پھسل سکوں۔''[1]

«اَللّٰهُمَّ انْقُلْنِیْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِیَةِ اِلَی عِزِّ الطَّاعَةِ ، وَ اَغْنِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ ، وَ بِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِیَتِكَ ، وَ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»

الٰہی! مجھ کو معصیت کی ذلت سے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی عزت کی جانب منتقل کر دے اور مجھ کو اپنے حلال مال کے ساتھ اپنے حرام رزق سے اور اپنی فرمانبرداری کے ساتھ اپنی نافرمانی سے اور اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے بے پرواہ کر دے۔''[2]

«وَنَوِّرْ قَلْبِیْ وَ قَبْرِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ ، وَ اجْمَعْ لِیَ الْخَیْرَ كُلَّهٗ»

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس دعاء کے ''مسند'' ہونے پر میں مطلع نہیں ہو سکا۔

② یہ دعاء ''جس شخص پر قرضہ ہو تو وہ کیا پڑھے؟'' کے باب میں گزر چکی ہے۔

"(الٰہی) میرے دل کو اور میری قبر کو روشن کر دے اور مجھے ہر قسم کے شر سے بچالے اور میرے لیے ہر قسم کی نیکی و بھلائی کو جمع فرمادے۔"[1]

## فصل، میدان عرفات سے مزدلفہ (مشعر الحرام) کی جانب آتے ہوئے پڑھے جانے والے مستحب اذکار

تحقیق یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ ہر جگہ تلبیہ کثرت سے پڑھنا مستحب عمل ہے۔ (یہی اس کی اہمیت ہے) اور اس جگہ (بھی) تلبیہ کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت اور دیگر دعاؤں کو کثرت سے پڑھے اور خاص طور پر ان الفاظ کی تکرار مستحب (یعنی مسنون) عمل ہے: «لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ»[2] اور یہ دعاء بھی کرے:

«اِلَيْكَ اللّٰهُمَّ أَرْغَبُ، وَاِيَّاكَ اَرْجُوْ، فَتَقَبَّلْ نُسُكِي وَوَفِّقْنِي وَارْزُقْنِي فِيهِ مِنَ الْخَيْرِ أَكْثَرَ مَا أَطْلُبُ، وَلَا تُخَيِّبْنِي إِنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الْجَوَادُ الْكَرِيمُ»

آپ کی جانب ہی اے اللہ! میں رغبت رکھتا ہوں اور آپ سے ہی میں امید رکھتا ہوں۔ تو میری ہر قسم کی عبادت کو شرفِ قبولیت سے نواز اور مجھ کو توفیق مرحمت فرما اور اس کے بدلے میں مجھے زیادہ مقدار میں جو میں طلب کروں نیکی اور بھلائی عطاء فرما اور مجھے اس سے محروم نہ کر۔ بے شک آپ ہی حقیقی معبود، انتہائی سخی و نہایت کریم ہیں۔"[3]

---

① اس دعاء کا کچھ حصہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، ضعیف سند کے ساتھ "مسند الفردوس" میں بیان ہوا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 5/7.

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نکالا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ میدانِ عرفات میں سورج غروب ہو جانے تک ٹھہرے، پھر آپ اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل اور تعظیم و تمجید کا ذکر کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ پہنچ گئے۔ دیکھیے: الفتوحات: 5/10.

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ دعاء کرنا اچھا عمل ہے۔ مگر میں نے اسے مسنون نہیں پایا۔"

اور یہ رات عیدالاضحیٰ کی رات ہے۔ اور تحقیق ''عید کے اذکار'' کے باب میں اس رات کو ذکر و عبادت کرتے ہوئے بیدار رہنے کی فضیلت قبل ازیں گزر چکی ہے۔ اور یہاں تو اس رات کی فضیلت کے ساتھ اس مقام (یعنی مشعر الحرام) کا مرتبہ و شرف بھی مل جاتا ہے۔ (اور اس پر مستزاد یہ کہ) آدمی کا حرم کی جگہ پر اور احرام کی حالت میں ہونا اور اللہ کے مہمانوں کے اجتماع میں ہونا پھر اس (وقوفِ عرفہ جیسی) عظیم عبادت کے بعد وہاں آنا اور پھر اس پاک اور عزت و شرف والی جگہ پر مسنون دعاؤں اور اذکار کا آخر وقت تک پڑھتے رہنا۔

## فصل، مزدلفہ یعنی مشعر الحرام میں قیام کے دوران پڑھے جانے والے مستحب اذکار

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟[1] ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ[2] وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ثُمَّ أَفِيضُوا۟ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[3]

تو جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو۔ اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا اور اس سے پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔ پھر وہاں سے واپس لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو، اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

---

① فَاذْكُرُوا اللّٰهَ یعنی دعاء اور تلبیہ کے ساتھ ذکر کرو۔

② الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ''المشعر'' شعار سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے علامت، نشانی اس لیے کہ یہ حج کے معالم میں سے ہے اور ''الحرام'' سے مراد کسی چیز کا ممنوع ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس جگہ جن چیزوں اور کاموں کے کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کا ارتکاب حرام ہے اور ''المشعر'' کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوگی۔

③ البقرۃ 198.

تو "مزدلفہ" میں جا کر رات کو کثرت سے دعائیں کرنا دیگر اذکار اور تلبیہ پڑھنا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنا مستحب اعمال ہیں۔ کیونکہ یہ رات بڑی عزت و شرف والی ہے۔ جیسا کہ ہم نے قبل ازیں "فصل" میں بھی ذکر کیا ہے۔

اور اس موقع پر پڑھی جانے والی دعاؤں میں سے ایک یہ دعاء ہے:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اَنْ تَرْزُقَنِیْ فِیْ ھٰذَا الْمَكَانِ جَوَامِعَ الْخَیْرِ كُلِّهٖ، وَ اَنْ تَصْرِفَ عَنِّي الشَّرَّ كُلَّهٗ، فَاِنَّهٗ لَا یَفْعَلُ ذٰلِكَ غَیْرُكَ، وَ لَا یَجُوْدُ بِهٖ اِلَّا اَنْتَ»

"الٰہی! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس (بابرکت) جگہ پر بھلائی و بہتری (کے حصول) کے (تمام) ذرائع و اسباب سے مالا مال فرما دے اور ہر اعتبار سے میری حالت درست کر دے اور مجھ سے ہر قسم کے شر کو پھیر دے، پس بے شک یہ کام آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور نہ آپ کی ذات کے علاوہ کوئی اور اس بخشش سے بہرہ ور کر سکتا ہے۔"[1]

اور آدمی مزدلفہ کی رات کے بعد جب صبح کی نماز پڑھنے لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اول وقت میں یہ نماز ادا کرے اور صبح چمکنے کا انتظار کرے۔ بعد ازاں "مشعر الحرام" کی جانب چلے اور یہ مشعر الحرام، مزدلفہ کے آخر پر قُزَح ("قاف" کی پیش اور "زاء" کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے) نامی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اگر اس پر چڑھنا ممکن ہو تو چڑھے وگرنہ اس کے نیچے کھڑے ہو کر کعبہ مشرفہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد (الحمد للہ)، اس کی بڑائی (اللہ اکبر) اس کی تہلیل و توحید (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ...... آخر تک) اس اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ) اور زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھے اور دعائیں کرے۔ نیز یہ دعا کرنا بھی مستحب ہے:

«اَللّٰھُمَّ كَمَا وَقَّفْتَنَا فِیْهِ وَ اَرَیْتَنَا اِیَّاهُ، فَوَفِّقْنَا لِذِكْرِكَ كَمَا ھَدَیْتَنَا وَ

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں اسے مسنون خیال نہیں کرتا۔"

اغْفِرْلَنَا وَ ارْحَمْنَا كَمَا وَعَدْتَنَا بِقَوْلِكَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ ﴿فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَ إِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ①

"الٰہی جس طرح آپ نے ہم کو اس جگہ ٹھہرایا ہے اور اسے ہم کو دکھایا ہے تو جس* طرح آپ نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے اسی طرح اپنے "ذکر" کی ہم کو توفیق عطاء فرما اور ہم کو معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما۔ جیسا کہ آپ نے ہم سے اپنے فرمان کے ذریعے وعدہ کیا ہے اور آپ کا یہ فرمان (بالکل) سچا ہے۔"**

اور یہ بھی کثرت سے پڑھتا رہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

"اے ہمارے پروردگار دے ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔" ②

اور وہاں یہ دعاء پڑھنا بھی مستحب ہے:

«اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ وَ لَكَ الْكَمَالُ كُلُّهُ، وَلَكَ الْجَلَالُ كُلُّهُ، وَلَكَ التَّقْدِيسُ كُلُّهُ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي جَمِيعَ مَا أَسْلَفْتُهُ، وَاعْصِمْنِي فِيمَا بَقِيَ، وَارْزُقْنِي عَمَلًا صَالِحًا تَرْضَى بِهِ عَنِّي يَا ذَا الْفَضْلِ الْعَظِيمِ»

---

① البقرہ 199،198 .

* اس دعاء کے پڑھنے کا بھی کسی صحیح اور صریح مرفوع حدیث سے ثبوت نہیں ملا۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) (مترجم)

** آیت مبارکہ کا ترجمہ فصل ہذا کے شروع میں گزر چکا ہے۔ (مترجم)

② البقرہ 201 .

"الٰہی! ہر قسم کی اور تمام تعریفات آپ کے لیے ہیں۔ اور ہر قسم کا کمال آپ کے لیے ہے اور سارے کا سارا جلال آپ کے لیے اور ہر قسم کی پاکیزگی آپ کے لیے ہے۔ الٰہی! ہر قسم کا گناہ، جو قبل ازیں مجھ سے سرزد ہوا ہے، معاف فرما دے اور آئندہ ہونے والے بقیہ گناہوں سے محفوظ فرما۔ اور مجھ کو ایسے نیک اعمال کی توفیق مرحمت فرما جن کے سبب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں، اے بڑے فضل والی ذات۔"[1]

«اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْتَشْفِعُ اِلَيْكَ بِخَوَاصِّ عِبَادِكَ، وَ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَيْكَ، اَسْاَلُكَ اَنْ تَرْزُقَنِي جَوَامِعَ الْخَيْرِ كُلِّهِ، وَ اَنْ تَمُنَّ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهِ عَلَى اَوْلِيَائِكَ، وَ اَنْ تُصْلِحَ حَالِي فِي الْآخِرَةِ وَالدُّنْيَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ»

"الٰہی! میں آپ کے خاص نیکوکار بندوں کی سفارش لیکر آپ کے حضور آیا ہوں۔ اور آپ کی ہی ذات کا وسیلہ لے کر آپ کے در پر آیا ہوں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو ہر قسم کی بھلائی عطا فرما۔ اور مجھ پر اپنے فضل کے ساتھ احسان فرما جس کے ذریعے آپ نے اپنے اولیاء پر احسان فرمایا اور اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے آپ "دنیا و آخرت" میں میرے حالات کی درستگی فرما دے۔"[2]

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "میں اس دعاء کو مسنون نہیں پا سکا اور اس کا کچھ حصہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں غیر مقید وارد ہوا ہے۔ نیز اسے ابن منصور رحمہ اللہ نے "مسند الفردوس" میں مرفوع نکالا ہے اور کہا ہے۔ اس کی سند میں خالد بن یزید العمری "متروک" راوی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 5/16.

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اس دعا کو "ماثور" (یا مسنون) نہیں خیال کرتا۔




## فصل، مشعر الحرام (مزدلفہ) سے منیٰ کی طرف جاتے ہوئے پڑھے جانے والے مستحب اَذکار

جب صبح اچھی طرح روشن ہو جائے تو (حاجی) مشعر الحرام سے منیٰ کی جانب رخ کرے۔ اور اس وقت اس کا شعار کثرت سے تلبیہ، اَذکار اور دعائیں کرنا ہے۔ اور خاص طور پر اس کو تلبیہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ تلبیہ کہنے کا یہ اختتامی وقت ہے۔ اور پھر شاید اس کے بعد زندگی میں اسے تلبیہ کہنے کا کبھی موقع نہ مل سکے۔"

## فصل، قربانی کے دن "منیٰ" میں پڑھے جانے والے مستحب اَذکار

جب آدمی مشعر الحرام سے منیٰ پہنچے تو یہ دعا پڑھنا مستحب ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَلَّغَنِیْهَا سَالِمًا مُعَافًى، اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ مِنًى قَدْ أَتَيْتُهَا وَ أَنَا عَبْدُكَ وَ فِیْ قَبْضَتِكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَمُنَّ عَلَیَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى أَوْلِيَآئِكَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْمُصِيْبَةِ فِیْ دِيْنِیْ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ»

"تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے صحیح سالم اور عافیت کے ساتھ اس جگہ پر پہنچایا۔ الٰہی! یہ منیٰ جگہ ہے، یقیناً میں یہاں آ پہنچا ہوں، میں آپ کا بندہ ہوں۔ اور آپ کی گرفت میں ہوں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ پر اپنے فضل کے ساتھ احسان فرما، جس کے ذریعے آپ نے اپنے نیکوکار اولیاء پر احسان فرمایا ہے۔ الٰہی! میں اپنے دین میں کسی بھی مصیبت اور محرومیت سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ

کر رحم کرنے والے۔“ ①

پھر جب ”جمرہ عقبہ“ کو کنکر مارنا شروع کرے تو پہلے کنکر کے ساتھ ہی تلبیہ کہنا ختم کر دے اور تکبیرات کا آغاز کرے۔ یعنی ہر کنکر کے ساتھ تکبیر (اللہ اکبر) کہے اور وہاں کھڑے ہو کر دعاء کرنا مسنون طریقہ نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو تو اس کی قربانی دے یا (خود) اس کو ذبح کرے اور ذبح کرتے وقت یہ الفاظ کہنا مستحب ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ سَلِّمْ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ اِلَيْكَ ، تَقَبَّلْ مِنِّيْ اَوْتَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ...... اِلخ»

”اللہ کے نام کے ساتھ (میں شروع کرتا ہوں) اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر اور اور آپ ﷺ کی آل پر درود و سلام بھیج۔ الٰہی! (یہ قربانی) آپ کی طرف سے ہے اور آپ کی جانب (آنے والی) ہے۔ مجھ سے (یہ قربانی) قبول فرما۔ یا فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما۔“ اگر وہ کسی اور کی جانب سے قربانی دے رہا ہو۔

اور جب قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد حاجی اپنے سر کو منڈانے لگے تو ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سر منڈانے کی حالت میں وہ اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی کو پکڑ کر تین مرتبہ تکبیر (اللہ اکبر) کہے اور پھر یہ دعا پڑھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا هَدَانَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْنَا؛ اَللّٰهُمَّ هَذِهِ نَاصِيَتِي فَتَقَبَّلْ مِنِّي وَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَ لِلْمُحَلِّقِينَ وَالْمُقَصِّرِينَ ، يَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ ، آمين»

”تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جو اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور تمام تر

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے خیال میں یہ دعاء ماثور (یعنی مسنون) نہیں ہے۔

تعریفات اللہ کے لیے ہیں کہ جس چیز کی بدولت اس نے ہم پر انعام واکرام فرمایا۔ الٰہی! یہ میری پیشانی ہے۔ مجھ سے (میری عبادت) قبول فرما اور مجھ سے میرے گناہ معاف فرما دے۔ اے اللہ! مجھے بھی بخش دے اور تمام سر منڈانے والوں اور سر کے بال کٹوانے والے (حاجیوں) کو بھی بخش دے۔ اے بخشش کی وسعت رکھنے والے۔ الٰہی میری دعا کو قبول فرما۔[1]

اور جب حلق (سر منڈانے) سے فارغ ہو جائے تو پھر تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَضٰی عَنَّا نُسُکَنَا؛ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا إِیْمَانًا وَیَقِیْنًا وَ تَوْفِیْقًا وَعَوْنًا، وَاغْفِرْلَنَا وَلآبَائِنَا وَ أُمَّهَاتِنَا وَ الْمُسْلِمِیْنَ أَجْمَعِیْنَ»

”تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے ہماری ان عبادات کو ہم سے پورا کرایا (یعنی ان سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشی) الٰہی! ہم کو ایمان، یقین، نیک اعمال کی توفیق اور اپنی مدد میں بڑھا دے اور ہم کو، ہمارے آباؤاجداد کو، ہماری ماؤں کو اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔“[2]

---

① حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میرے خیال میں یہ دعا بھی ماثور یعنی مسنون نہیں ہے۔

② اس دعا کی صحت اور مسنون ہونے کے بارے میں اللہ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

## فصل، ایام تشریق میں ''منیٰ'' کے میدان میں اقامت کے دوران پڑھے جانے والے اَذکارِ مسنونہ

صحیح مسلم میں حضرت نبیشہ الخیر الھذلی [1] رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''کہ ایام تشریق [2] کھانے، پینے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دن ہیں'' تو ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا مستحب ہے اور افضل ترین ذکر قرآن حکیم کی تلاوت ہے۔ نیز اس بارے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی کنکر مارنے کے دنوں میں ہر دن کنکر مارتے وقت ''جمرۂ اولیٰ'' کے قریب کھڑا ہو اور کعبہ مشرفہ کی جانب منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، کے ساتھ اللہ کے حضور دعائیں کرے۔ نیز سورۂ بقرہ کی تلاوت کے اندازہ کے مطابق وہاں ٹھہرے ...... اور پھر اسی طرح تمام افعال ''دوسرے جمرہ'' کے پاس بھی بجالائے اور یہ ''جمرۂ وسطیٰ'' ہے۔ لیکن تیسرے جمرہ کے پاس نہ ٹھہرے، جسے ''جمرۂ

[1] ان کے اصل نام کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نبیشة الخیر بن عبداللہ الھذلی'' رضی اللہ عنہ اور یہ بھی کہا گیا ہے ''نبیشہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ۔ روایت کی گئی ہے کہ وہ قیدیوں سمیت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیجئے اور یا ان پر احسان فرماتے ہوئے آزاد کر دیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تو بھلائی کرنے کا حکم دیا گیا ہوں۔ آپ تو ''نبیشہ الخیر'' ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے کچھ بھی روایت نہیں کیا ہے۔ اور اصحاب سنن اربعہ نے بھی ان سے تخریج کی ہے اور یہ اس حدیث کے بھی راوی ہیں: ''جس شخص نے کسی پیالے (یا برتن وغیرہ) سے کھایا، پھر اس کو (اچھی طرح سے انگلی یا زبان سے) چاٹ لیا تو وہ پیالہ (یا برتن وغیرہ) اس کے لیے (اللہ سے) بخشش طلب کرتا ہے۔ الفتوحات: 25/5.

[2] ایام تشریق: حضرت الأبی رحمہ اللہ حضرت عیاض رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کہ اکثر اہل علم کے ہاں قربانی کے بعد تین دن ہیں (یعنی ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ) اور انھی دنوں کو ایام النحر (یعنی قربانی کے دن) بھی کہا گیا ہے اور ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ قربانی کے پہلے دن سورج مشرق سے نکلنے کے ساتھ ہی نماز عید ادا کی جاتی ہے اور ان دنوں کے ''قربانی کے دن'' ہونے کا یہ بات بھی تقاضا کرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے ''یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 25/5.

عقبہ'' بھی کہتے ہیں۔''

**[فصل]:** اور جب آدمی ''منیٰ'' سے نکل کھڑا ہو تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اب اس کا کوئی ذکر یا عبادت باقی نہیں رہی جو حج کی ادائیگی سے متعلق ہو لیکن وہ ابھی مسافر کے حکم میں ہے۔ لہٰذا اس کو بحالتِ سفر پڑھے جانے والے اذکار اور دعاؤں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل، اس کی تحمید و تمجید وغیرہ کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔ جن کا بیان عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔

اور جب کوئی شخص مکۃ المکرمہ میں عمرہ کی نیت سے داخل ہو تو وہ عمرہ کی ادائیگی کے دوران بھی وہی افعال و اذکار بجالائے گا جو ایامِ حج میں حج اور عمرہ کی ادائیگی میں مشترکہ طور ادا کیے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: احرام، طواف، سعی، جانور کی قربانی اور حلق (یعنی سر منڈانا) (واللہ اعلم)

## فصل، زمزم کا پانی پیتے ہوئے مانگی جانے والی دعاء

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ زمزم کا پانی اس چیز کے (حصول کے) لیے ہے، جس کی خاطر یہ پیا جائے۔''[1] اور اسی کے ساتھ ہی علماء و اخیار رحمہم اللہ کا بھی عمل رہا ہے کہ انھوں نے اسے ہمیشہ اپنے جلیل القدر مقاصد کے حصول کی خاطر پیا تو وہ اپنے مقاصد کی طلب سے بہرہ ور ہوئے۔

علماء رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''جو شخص اپنے گناہوں کی معافی یا کسی بیماری وغیرہ سے شفاء یا دیگر اسی طرح کے امور کے لیے زمزم کا پانی پینے لگے تو پانی پیتے وقت یہ دعاء کرنا مستحب ہے:

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث اس طریق سے ''غریب'' ہے۔ اور اپنے شواہد کی بناء پر ''حسن'' ہے۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے جس کے الفاظ ہیں: «مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ مِنْهُ» نیز اسے امام بیہقی رحمہ اللہ، امام الفاکہی رحمہ اللہ اور حکیم الترمذی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 28/5.

«اللّٰهُمَّ إِنَّهُ بَلَّغَنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ : مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ، اللّٰهُمَّ وَ إِنِّي أَشْرَبُهُ لِتَغْفِرَ لِي وَ لِتَفْعَلَ بِي كَذَا وَ كَذَا، فَاغْفِرْلِيْ أَوِافْعَلْ»

اے اللہ! بے شک مجھ تک رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام پہنچا ہے "کہ زمزم کا پانی اس چیز کے (حصول کے) لیے ہے، جس کی خاطر یہ پیا جائے" اور میں (اسی لیے) یہ پیتا ہوں تاکہ آپ مجھے معاف فرما دیں اور میرے ساتھ فلاں فلاں (معاملے میں میرے معاون و مددگار) بنیں، سوائے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور (میرا وہ کام اور) ضرورت بھی پوری کر دے۔" میں اس کو پی رہا ہوں تاکہ آپ مجھ کو بخش دیں...... ) یا پھر وہ یہ الفاظ کہے: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَشْرَبُهُ مُسْتَشْفِيًا بِهِ فَاشْفِنِيْ» کہ الٰہی! بے شک میں اس کو اس سے شفاء طلب کرتے ہوئے پیتا ہوں۔ پس مجھ کو (اس کے ذریعے) شفاء دے دے۔ یا اسی قسم کے اور الفاظ بھی استعمال کر سکتا ہے۔* (واللہ اعلم)

[**فصل**]: اور جب آدمی مکہ مکرمہ سے نکل کر اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ کرے تو وہ پہلے "طوافِ وداع" کرے۔ بعدازاں "ملتزم" کے پاس آ کر اس سے لپٹ جائے اور یہ دعاء کرے:

«اللّٰهُمَّ الْبَيْتُ بَيْتُكَ ، وَ الْعَبْدُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ ، حَمَلْتَنِي عَلَى مَا سَخَّرْتَ لِي مِنْ خَلْقِكَ ، حَتَّى سَيَّرْتَنِي فِي بِلَادِكَ ، وَ بَلَّغْتَنِي بِنِعْمَتِكَ حَتَّى أَعَنْتَنِي عَلَى قَضَاءِ مَنَاسِكِكَ ، فَإِنْ كُنْتَ رَضِيتَ عَنِّي فَازْدَدْ عَنِّي رِضًا وَ إِلَّا فَمِنَ الْآنَ قَبْلَ أَنْ يَنْأَى عَنْ بَيْتِكَ دَارِي ، هٰذَا أَوَانُ انْصِرَافِي ، إِنْ أَذِنْتَ لِي غَيْرَ مُسْتَبْدِلٍ بِكَ وَلَا بِبَيْتِكَ ، وَلَا رَاغِبٍ عَنْكَ وَلَا عَنْ بَيْتِكَ ،

* زمزم کا پانی پیتے ہوئے یہ مذکورہ دعائیہ کلمات غیر مسنون خیال کرتے ہوئے پڑھے۔ نیز کسی بھی زبان میں دعائیں کر سکتا ہے۔ (مترجم)

اللَّهُمَّ فَأَصْحِبْنِي الْعَافِيَةَ فِي بَدَنِي وَالْعِصْمَةَ فِي دِينِي، وَ أَحْسِنْ مُنْقَلَبِي، وَارْزُقْنِي طَاعَتَكَ مَا أَبْقَيْتَنِي، وَاجْمَعْ لِي خَيْرَيِ الْآخِرَةِ وَالدُّنْيَا، إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

''اے اللہ! یہ گھر تو آپ کا گھر ہے۔ اور یہ بندہ بھی آپ کا بندہ اور آپ کے بندے کا بیٹا اور آپ کی بندی کا بیٹا ہے۔ اپنی مخلوق میں سے جو کچھ آپ نے میرے لیے مسخر کیا ہے اس پر آپ نے ہی مجھ کو اٹھایا ہے (یعنی قدرت بخشی ہے) یہاں تک کہ آپ نے مجھ کو اپنے (پاکیزہ اور بابرکت) شہروں (اور جگہوں) میں چلایا پھرایا ہے اور آپ نے اپنی نعمت کے ساتھ مجھ کو یہاں پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے مجھ کو اپنی عبادات کی ادائیگی کی ہمت و طاقت عطاء فرمائی۔ تو اگر مجھ سے راضی ہو گیا ہے تو میرے ساتھ اپنی رضا اور خوشنودی کو اور بڑھا دے۔ وگرنہ ابھی سے، اس سے پہلے کہ میں آپ کے گھر سے دور سدھار جاؤں۔ مجھ سے راضی ہو جا۔ یہ لمحات میرے واپس گھر جانے کے ہیں۔ اگر آپ مجھ کو یہ اجازت مرحمت فرمادیں کہ میں آپ کی ذات اور آپ کے پاکیزہ گھر کے عوض اور کچھ بدلے میں نہ لوں اور نہ ہی آپ کی ذات اور آپ کے پاکیزہ گھر سے بے رخی برتوں۔ الٰہی میرے جسم و جان کے لیے عافیت کو اور میرے دین کی بقاء کے لیے'' عصمت'' کو میرا ساتھی بنادے اور میرے (اپنی طرف) پلٹنے کی جگہ کو اچھا کر دے اور جب تک آپ مجھے بقیدِ حیات رکھیں، مجھے اپنی جناب سے اپنی فرمانبرداری کی توفیق دیے رکھنا اور دنیا و آخرت (دونوں جہانوں) کی بھلائیاں میرے لیے جمع فرمادے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔''[1]

[1] ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن'' کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف نکالا ہے۔ اور انھوں نے کہا ہے کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اپنا کلام ہے اور مستحسن (عمدہ) ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ میں نے اسی مفہوم کی دعاء ان حضرات میں سے بعض کے کلام سے پائی ہے۔ جن سے امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے کتاب ''الدعاء'' میں بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 29/5.

اور اس دعائے خیر کا آغاز و اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود و سلام بھیج کر کرے۔ جیسا کہ دوسری دعاؤں کے آداب کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔ لیکن اگر ''طوافِ وداع'' کا ارادہ کرنے والی حائضہ عورت ہو تو اس کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ وہ مسجد کے دروازے پر کھڑی ہو جائے اور انھی مذکورہ الفاظ میں دعاء کر کے واپس پلٹ جائے۔ (واللہ اعلم)

## فصل، اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اور وہاں پر پڑھے جانے والے اذکار

یہ بات جان لیجیے کہ ہر حج کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے اس کا رخ کرے۔[1] خواہ یہ اس کے راستے میں آئے یا نہ آئے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت، تقرب حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ، سب سے زیادہ نفع بخش محنت اور سب[2] سے عمدہ طلب ہے۔ تو جب وہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے اس جانب عازم سفر ہو تو راستے میں زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجے۔ پھر جب قریب آ کر اس کی نظر مدینہ منورہ کے درختوں، اس شہر کے حرم

---

① یقیناً آپ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت بہت بڑی سعادت ہے مگر حاجی یا عمرہ کرنے والا شخص مدینہ منورہ کی طرف سفر، آپ ﷺ کی مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کا ارادہ لے کر کرے، جس کے احاطے میں یہ مبارک قبر بھی ہے اور آپ ﷺ کا مبارک گھر (یعنی حجرۂ عائشہ ؓ) بھی، اسی طرح اسے مسجد نبوی ﷺ میں عبادت کا ثواب بھی مل جائے گا اور آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، کیونکہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔ (مترجم)

② امام ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹاتا ہے، یہاں تک کہ میں سلام کہنے والے پر جواب لوٹاتا ہوں۔'' حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ اسے امام احمد ؒ، امام بیہقی ؒ اور دیگر محدثین نے بھی نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 31/5.

اور جو کچھ اس کے بارے میں جانتا ہے، پڑھے تو آپ ﷺ پر درود وسلام مزید بڑھا دے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کو اس کے لیے منفعت بخش بنا ئے اور اسے دونوں جہانوں میں اس کے لیے باعث سعادت کر دے۔ اور یہ دعاء بھی کرے:

«اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ نَبِيِّكَ ﷺ مَا رَزَقْتَهُ أَوْلِيَاءَ كَ وَ أَهْلَ طَاعَتِكَ وَاغْفِرْلِي وَ ارْحَمْنِى يَا خَيْرَ مَسْئُوْلٍ»

"الٰہی! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے وا کر دے اور مجھے اپنے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے بدلے وہ کچھ عطا فرما جو آپ نے اپنے اولیا اور اپنے فرمانبردار بندوں کو عطاء فرمایا اور مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اے سوال کیے جانے والوں میں سے سب سے بہتر ہستی......"*

اور جب وہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے وہی کچھ پڑھنا مستحب ہے جو کچھ دیگر مساجد میں داخل ہوتے وقت پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ اذکار ہم اس کتاب کے شروع میں ذکر کر چکے ہیں۔ پھر جب وہ تحیۃ المسجد (مسجد میں داخل ہو کر سب سے پہلے دو رکعت پڑھے جانے والے نفل) سے فارغ ہو جائے، تب وہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف آئے اور اس کی جانب منہ کرتے ہوئے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قبر کی دیوار سے تقریباً چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو جائے اور آہستگی سے' کہ آواز بلند نہ ہو، ان الفاظ میں آپ ﷺ پر سلام پڑھے:

«السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلَى آلِكَ

* اس دعا کا پڑھنا بھی کسی سنت ثابتہ یا صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ البتہ جہاں اور خیر و برکت کی دعائیں کر رہا ہے اسے بھی غیر مسنون باور کرتے ہوئے پڑھ سکتا ہے۔ (واللہ اعلم) (مترجم)

وَأَصْحَابِكَ وَ أَهْلِ بَيْتِكَ وَ عَلَى النَّبِيِّينَ وَ سَائِرِ الصَّالِحِينَ؛ أَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ، وَ أَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ، وَ نَصَحْتَ الْأُمَّةَ، فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَاجَزَى رَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهِ»①

''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ پر سلامتی ہو، اے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے بہتر ہستی آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔ اے اللہ کے حبیب! آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔ اے رسولوں کے سردار اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔ آپ ﷺ کی ہستی اقدس پر، آپ ﷺ کی آل پر، آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر، آپ ﷺ کے گھر والوں پر اور تمام انبیاء علیہم السلام اور نیکوکار لوگوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کا) پیغام (من وعن) پہنچا دیا اور اس امانت کو ادا کر دیا اور اس امت کی خیر خواہی کی، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ ﷺ کو اس سے کہیں بہتر جزاء عطاء فرمائے جو وہ کسی بھی پیغمبر علیہ السلام کو اس کی امت کی طرف سے عطاء فرماتا ہے۔''

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے اسے ان الفاظ میں مکمل طور پر ماثور (مسنون) نہیں پایا۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا کچھ حصہ وارد ہوا ہے۔ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہا کرتے تھے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ» ''کہ اے اللہ کے رسول آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ پر سلامتی ہو۔ اے عمر رضی اللہ عنہ آپ پر سلامتی ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کا ''موقوف'' ہونا صحیح ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ یہ الفاظ کہتے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» کہ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' اور یہ الفاظ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحاب سے وارد ہیں۔ امام طبری رحمہ اللہ بھی اسی طرف میلان رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ''اگر زیارت کرنے والا وہ طویل الفاظ کہے جو پہلے گزر چکے ہیں تو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں یہ بات بہرحال مبنی بر حقیقت ہے کہ ''اتباع'' (یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری) ''ابتداع'' (یعنی دین میں اختراع کردہ نئی چیز سے) بہرصورت اولیٰ اور بہتر ہے۔ خواہ مؤخر الذکر، انسان کو اچھی ہی کیوں نہ محسوس ہو رہی ہو۔ دیکھیے: الفتوحات: 5/34.

اور اگر کسی اور شخص نے اس کو اپنی طرف سے اللہ کے رسول ﷺ کے حضور سلام عرض کرنے کی وصیت کی ہو تو وہ ان الفاظ میں سلام کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ مِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ» اے اللہ کے رسول ﷺ فلاں شخص جو بیٹا فلاں شخص کا ہے کی طرف سے آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔ پھر وہ ایک پورے ہاتھ کے برابر اپنی داہنی جانب پیچھے ہٹے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔ پھر اسی طرح ایک اور ہاتھ کے برابر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہنے کے لیے پیچھے ہٹے۔ بعد ازاں اپنی پہلی جگہ کی طرف لوٹے اور اللہ کے رسول ﷺ کے چہرۂ انور کے بالمقابل کھڑے ہو کر (اللہ تعالیٰ کے حضور تقرب کے لیے) آپ ﷺ کی ذات گرامی کو اپنے حق میں ذریعہ بننے کی دعاء کرے اور اس پر آنحضور ﷺ کی (قیامت کے روز) شفاعت حاصل ہونے کا بھی سوال کرے۔''[1] اور اپنی ذات کے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنے ساتھیوں اور احباب کے لیے اور اپنے محسنوں اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی جی بھر کر دعائیں کرے اور اس وقت اور مبارک جگہ کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی کثرت سے حمد وثنا، اس کی پاکیزگی، اس کی بڑائی، اس کی الوہیت کا اظہار کرے اور اللہ کے رسول ﷺ پر بھی کثرت سے درود بھیجے۔ پھر یہاں سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کی قبر اور منبر کی درمیانی جگہ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ[2] میں آکر بھی کثرت سے دعائیں کرے۔''

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو جگہ میری قبر

---

[1] مطلب یہ کہ آخرت میں اللہ جل شانہ کے حضور پیش ہوتے ہوئے سوال و جواب کے وقت آنحضور ﷺ کی سفارش کے حصول کا اللہ کے حضور انتہائی عجز و انکساری سے سوال کرے۔ کہ اے اللہ اس ''روزِ جزا و سزا'' مجھ کو آپ ﷺ کی شفاعت نصیب فرما! اور یہ آپ ﷺ کی شفاعتِ خاص آپ ﷺ کی امت میں سے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو آپ ﷺ کے فرمانبردار ہوں گے۔ (مترجم)۔

[2] اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری۔ (مترجم)

اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔"[1]

اور جب زیارت کرنے والا شخص مدینہ سے (واپسی کے) سفر کا ارادہ کرلے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ آخری بار مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے اور حسبِ منشاء دعاء بھی کرے۔ پھر وہ نبی رحمت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آکر پہلے کی طرح سلام کہے اور پوری دعاء کا اعادہ کرے اور اللہ کے نبی ﷺ کو ان الفاظ کے ساتھ الوداعی نذارنۂ عقیدت پیش کرے:

«اللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ هٰذَا آخِرَ الْعَهْدِ بِحَرَمِ رَسُوْلِكَ، وَ يَسِّرْلِي الْعَوْدَ إِلَى الْحَرَمَيْنِ سَبِيْلًا سَهْلًا بِمَنِّكَ وَ فَضْلِكَ، وَارْزُقْنِي الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَ رُدَّنَا سَالِمِينَ غَانِمِينَ إِلَى أَوْطَانِنَا آمِنِيْنَ»

"اے اللہ! اپنے رسول ﷺ کے حرم میں میری اس حاضری کو آخری نہ بنا اور اپنے فضل اور احسان سے میرا حرمین کی جانب واپس آنے کا راستہ آسان اور میرے لیے اسے میسر کردے اور مجھے دنیا و آخرت میں معافی اور عافیت مرحمت فرما اور ہم کو صحیح سالم، سکون و اطمینان کی حالت میں (دنیا و آخرت کی) نعمتوں کے اموال

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1196، صحيح مسلم، حديث: 1390، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں دو چیزیں قابل غور ہیں:

❁ امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے، نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور صحابی سے، ہاں البتہ حدیث میں "قبری" لفظ کے بجائے "بَيْتِي" کے لفظ سے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے مروی صحیح ہے۔

❁ لیکن اس لفظ "بَيْتِي" کے ساتھ اس قدر حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے۔ لیکن انھی دونوں محدثین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت ذکر کی ہے مگر اس میں آگے ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: "وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ" "اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔" دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/37.

سمیٹتے ہوئے واپس لوٹا۔''*

❁ پس یہ وہ معلومات ہیں جو حج کے اذکار سے متعلق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں یہاں اکٹھی کر سکا ہوں اور اگرچہ ان میں سے بعض اس کتاب کی نسبت طوالت اختیار کر گئی ہیں مگر جو کچھ ان میں سے ہم یاد رکھ سکیں گے اس لحاظ سے یہ بہر حال مختصر ہیں اور اللہ کریم سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ہر حال میں اپنی اطاعت کی توفیق بخشے اور ہم کو اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو آخرت کے معزز گھر (جنت) میں جمع فرمائے۔ (آمین یَا اِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ)

اور تحقیق میں نے کتاب ''المناسک'' میں وضاحت کے ساتھ ان اذکار سے متعلق تتمات اور زائد فروعات ذکر کر دیے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی خوب بہتر اور درست جانتے ہیں اور اسی ذات کے لیے ہی ہر قسم کی حمد و ستائش اور نعمت ہے اور اسی کی جانب سے ہی ہر کام کی توفیق اور عصمت ہے۔

اور حضرت العتبی[1] سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو وہاں ایک اعرابی آیا اور کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر سلامتی ہو، میں نے سنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[3]

''اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھیں اگر (اس حالت میں) تمھارے

* یہ نذرانۂ عقیدت کسی بھی صحیح اور صریح حدیث سے ثابت نہیں۔ لہٰذا اسے بھی غیر مسنون سمجھ کر ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

① ''العتبی'' ان کا اصل نام محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب، جو کلام کے اعتبار سے لوگوں میں فصیح ترین تھا اور آداب میں اخبار و روایات کا بیان کرنے والا تھا۔ انھوں نے اپنے باپ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے احادیث بیان کیں۔ ان کا ذکر امام تقی السبکی رحمہ اللہ نے کتاب ''شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام'' میں کیا ہے۔ اور یہ مذکورہ حکایت العتبی رحمہ اللہ سے اسناد کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ نیز یہ حکایت ان کے علاوہ دیگر تین اصحاب رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية:5/39.

③ النساء 64۔





پاس آئیں اور اللہ سے بخشش مانگیں اور اللہ کے رسول ﷺ بھی ان کے لیے بخشش طلب کریں تو وہ اللہ کو بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان پائیں۔" اور یقیناً میں بھی آپ ﷺ کے حضور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے اور آپ ﷺ کی، اپنے پروردگار کے ہاں شفاعت طلب کرتے ہوئے آیا ہوں۔ پھر وہ شعر کہتے ہوئے یوں گویا ہوا۔"

يَاخَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْأَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَافُ وَ فِيهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

"اے بہتر ہستی کہ جس (کے بابرکت جسم) کی ہڈیاں نرم و گداز مٹی میں دفن ہیں اور ان کی خوشبو کی مہک سے وہ نرم اور ریتلی جگہ اور ٹیلے بھی پاکیزہ اور خوشبودار بن گئے ہیں۔ میرا تن، من، دھن اس قبر پر فدا ہو جو آپ ﷺ کا مسکن ہے کہ جس میں روئیدگی و شادابی ہے اور اس میں سخاوت و کرم (کا سمندر موجزن) ہے۔"

عتبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھر وہ اعرابی وہاں سے چلا گیا تو اسی وقت میری دونوں آنکھوں نے مجھے اٹھا لیا (مطلب یہ کہ مجھے نیند نے آلیا)۔ تب میں نے نیند میں اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "اے عتبی! اس اعرابی کو جا کر ملو اور اس کو خوشخبری سنا دو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے۔"*

* عتبی کی اس مذکورہ روایت پر میرا (مترجم کا) ایک پیراگراف پر مشتمل حاشیہ ہے وہ حاشیہ اصل مسودہ سے یہاں ذکر کرنا از حد ضروری ہے۔ شکریہ!

# دورانِ جہاد پڑھے جانے والے اذکار کی کتاب

جہاد کے سفر پر جانے اور اس سے واپس لوٹنے کے اذکار کا تذکرہ تو ان شاء اللہ تعالیٰ سفر کے دوران پڑھے جانے والے مخصوص اذکار کی کتاب میں عنقریب آگے آئے گا، سرِدست ہم اختصار سے یہاں ان اذکار کا ذکر کریں گے جو صرف ''جہاد'' کے ساتھ خاص ہیں۔

## **باب**، شہادت کی تمنا میں سوال کرنے کے استحباب کے بارے میں

① صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ حدیث ملی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ حرام[1] کے ہاں تشریف لائے اور سوگئے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے، اس پر حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ (خواب میں) میری اُمت کے کچھ لوگ، مجھ پر (اس حالت میں) پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کررہے تھے، اور وہ اس سمندر کی پُشت پر یوں سوار تھے جیسے بادشاہ شاہی تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ (یہ سُن کر) حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دُعاء کیجیے کہ وہ مجھے بھی ان (مجاہدین) میں سے کردے، تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے حق میں دُعاء فرمائی۔''[2]

① صحیح مسلم کی دیگر روایات میں اُمِّ حرام بنتِ مِلحان پورا نام ذکر ہوا ہے، جو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ نیز یہ صحابیہ خاتون حضرت اُمِّ حرام بنت مِلحان رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کے گھر تشریف لا کر کھانا تناول فرماتے تھے، اور اس بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما کر استراحت کے لیے لیٹے اور پھر سوگئے، بیدار ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سُنائی، حضرت اُمِّ حرام کے لیے دُعاء فرمائی اور دوبارہ لیٹ گئے، پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور مذکورہ خاتون صحابیہ رضی اللہ عنہا کو خوشخبری دی کہ تم بھی انہی مجاہدین میں سے ہو۔ اہل علم رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جہاد کی ایک مہم میں حضرت اُمِّ حرام شریک تھیں اور بحری بیڑے سے اترتے ہوئے اپنی سواری پر سے گر کر شہید ہوگئیں۔ (مترجم)

② صحيح البخاري، حديث: 2788، اور 2789، صحيح مسلم: حديث: 1912.

❁ اور سنن أبي داود، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حق کی خاطر قتل ہونے کا سوال کیا، بعد ازاں وہ (اپنی طبعی موت) مر گیا یا قتل کر دیا گیا، تو اس کے لیے یقیناً شہید کا اجر وثواب ہے۔"[1]

❁ اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہمیں ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے صدقِ دل سے شہادت کی جستجو کی، تو خواہ وہ شہادت کا موقعہ نہ بھی پا سکے تو اُسے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) شہادت کا درجہ دے دیا جائے گا۔"[2]

❁ اور صحیح مسلم ہی میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے سچے دل سے اللہ جل شانہ کے حضور شہادت کا سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا دے گا، خواہ وہ اپنے بستر پر (طبعی موت) مرا ہو۔"[3]

---

① سنن أبي داود حديث (2541)، سنن ترمذي حديث (1657)، سنن نسائي: ص 6، ص 25، سنن ابن ماجه حديث (2792) اور اس کی سند صحیح ہے، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

② صحيح مسلم، حديث: (1608)

③ صحیح مسلم، حدیث (1909) مصنف رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت دوسری یعنی حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت کی تفسیر کرتی ہے جبکہ دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے، یعنی جب اُس نے پورے دل کی سچائی سے "شہادت" کا سوال کیا، تو اسے شہداء کے اجر وثواب سے نوازا جائے گا، خواہ اس کی وفات اس کے بستر پر ہی ہوئی ہو۔" نیز ان روایتوں میں شہادت طلب کرنے اور نیک ارادے کو مستحب عمل قرار دیا گیا ہے۔

## باب، امام وقت کا امیر لشکر کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دینے، اسے دشمن سے لڑائی کے بارے میں ضروری امور اور دیگر مصلحتوں وغیرہ کے سلسلے میں راہنمائی کرنے کے بارے میں

❁ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا جہادی مہم پر کسی شخص کو امیر مقرر فرماتے، تو اسے اور اس کے ساتھ دیگر مسلمان مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور بھلائی اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے، پھر فرماتے: اللہ کی راہ میں، اللہ تعالیٰ کے نام سے لڑائی کرو، ہر اس شخص سے لڑو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کرے، جہاد کرو، اور اموال غنیمت میں خیانت نہ کرو، نہ بدعہدی کرو، نہ دورانِ قتال انسانی جانوں کی بے حرمتی کرو، اور نہ کسی بچے کو قتل کرو، اور (اے امیر لشکر!) جب تم مشرکوں میں سے کسی اپنے دشمن کا سامنا کرو تو (لڑائی سے قبل) انہیں تین باتوں کی طرف دعوت دو،......... پھر راوی نے پوری طویل حدیث بیان کی۔[1]

## باب، اس بات کے بیان میں کہ امامِ وقت یا امیرِ لشکر اگر جہادی مُہم پر نکلنے کا ارادہ کریں تو (ضرور کے تحت جنگی معاملات کے بارے میں) اصل حقائق کو چھپانا سُنت ہے

❁ صحیح[2] بخاری و صحیح مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی جہاد کے سلسلے میں سفر کا ارادہ کرتے تو (جنگی معاملات کے بارے میں) اُصل حقائق کو چھپا کر ان کے برعکس کا اظہار فرماتے۔‘‘[3]

---

① صحيح مسلم، حديث: 1731.

② صحيح البخاري، حديث: 3088، و صحيح مسلم، حديث: 2769

③ اور یہ اُس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جس میں راوی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ذکر ہے۔ مگر غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حالات کی سختی اور پیچیدگی کی بنا پر ایسا نہیں کیا۔ (مترجم)

## باب اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے اور اس میں معاونت کرنے والے کے حق میں دعا کرنے، نیز مجاہدین کو چاک و چوبند رکھنے اور لڑائی میں رغبت دلانے کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾

''اے نبی ﷺ! اہل ایمان کو (اللہ کی راہ میں) لڑنے کی ترغیب دیجیے۔''[1]

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) اہل ایمان کو (اللہ کی راہ میں) لڑائی کرنے پر انگیخت دلایئے۔''[2]

❁ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ''خندق'' کی طرف نکلے، جبکہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم شدید ٹھنڈے دن میں خندق کھود رہے تھے، تو جب آپ ﷺ نے اُن کی انتہائی تھکاوٹ اور بھوک کی کیفیت دیکھی تو فرمایا:

«اللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ، فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ»

''الٰہی یقیناً اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، (لہٰذا میرے ان) انصار و مہاجرین کی بخشش فرمادے۔''[3]

---

[1] سورة الأنفال 65. [2] سورة النسآء 84.

[3] صحيح البخاري، حديث: 3088، وصحيح مسلم، حديث: 2769، و سنن الترمذي حديث: 3856.

## باب، لڑائی کے وقت دُعا، عاجزی وانکساری اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے، نیز اللہ تعالیٰ سے نصرت کا وعدہ پورا کرنے کی التجاء کے بارے میں، جو اس نے اہلِ ایمان سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾

''اے اہل ایمان! جب تمھارا کسی (کفار کے) گروہ سے سامنا ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تم کامیاب رہو، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھارا اقبال جاتا رہے گا، اور صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور اُن لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھلاتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے (بھی) روکتے تھے۔'' الخ[1]

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ لڑائی کے آداب کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے، یہ آیت کریمہ ان سب سے زیادہ جامع ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: اس حال میں کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے (میدان بدر میں لگائے گئے) قبہ (نما

[1] سورۃ الأنفال 45، 47۔

خیمے) میں ان الفاظ میں دعا کر رہے تھے: «اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَنْشُدُكَ عَھْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰھُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْیَوْمِ» ”اے اللہ! میں تیری ذات کا واسطہ دے کر، تیرے (مجھ سے کیے گئے) عہد اور وعدے کو یاد دلاتا ہوں، الٰہی! اگر یہ تیری مرضی ہے کہ آج کے بعد (روئے زمین پر) تیری بندگی نہ ہو، ...... ایسے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول اب کافی ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنے رب سے خوب اور مسلسل التجاء کی ہے، بعد ازاں آپ ﷺ (اپنے خیمے سے) باہر تشریف لائے، اور زبانِ اقدس پر یہ الفاظ تھے: ﴿سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ٥ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْھٰی وَ أَمَرُّ٥﴾ ”کفار کی جماعت جلد ہی شکست سے دوچار ہوگی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، بلکہ ان سے (نمٹنے کا اصل) وعدہ تو قیامت ہے اور قیامت بڑی دہشت ناک اور تلخ تر ہے۔“[1]

اب تک کے یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں، اور ایک روایت میں صراحت ہے: کہ یہ بدر کے دن کا واقعہ ہے۔ اور صحیح مسلم کے یہ الفاظ ہیں: راوی نے کہا: ”کہ اللہ کے نبی ﷺ (اپنے خیمے میں) قبلہ رُخ ہوئے، پھر اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں بلند آواز میں ان الفاظ سے دعا فرمائی: «اَللّٰھُمَّ أَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ، اَللّٰھُمَّ إِنْ تَھْلِكْ ھٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَھْلِ الْإِسْلَامِ، لَا تُعْبَدُ فِی الْأَرْضِ» ”اے اللہ! میرے ساتھ مدد کا جو تو نے وعدہ فرمایا تھا، اسے پورا کردے، اے اللہ! وہ مدد لے آ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اے اللہ! اہل اسلام کی یہ (مٹھی بھر) جماعت (آج) اگر ہلاک ہوجاتی ہے، تو پھر (اس روئے) زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔“...... آپ ﷺ اسی حالت میں اپنے رب کے حضور اپنے ہاتھوں کو پھیلائے گریہ زاری کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک نیچے گرگئی۔[2]

---

[1] سورۃ القمر 45، 46۔ [2] صحیح البخاري، حدیث: 3953، وصحیح مسلم، حدیث: 1763، وسنن ترمذی حدیث 3081، اور ابوداود میں حدیث: 2690 (اختصار کے ساتھ ہے)

❁ اور صحیحین میں ہی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعض ان دنوں میں جن میں آپ ﷺ کا دشمن کی فوج سے سامنا ہوا، کچھ انتظار کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، پھر آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اے لوگو! دشمن سے مڈھ بھیڑ کی کبھی تمنا نہ کرو،[1] اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو، پھر جب تم کفار کے مقابلے پر آ ہی جاؤ، تو صبر واستقامت کا مظاہرہ کرو، اور یہ جان رکھو، کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

"اے اللہ! اے کتاب کے اُتارنے والے، اور بادلوں کو چلانے والے، اور لشکروں کو شکست سے دوچار کرنے والے، ان دشمنوں کی فوجوں کو شکست دے، اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔"

اور ایک روایت میں دعاء کے یہ الفاظ ہیں:

«اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ!»

"اے اللہ! اے کتاب کو نازل کرنے والے، جلدی حساب لینے والے، دشمنوں کے لشکروں کو شکست سے دوچار فرما، الٰہی! ان کفار کو شکست دے، اور انہیں تہہ و بالا کر دے۔"[2]

❁ اور صحیحین ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے

---

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباری" میں کہتے ہیں: ابن بطال رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: حدیث میں لڑائی کی تمنا کرنے کی حکمت یہی ہے کہ آدمی بہر حال یہ نہیں جانتا کہ معاملے کا انجام آل کیا ہوگا، جیسا کہ فتنے سے عافیت مانگنے کی مثال ہے۔

② صحيح البخاري، حديث 3025، وصحيح مسلم، حديث 1742.

نبی ﷺ نے (غزوۂ خیبر کے موقعہ پر) صبح کی نماز خیبر میں ادا فرمائی، پھر جب انھوں (اہلِ خیبر) نے اچانک آپ ﷺ کو (لشکر سمیت) دیکھا تو پکار اٹھے، کہ محمد ﷺ اور (پھر) جمعرات کا دن! اور ساتھ ہی انھوں نے بھاگتے ہوئے قلعے میں پناہ لی، اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ (اللہ کی بارگاہ میں) اُٹھا دیے اور فرمایا: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّآ إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ» ''اللہ اکبر، خیبر تباہ ہوا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بُری ہو جاتی ہے۔''[1]

❁ اور صحیح سند کے ساتھ، سنن أبي داود میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو ایسی گھڑیاں کہ جن میں مانگی جانی والی دعاء رد نہیں کی جاتی۔ یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ''بہت کم رد کی جاتی ہے۔'' ایک اذان کے وقت اور دوسری شدید لڑائی کے وقت، جب (حق و باطل میں) گھمسان کا رَن پڑے۔''[2]

اور سنن أبي داود، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ جب (کفار سے) لڑائی کرتے تو ان الفاظ میں دعاء فرماتے: «اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ، بِكَ أَحُوْلُ وَبِكَ أَصُوْلُ وَبِكَ أُقَاتِلُ» ''اے اللہ! تو ہی میری اصل قوت اور میرا مددگار ہے، میں تیری ہی ذات سے وابستگی کی بناء پر دشمن کو روکتا اور تیری ذات کے بل بوتے پر اپنا دفاع کرتا ہوں، اور تیری ہی (عطاء کردہ) توفیق سے دشمن سے لڑائی کرتا ہوں۔''[3] امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

---

[1] صحیح البخاري، حدیث:371، و صحیح مسلم، حدیث:1365، وسنن النسائي ج 6، ص131 تا ص134.

[2] سنن أبي داود حدیث:2540 اور یہ حدیث ما قبل میں گزر چکی ہے۔

[3] سنن أبي داود حدیث:2632، و سنن ترمذی حدیث3578 اور سنن نسائی میں اور صحیح سند کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں، کہ دعائے مذکور میں ''عَضُدِیْ بمعنی عَوْنِیْ'' یعنی میرا مددگار، ہے۔ اور امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اَحُوْلُ بمعنی اَحْتَالُ یعنی میں تدبیر کرتا ہوں، امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں کہ اس کے اور بھی کئی مفاہیم ہیں'' جیسے یہ کہنا ''اَمْنَعُ وَاَدْفَعُ'' اور تیرا یہ کہنا: ''حَالَ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ'' کہ دو چیزوں کے درمیان وہ حائل ہو گیا'' یعنی رکاوٹ بن گیا'' تو اس عبارت کا معنی یہ ہوگا: ''لَا أَمْنَعُ وَلَا أَدْفَعُ إِلَّا بِكَ'' کہ اے اللہ! تیری توفیق کے بغیر نہ تو میں دشمن کو اپنے سے روک سکتا ہوں اور نہ ہی اپنا بچاؤ کر سکتا ہوں۔''

❁ اور صحیح سند کے ساتھ، سنن أبي داود اور سنن نسائی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کسی (کافر) قوم کے حملے کا خدشہ لاحق ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے: «اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ» ''الٰہی! ہم ان (دشمنوں) کو تیری ذات کے حوالے کرتے ہیں، اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔''[1]

❁ اور جامع الترمذی میں حضرت عمارۃ بن زَعْكَرَۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بے شک میرا وہ بندہ پورے کا پورا (اور خالص) میرا بندہ ہے جو (لڑائی کے وقت) اپنے مدِ مقابل سے ٹکراتا ہے اور (اس وقت وہ) مجھے یاد کرتا ہے۔''[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ اس حدیث کی سند قوی (مضبوط) نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: راوی کے باپ کا نام ''زَعْكَرَۃ'' زاء اور کاف کے فتحہ (زبر) اور دونوں حرفوں کے درمیان ''عین'' کے سکون (جزم) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

❁ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت

---

[1] سنن أبي داود حديث: 1537 اور امام نسائی کی سنن الکبریٰ میں۔ نیز یہ حدیث قبل ازیں ذکر ہو چکی ہے۔

[2] جامع الترمذي، حديث: 3575 نیز اس حدیث کے ایک ''شاہد'' کی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے دیکھیے: الفتوحات: ج5 ص62.

ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: دشمن سے مڈھ بھیڑ کی تمنا نہ کرو، اس لیے کہ تم یقینی طور پر نہیں جانتے کہ دشمن کے ٹکراؤ میں تم کو کس آزمائش (کی چکی) سے گزرنا پڑے گا۔ اگر تم (لڑائی کے لیے) ان کے مدمقابل آجاؤ، تو یہ الفاظ کہو: «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّهُمْ، وَقُلُوبُنَا، وَقُلُوبُهُمْ بِيَدِكَ، وَإِنَّمَا يَغْلِبُهُمْ أَنْتَ» ''اے اللہ! تو (ہی) ہمارا رب ہے اور ان (دشمنوں) کا بھی اور ہمارے دِل اور ان کے دل تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہیں، اور تو ہی ان (دشمنوں پر) غالب آتا ہے۔''[1]

❁ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے، تو جب آپ ﷺ دشمن سے ملے، تو میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے سُنا:

«يَا مَالِكَ يَوْمِ الدِّيْنِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ»

''کہ اے جزاء کے دن کے مالک! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور خاص تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔''[2]

(حدیث کے راوی) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دشمن کے مَردوں کو دیکھا کہ وہ موت کے گھاٹ اتارے جارہے تھے (اور) فرشتے ان کو اپنے آگے اور پیچھے (ہر طرف سے گھیر گھیر کر) ماررہے تھے۔''

❁ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الام''[3] میں مُرسَل سند سے اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لشکروں کے ٹکراؤ کے وقت، نماز کی اِقامت (یعنی کھڑی ہونے) کے وقت اور بارش اترتے وقت (اللہ جلّ شانہ کی بارگاہ میں)

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث 673 اور اس کی ''شاہد'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث 336 جو قبل ازیں گزر چکی ہے۔

③ امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب ''الام'' ج1 ص223 اور یہ روایت بھی قبل ازیں بیان ہو چکی ہے۔

دعاء کی قبولیت طلب کرو۔“ (مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ اوقات میں دعاء قبول کی جاتی ہے، لہٰذا ان میں دُعاء کیا کرو۔)

میں کہتا ہوں: کہ ان جیسے حالات میں قرآنِ حکیم سے جو کچھ میسر ہو سکے، اس کا پڑھنا ایسا مستحب عمل ہے جس کی تاکید کی گئی ہے۔ نیز مصیبت اور تکلیف کے وقت پڑھی جانے والی وہ دعائیں بھی پڑھے، جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اور جیسا کہ صحیحین میں یہ دُعاء بھی مذکور ہے «لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ» ”کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ جو بڑی عظمت والا بڑا بردبار ہے، اس اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بڑے عرش کا پروردگار ہے، اس اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمانوں کا رب، زمینوں کا رب اور باعثِ احترام عرش کا رب ہے۔“[1]

اور یہ دعا بھی پڑھے، جو ہم نے قبل ازیں ایک دوسری حدیث میں ذکر کی ہے «لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ عَزَّ جَارُكَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُكَ» ”اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، جو بڑی بردبار (اور) بڑی پاکیزہ وبخشش کرنے والی ذات ہے، پاک ہے وہ اللہ جو ساتوں آسمانوں کا رب ہے اور عظیم عرش کا رب ہے، (الٰہی!) تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، معزز ہوا تیرا پڑوسی اور بہت زیادہ ہوئی تیری (حمد و) ثنا۔“

اور یہ الفاظ بھی کہے، جو ہم نے قبل ازیں ایک اور حدیث کے حوالے سے ذکر کیے ہیں: «حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ» ”کہ کافی ہے ہمارے لیے اللہ اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے۔“

اور یہ کلمات بھی کہے: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ، مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، اعْتَصَمْنَا بِاللّٰهِ ، اسْتَعَنَّا بِا للّٰهِ ، تَوَكَّلْنَا عَلَى

[1] صحیحین میں (صحیح بخاری حدیث:6345 اور صحیح مسلم میں حدیث 2730.

اللّٰهِ» ''کہ اللہ غالب (اور) حکمت والے کی توفیق اور مرضی کے بغیر نہ نیکی کرنے کی ہم میں قوت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی طاقت، (لہٰذا) ہم اللہ کی مہربانی سے گناہ سے باز رہے، اور اللہ ہی سے ہم نے مدد طلب کی اور اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔''

اور یہ کلمات بھی کہے: «حَصَّنْتَنَا كُلَّنَا اَجْمَعِيْنَ بِالْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِيْ لَا يَمُوتُ اَبَدًا، وَرَفَعْتَ عَنَّا السُّوْءَ بِلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ» ''کہ اے اللہ تو نے ہم سب کو ان کلمات «اَلْحَيُّ الْقَيُّومُ الَّذِي لَا يَمُوتُ اَبَدًا» کی برکت سے (دشمن کے شر سے) بچالیا، اور ہم سے ہر قسم کی برائی کو «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ» کے دعائیہ کلمات کی برکت سے دور رکھا۔''

نیز وہ یہ دعائیہ کلمات بھی کہہ سکتا ہے۔ «يَا قَدِيْمَ الْاِحْسَانِ، يَا مَنْ اِحْسَانُهُ فَوْقَ كُلِّ اِحْسَانٍ، يَا مَالِكَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَامَنْ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَتَعَاظَمُهُ، انْصُرْنَا عَلٰى اَعْدَائِنَا هٰؤُلَاءِ وَ غَيْرِهِمْ، وَاَظْهِرْنَا عَلَيْهِمْ فِي عَافِيَةٍ وَسَلَامَةٍ عَامَّةٍ عَاجِلًا» ''کہ اے احسان کرنے والی قدیم (ازلی وابدی) ذات! اے وہ ہستی کہ جس کا احسان ہر احسان سے بالا تر ہے، اے دنیا و آخرت کے مالک، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، ہمیشہ قائم رہنے والے، اے بڑی بلند شان اور عزت و احترام والی ذاتِ برحق، اے وہ ہستی کہ جسے (کائنات کی) کوئی چیز نہ عاجز کر سکتی ہے، اور نہ اس سے کوئی بڑھ سکتی ہے، ہمارے اِن دشمنوں اور ان کے علاوہ دیگر سب دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما، اور ہمیں عافیت اور ہر قسم کی امن و سلامتی میں فی الفور ان (دشمنوں) پر غلبہ عطا فرما!۔''

یہ مذکورہ بالا تمام اذکار (مشکل اور مصیبت کے وقت، خاص طور پر دشمن کے خلاف لڑائی کے موقع پر) پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے، اور یہ ان جیسے حالات میں آزمودہ بھی ہیں۔[1]

[1] امام موصوف رحمہ اللہ کے بیان اور قول کے مطابق مذکورہ اذکار موقع کی مناسبت سے پڑھے تو جا سکتے ہیں، مگر دعاؤں اور اذکار کے پڑھنے میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ آیا یہ دعا، یا ذکر ''حامل وحی'' رسول اللہ ﷺ کی زبان ⇐

## باب، لڑائی کے وقت، بلا ضرورت آواز بلند کرنیکی ممانعت کے بارے میں

❁ سنن أبي داود میں حضرت قیس بن عُبَاد (اور یہ نام عین کے ضمہ اور باء کی تخفیف یعنی باء پر شد کے بغیر پڑھا گیا ہے) رحمہ اللہ جو کہ تابعی ہیں، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم لڑائی کے وقت آوازیں نکالنے کو ناپسند کرتے تھے۔ [1]

## باب، آدمی کا لڑائی (قتال) کے دوران اپنے دشمن پر رُعب طاری کرنے کی غرض سے یہ کہنا کہ میں فُلان (یا فُلان کا بیٹا) ہوں

❁ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین (کی لڑائی) کے دن فرمایا: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ ''میں اللہ کا نبی ﷺ ہوں اور اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں، (اور یہ کہ) میں عبدالمطلب کا بیٹا (یعنی

---

⇦ فیضانِ ترجمان سے انہی الفاظ سے ادا ہوئی ہے کہ نہیں، ہر چند کہ اس بات کو فوقیت اور افضلیت حاصل ہے، اور وہی الفاظ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی زیادہ مقبول اور مؤثر ہوں گے جن کے پڑھنے کا خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بذریعہ وحی حکم اور تعلیم دی ہے۔ اور امت کے لیے بھی وہی زیادہ منفعت بخش ہیں۔ لہٰذا مسنون دعاؤں اور أذکار کا سب سے پہلے اہتمام کرنا چاہیے، بعد ازاں اگرچہ اپنے الفاظ میں بھی دعاء کرنا جائز ہے، مگر غیر مسنون ذکر أذکار سے بہر حال احتراز برتنا چاہیے۔ اور اس کتاب کے ترجمے کا ایک بڑا مقصد یہی ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ (مترجم)

[1] سنن أبي داود حدیث: 2656 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے نکالا ہے، پھر اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث: 2657 ذکر کی ہے (أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَكْرَهُ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ الْقِتَالِ) ''بے شک رسول اللہ ﷺ قتال کے وقت آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے'' اور یہ حدیث ''حسن'' ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (اس مرفوع حدیث کی موجودگی میں) امام نووی رحمہ اللہ کے اس موقوف حدیث کو ذکر کرنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات ج 5 ص 67)

اس کے بیٹے عبداللہ کا بیٹا ) ہوں۔"[1]

❁ اور صحیحین میں حضرت سلمہ بن آکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب خیبر کے یہودی (سردار) مَرحب کو مقابلے کی دعوت دی تو اسے یہ الفاظ کہے: «اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہ» "میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر (یعنی شیر) رکھا ہے۔"[2]

❁ اور صحیحین میں حضرت سلمہ بن آکوع رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے اپنی اس لڑائی میں جب مشرکین نے (مدینہ کی چراگاہ میں چرنے والی) حاملہ اونٹنیوں پر لوٹ مار مچائی تھی، یہ الفاظ کہے: «اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ، وَالْیَوْمُ یَوْمُ الرُّضَّعِ» "کہ میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کا دن دودھ پینے والے (کی جیت) کا دن ہے۔"[3]

مطلب یہ ہے کہ آج پتہ چل جائیگا کہ اپنی ماں کا کس نے دودھ پیا ہے۔

## باب، مقابلے کی دعوت دیتے وقت "رجز" پڑھنے کے استحباب کے بارے میں

اور اس ضمن میں سابقہ باب میں ذکر کردہ احادیث بھی (شامل) ہیں۔

❁ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اُن سے ایک آدمی نے کہا: کیا تم لوگ حنین کی لڑائی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ اس پر حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا: مگر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بالکل) نہیں بھاگے تھے۔ میں نے (اس وقت) یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سفید خچر پر سوار دیکھا، جس کی لگام حضرت سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ پکڑے ہوئے تھے، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ فرما رہے تھے:

---

[1] صحیح البخاري، حدیث4315، و صحیح مسلم میں حدیث: 1776 حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ کے ہاں "عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ" میں حدیث 605 ہے۔

[2] صحیح البخاري، حدیث: (4196)، وصحیح مسلم، حدیث: (1802).

[3] صحیح البخاري، حدیث: 3041، و صحیح مسلم، حدیث 1806.

«اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»

”کہ میں تو اللہ کا نبی ہوں، اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں (اور یہ کہ) میں عبدالمطلب کا بیٹا (یعنی اس کے بیٹے عبداللہ کا بیٹا) ہوں۔“[1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «فَنَزَلَ، وَدَعَا وَاسْتَنْصَرَ» کہ آپ ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے، اور اللہ کے حضور دعاء کی اور مدد طلب کی۔“

❁ اور صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ غزوۂ احزاب (خندق) کے دن ہمارے ساتھ خود خندق کی مٹی ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لے جا رہے تھے، اور مٹی نے آپ ﷺ کے بطنِ اطہر کی سپیدی کو ڈھانپ لیا تھا، اور آپ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوْ فِتْنَةً أَبَيْنَا

”اے اللہ! اگر تو توفیق نہ دیتا تو نہ ہم ہدایت پاتے، نہ صدقہ دیتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، پس ہم پر سکینت (طمانیت) نازل فرما، اور اگر (دشمن سے) ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ، ان (ظالم دشمنوں) نے ہمارے خلاف لوگوں کو بھڑکایا ہے، اور اگر انھوں نے کوئی فتنہ (قتال وغیرہ) چاہا، تو ہم

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4317، وصحيح مسلم، حديث1776، وجامع ترمذي حديث: 1688.

ہرگز سر نہیں جھکائیں گے۔"[1]

❁ اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: کہ مہاجرین و انصار (سب مل کر) خندق کھودتے ہوئے اور اپنی پشتوں پر مٹی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے: «نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْإِسْلَامِ» اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا»" "ہم وہ ہیں کہ جنھوں نے، جب تک ہم باقی رہیں، حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اسلام پر یا جہاد پر بیعت کی ہے۔" اور اللہ کے نبی ﷺ انھیں ان الفاظ میں جواب دے رہے تھے: «اللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ، فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ» "کہ اے اللہ! یقیناً بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے، پس مہاجرین و انصار کو برکت سے مالا مال کر دے۔"[1]

## باب اس بارے میں کہ جو غازی اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے زخمی ہو جائے، اس کے سامنے صبر و قوت کے بیان اور راہِ حق میں شہادت کی خوشخبری اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنا: کہ اس میں ہمیں نہ اندیشہ ہے، نہ کوئی نقصان، بلکہ یہ تو ہماری دعاؤں کا ثمرہ، امیدوں کی تکمیل اور زندگی کا اصل مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ

[1] صحيح البخاري، حديث: 4100، وصحيح مسلم، حديث:1805، و جامع الترمذي حديث:3856.

يَحْزَنُونَ o يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ o اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ o اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ o فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ o ﴾

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء کیا ہے، اس پر وہ خوش وخرم ہیں، اور اس بات پر مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچ پائے ہیں، اُن کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، وہ اللہ کے انعام واکرام اور اس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں، اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے (راہِ حق میں) زخم کھانے کے بعد بھی اللہ جلّ جلالہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک، کہا، ان میں جو اشخاص نیکو کار، اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بڑا اجر ہے، اور وہ جن سے لوگوں نے کہا: کہ تمھارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوگئی ہیں، ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا، اور وہ جواب میں کہنے لگے: کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، اُن کو کسی قسم کا نقصان بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انھیں حاصل ہوگیا، اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔'' ①

① سورۃ آل عمران 169 تا 174۔

❁ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں وہ روایت ملی ہے جس میں "بئر معونہ کے موقع پر شہادت پانے والے قُرآء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا واقعہ ذکر ہوا ہے، جنھیں کفار نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا، کہ ایک کافر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خالو (ماموں) حضرت حَرام بن مِلحَان کو ایسا نیزہ مارا کہ ان کے جسم سے پار ہو گیا، اس پر حضرت حرام پکار اٹھے «اَللّٰهُ اَكْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ» "اللہ بہت بڑا ہے، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا" اور صحیح مسلم کی روایت میں "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ ①

میں کہتا ہوں: حَرام بن مِلحَان میں "حَرام" "حَاء" اور "را" دونوں کے فتحہ (یعنی زبر) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

## باب: لڑائی میں فتح اور دشمن پر غلبہ پا جانے کی صورت میں مسلمان کیا کچھ کہیں؟

ایسے حالات میں مسلمانوں کے شایانِ شان عمل یہ ہے کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کے حضور شکر اور اس کی حمد وثناء کریں اور اس بات کا اعتراف کہ یہ فتح ونصرت صرف اور صرف اس کے فضل وکرم سے حاصل ہوئی ہے نہ کہ ہماری اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر، (وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور مدد ہمیشہ اللہ ہی کی طرف سے آیا کرتی ہے" لہٰذا ایسے موقع پر کسی بھی قسم کی بڑائی اور فخر یا اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں ہونے سے ہر صورت میں ذرا اور بچا جائے کہ مُبادا اللہ جلّ شانہ، اس فتح کو شکست و ہزیمت میں نہ بدل دے (وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ) جیسا کہ غزوۂ حنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾

"اور حنین کے دن بھی (اللہ نے تمھاری مدد کی تھی) جبکہ تمھیں اپنی کثرت پر ناز

① صحيح البخاري، حديث:4092، صحيح مسلم، حديث:677.

تھا، مگر وہ کثرت تمھارے کسی کام نہ آسکی، اور (پھر) زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔"①

## باب، مسلمانوں کو (لڑائی کے دوران) شکست سے دوچار ہوتا دیکھ کر کیا کہنا چاہیے؟

ایسے موقع پر مستحب یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خائف ہوتے ہوئے کثرت سے گریہ زاری، استغفار اور اس کی بارگاہ میں ایسی دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھے، جن میں اللہ رب العزت نے اہلِ ایمان کی نصرت اور اپنے دین کے غلبے کا وعدہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی دُکھ اور مصیبت کے وقت مانگی جانے والی دعائیں بھی پڑھے جو قبل ازیں ذکر ہوئی ہیں، اور ان میں سے ایک یہ دعا بھی ہے:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ، رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ»

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بڑی عظمت والا بردبار ہے (اس) اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو عظیم عرش کا پروردگار ہے، اس اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمینوں کا رب (اور) بزرگی والے، عرش کا رب ہے۔"

نیز ان مذکورہ دُعاؤں کے علاوہ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، دیگر دُعاؤں کا پڑھنا بھی مستحب ہے جو عنقریب، خوف و دہشت اور ہلاکت کے ضمن میں آگے ذکر کی جائیں گی۔"

اور قبل ازیں "زجر کے باب" میں ہم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کو شکست ہوتے دیکھی تو آپ ﷺ سواری سے نیچے تشریف لے آئے، اور

① سورة التوبة 25 .

اللہ تعالیٰ کے حضور فتح ونصرت کی دعاء کی، اور اس فتح ونصرت کا اصل سبب اور پھر اس کا ثمرہ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان ہے «لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» ”تحقیق رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔“[1]

❁ اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب اُحد کے دن مسلمان منتشر ہو کر بھاگنے لگے، تو میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! میں اس بات پر تیرے حضور، کہ جو کچھ تیرے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہے، معذرت کا خواستگار ہوں، اور جو کچھ یہ مشرکین (تیرے نبی ﷺ کے خلاف) کر رہے ہیں، تیری بارگاہ میں، ان سے انتہائی بیزار اور بری ہوں“ پھر وہ آگے بڑھے، اور دشمن کے خلاف لڑنے لگے، یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کیا۔ بعد ازاں ہم نے اُن کے جسم میں اسی (80) سے زیادہ تلواروں، نیزوں اور تیر کے زخم پائے۔[2] (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ)

## باب امامِ وقت (یا حاکم) کا اس مجاہد کی مدح سرائی کرنا جس نے لڑائی کے دوران بے مثال جرأت وشجاعت دکھائی ہو

❁ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی وہ طویل حدیث ہمیں ملی ہے، جس میں کفار کا مدینہ کی چراگاہ پر اچانک حملہ کرنے اور مویشیوں کے باڑے سے حاملہ اونٹنیوں کو ہانک کر لے جانے، نیز ان مشرکین کے تعاقب میں حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کے جانے کا ذکر ہوا ہے.......... پھر راوی نے پوری حدیث ذکر کی اور (آخر میں) کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ خَيْرَ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُو قَتَادَةَ وَخَيْرَ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ»

---

[1] سورة الأحزاب 21.

[2] صحيح البخاري، حديث 4048، وصحيح مسلم، حديث 1903، وجامع الترمذي، حديث: 3198.

''کہ آج کی اس مہم میں ہمارے بہترین شاہسوار ابوقتادہ اور بہترین پیادہ مجاہد سلمہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)''[1]

## باب لڑائی سے واپسی پر کیا کہنا چاہیے؟

اور اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ ''مسافر کے لیے ذکر اذکار کی کتاب'' میں آگے آرہا ہے۔

(اور اصل توفیق منجانب اللہ ہے۔)

[1] صحیح البخاري، حدیث4194,3041، و صحیح مسلم، حدیث:1806۔

# مسافر کے اَذکار کی کتاب

یہ بات جان لیجیے کہ:

وہ اَذکار اور دعائیں جو ایک حاضر (مقیم شخص) کے لیے رات، دن اور مختلف اَوقات وغیرہ میں پڑھنا مستحب ہیں اور جن کی تفصیل پہلے گزر بھی چکی ہے، مسافر کو بھی دورانِ سفر (اقامت کی حالت وغیرہ میں) یہی اَذکار پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ مسافر کے لیے کچھ اَذکار خاص ہیں اور اس باب میں یہی اَذکار ذکر کرنا ہمارا مقصود ہے۔ جبکہ یہ اَذکار بہت زیادہ تعداد میں اور بکھرے ہوئے ہیں۔ جنھیں میں یہاں اختصار سے ذکر کروں گا۔ نیز میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے اور اسی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ان اَذکار کو مناسب ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔

## باب: استخارہ (بھلائی طلب کرنے) اور استشارہ (مشورہ طلب کرنے) کے بارے میں

اور یہ بھی جان لیجیے کہ جس شخص کو کوئی سفر کھٹکتا ہو تو اس کے لیے ایسے صاحب علم و فضل سے، جو اس کے بارے میں خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات رکھتا ہو اور دین و معرفت کے لحاظ سے بھی مضبوط ہو، مشورہ کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: «وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ»[1] ''کہ معاملات میں اُن سے مشورہ لیا کرو۔'' اور اس کے حق میں اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔ تو جب وہ مشورہ لے لے اور سفر کی مصلحت اس پر ظاہر ہو جائے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے (استخارہ)، یعنی بھلائی طلب کرے۔ (اس کا

[1] آل عمران 159.

طریقہ یہ ہے) کہ دو رکعت نماز (فرض نماز کے علاوہ) پڑھے اور دعائے استخارہ'' جو ہم نے قبل ازیں اس کے باب میں ذکر کی ہے، وہ بھی پڑھے۔''استخارہ'' کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے، جو پہلے گزر چکی ہے۔ نیز وہاں ہم نے اس نماز کا طریقہ اور دعاء کرنے کے آداب تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔

## باب، سفر پر مصمم (یعنی پختہ) ارادہ کر لینے کے بعد کن باتوں کو یاد رکھنا چاہیے؟

جب کوئی شخص سفر کرنے کا مصمم ارادہ کر لے تو اسے جن باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے ان میں چند امور درج ذیل ہیں:

اپنے جن معاملات میں وصیت کرنا ضروری سمجھتا ہے، ان کے بارے میں وصیت کرے اور اس وصیت پر کسی (قابل اعتماد شخص) کو گواہ بھی بنا لے اور جس شخص کے اور اس کے درمیان یا اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی معاملہ ''حل طلب'' ہو تو اس کو فوری طور پر نمٹا لے۔ اور اپنے والدین، اپنے اساتذہ اور ہر وہ شخص جو اس کی شفقت و محبت کا مستحق ہے اس کو راضی کر لے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور تمام گناہوں اور نافرمانیوں کی معافی مانگے۔ نیز دورانِ سفر آنے والی مشکلات پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ اور اپنے اس سفر کے سلسلے میں جن باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہو، انھیں اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ مثلاً اگر وہ جہاد کے لیے عازمِ سفر ہے تو اسے چاہیے کہ لڑائی، دعوتِ دین، غنیمتوں کے اموال کی تقسیم اور کفار کے مقابلے میں شکست کھا کر بھاگنے کی حرمت اور گناہ وغیرہ کے شرعی احکام بخوبی طور پر سمجھ لے۔

اور اگر وہ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے سفر کر رہا ہے تو وہ حج اور عمرہ کے مناسک اور ان کی ادائیگی کا طریقہ سیکھ لے یا اپنے ساتھ ''رہنمائے حج'' وغیرہ جیسی کوئی کتاب رکھ لے اور اگر ان دونوں باتوں کا اہتمام کر لے تو یہ افضل ترین عمل ہے۔ اور اسی طرح غازی اور مجاہد وغیرہ کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

اور اسی طرح اگر کوئی سفر کرنے والا شخص تاجر یا کاروباری ہے تو اسے خرید و فروخت کے بارے میں جو باتیں جاننا ضروری ہیں، سیکھ لینی چاہئیں۔ مطلب یہ کہ کاروبار کی کون سی صورت حلال ہے اور کونسی حرام، کونسی درست ہے اور کونسی باطل اور کونسا معاملہ مستحب، مکروہ اور مباح ہے اور کونسا دیگر معاملے پر ترجیح رکھتا ہے؟

اور اگر کوئی سفر کرنے والا، عبادت گزار، سیاحت کرنے والا اور عام لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں جن چیزوں کی معرفت ضروری ہے، انھیں اچھی طرح سیکھ لے اور دورانِ سفر پیش آنے والے متوقع امور کی شرعی حیثیت بھی معلوم کر لے۔ یہ اس کا ایسے سفر کے لیے سب سے ضروری کام ہے۔

اور اگر وہ شکاری ہے (اور شکار کے سلسلے میں سفر کا قصد کرتا ہے) تو اسے ان تمام اُمور کے بارے میں آگاہ ہونا چاہیے، جن کی معرفت اور شرعی اعتبار سے ایک شکاری کو علم ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر کونسا جانور حلال ہے اور کونسا حرام، کونسا طریقہ جانور کو حلال کرنے کا ہے اور کن امور سے ایک حلال جانور بھی حرام ہو جاتا ہے؟ اور حلال جانور کو ذبح کرنے کی کیا شرائط ہیں؟ نیز ایک شکاری کتے یا کسی تیر کے ذریعے کسی جانور کو شکار کرنا اور کم از کم وہ کونسی صورت ہے جو ایک جانور کے شکار کے دوران حلال اور جائز ہونے کے لیے کافی ہے؟

اور اگر وہ (کسی ادارے کا سربراہ یا) گلے کا راعی[1] (یعنی نگران) ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسرے لوگوں کے حقوق وغیرہ کے بارے میں جان لے، بشمول ان امور کے جن کا ذکر ہم نے پہلے بھی کیا ہے اور اسی طرح جانوروں کے ساتھ، جن کا وہ 'راعی' ہے، نرمی برتنے، ان کی خیر خواہی کرنے اور دوسرے ماتحت لوگوں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کا رویہ رکھنے اور

---

[1] یہاں ''راعی'' سے امام موصوف نے صرف جانوروں کا چرواہا مراد لیا ہے۔ جبکہ آنحضور ﷺ کے اس فرمان کو (کہ تم میں سے ہر ایک ''راعی'' ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا) سامنے رکھتے ہوئے میں نے عام ''راعی'' مراد لے کر متعلقہ پیراگراف کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

ان کی حفاظت ونگہداشت کے بارے میں پوری طرح واقفیت حاصل کرے۔ نیز (ریوڑ میں سے) کوئی جانور ذبح کرنے کی کبھی اسے ضرورت پیش آجائے تو اس جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس کے مالک سے اجازت حاصل کرے۔

اور اگر وہ کسی بادشاہ کی جانب سے کسی دوسرے بادشاہ یا اسی طرح کسی اور بڑے آدمی کی طرف سے ''قاصد'' کی حیثیت سے عازم سفر ہوا ہے تو اسے اس سلسلے کے تمام امور سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے۔ جیسے بڑے لوگوں سے مخاطب ہونے کے آداب اور دورانِ گفتگو پیش آمدہ سوالات کے جوابات وغیرہ میں اسے کیسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ نیز ایسے مواقع پر میزبانی ومہمانی کا کیا طریق کار ہوتا ہے اور کس نوعیت کے تحائف وغیرہ دیے جاسکتے ہیں؟ کونسی باتیں مصلحت ونصیحت کی بنا پر مخفی اور کونسی واضح کرنی ضروری ہوتی ہیں؟ اور کسی بھی قسم کی بناوٹ، دھوکے اور منافقت سے کلی طور پر بچا جائے اور ہر ایسی بات اور عمل سے پہلو تہی برتی جائے جو کسی بھی قسم کی بدعہدی وغیرہ یا حرام کام کے ارتکاب کا سبب بن سکتا ہو۔''

اور اگر وہ شخص کوئی وکیل (ایسا شخص جس کو عاجز آدمی اپنا کام سپرد کردے) یا ''عامل'' ہو (جائیداد میں لین دین اور اس میں اختیار دیا جانے والا) یا اسی طرح کا کوئی اور متولی ہے تو اس بارے میں وہ جن امور کی معرفت کا محتاج ہے ان کو اچھی طرح سیکھے کہ کن چیزوں کی خرید وفروخت جائز ہے اور کن اشیاء کی ناجائز؟ اور کونسی اشیاء میں اس کے لیے تصرف کرنا درست ہے اور کونسی اشیاء میں درست نہیں؟ اور کونسی خرید وفروخت میں گواہوں کا ہونا شرط ہے اور کس نوعیت کے لین دین میں واجب ہے اور کس صورت میں گواہی شرط ہے مگر واجب نہیں، اور دورانِ سفر کون سے امور اس کے لیے جائز ہیں اور کون سے ناجائز؟

اور مذکورہ بالا تمام قسم کے مسافروں کے لیے ضروری ہے کہ جو ان میں سمندری سفر کا خواہاں ہے وہ ان تمام احوال کے متعلق بھی اچھی طرح جان لے جو اس کے لیے جائز یا ناجائز ہو سکتے ہیں، اور یہ باتیں اور مسائل فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں اس کتاب میں ان کی انتہاء کو پہنچنے کی گنجائش نہیں۔ بلکہ اس جگہ میرا مقصود صرف خاص اذکار کو بیان کرنا ہے اور

یہ ذکر کردہ معلومات ان جملہ ''اذکار'' میں سے ہیں، جیسا کہ میں نے انھیں کتاب کے آغاز میں بھی ذکر کیا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق کا متمنی ہوں اور اپنے، اپنے احباب اور تمام مسلمانوں کے خاتمہ بالخیر کا اللہ عزوجل سے سوال کرتا ہوں۔

## باب جب آدمی اپنے گھر سے (سفر کے لیے) باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو کیا کچھ پڑھے؟

جب وہ سفر کی غرض سے باہر نکلنے کا قصد کرے تو اس کے لیے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ:

حضرت المُطعِم ① بن المقدام الصنعانی ② رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص نے سفر کے ارادے سے (گھر سے نکلنے کے بعد) اپنے پیچھے اپنے اہل کے پاس دو رکعتوں سے افضل کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

اسے امام الطبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ ③

---

① اصل میں ''المقطم'' کا لفظ ہے مگر ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ غلطی ہے جو کہ لکھتے وقت، بھول چوک پر وارد ہوئی ہے اور صحیح ''المطعم'' ہی ہے، دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 105/5.

② اصل میں ''الصحابی'' کا لفظ ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ الصنعانی درست ہے۔ جو کہ دمشق کے ''صنعاء'' کی طرف نسبت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نسبت ملک یمن کے ''صنعاء'' کی جانب ہے۔ بعد ازاں وہ شام کی جانب سدھار گئے تھے۔ ان کا زمانہ چھوٹے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے۔ اور ان کا سماع کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ بعض صحابہ سے انھوں نے مرسل روایت کی ہے اور تابعین عظام جیسے مجاہد اور حسن رحمہ اللہ سے ان کی روایات بلند مقام کی حامل ہیں۔

③ (امام موصوف رحمہ اللہ کا یہ کہنا (کہ اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے) اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''کہ امام موصوف رحمہ اللہ کے لفظ ''الصحابی'' ذکر کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ انھوں نے امام طبرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''المعجم الکبیر'' کا حوالہ دیا ہے جو کہ (حقیقت میں) ''مسند صحابہ رضی اللہ عنہم'' کی کتاب ہے اور یہ حدیث اس مذکورہ کتاب میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث امام طبرانی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب ''المناسک'' میں ذکر ہوئی ہے۔ اور اسے امام عساکر رحمہ اللہ نے بھی حضرت مطعم بن المقدام الصنعانی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ ⇐⇐




ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ ''ان دونوں رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ...... آخر تک ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ...... آخر تک ﴾ پڑھنا مستحب ہے۔ جبکہ ان میں سے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ! کہتے ہیں: ''کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الفلق اور دوسری رکعت میں سورۃ الناس پڑھے۔ تو جب سلام پھیر لے تو پھر'' آیۃ الکرسی'' پڑھے اس لیے کہ روایت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ جو شخص اپنے مکان سے باہر نکلنے سے پہلے آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو واپس پلٹنے تک کوئی ایسی چیز نہیں پہنچ پائے گی جسے وہ ناپسند کرتا ہوگا۔[1] اور ایسے موقع پر سورت ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ...... اِلخ﴾ پڑھنا بھی مستحب ہے۔

چنانچہ جلیل القدر امام سید ابوالحسن القزوینی رحمہ اللہ جو کہ بڑے فقیہ اور شافعی المسلک امام ہیں، بڑی واضح کرامات، درخشندہ احوال اور حقائق و معارف کے مالک ہیں نے فرمایا ہے: کہ یہ سورۂ قریش ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھنے والی ہے۔''

⇐ اور اس حدیث کی سند ''معضل'' ہے یا پھر مرسل ہے اگر ان کا سماع کسی صحابی سے ثابت ہو جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بھی اس باب میں داخل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ جب سفر کرتے تو جہاں کہیں بھی آپ ﷺ پڑاؤ ڈالتے تو اس وقت رخت سفر نہ باندھتے جب تک وہاں دو رکعت نماز نہ پڑھ لیتے۔'' اور سنن الدارمی میں بھی یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ ﷺ جب بھی کسی جگہ اترتے تو وہ جگہ چھوڑتے وقت دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی مفہوم میں ''شواہد'' کے طور پر بھی روایات ذکر کی ہیں جو اسے ''حسن'' درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔ یہ تمام معلومات ملاحظہ فرمایئے: الفتوحات الربانیۃ: 107/105/5.

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں اس روایت کو ان الفاظ میں نہیں پاسکا بلکہ اس مفہوم کی اور اس سے زیادہ جامع روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت آیت الکرسی اور سورہ حٰمٓ المؤمن کے شروع سے...... اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پڑھے تو شام ہونے تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھے گا جو اسے ناپسند ہو اور جو شام کے وقت یہی ''ذکر'' کرے گا تو صبح ہونے تک کوئی بھی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھے گا۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اسے امام ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور امام البیہقی رحمہ اللہ نے ''الشعب'' میں اور ابوالشیخ رحمہ اللہ نے ''ثَوَابُ الْأَعْمَالِ'' میں، دیکھیے: الفتوحات: 108/5.

اور ابو طاہر بن جخشویہ کہتے ہیں: ''میں نے ایک سفر کا ارادہ کیا، جس سے میں ڈرتا تھا تو میں امام القزوینی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سلسلے میں کسی ''دعاء'' کا سوال کیا۔ تو آپ نے ابتداء میں ہی اپنی طرف سے فرمایا: ''جو شخص کسی سفر کا ارادہ کرے اور اسے کسی دشمن یا جنگلی درندے سے گھبراہٹ لاحق ہو تو سورۃ قریش (لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ..... آخر تک) پڑھے۔ اس لیے کہ یہ ہر برائی سے امن میں رکھنے والی سورت ہے۔ تو میں نے جب اسے پڑھا تو اس وقت سے لے کر آج تک مجھے کوئی بھی (تکلیف دہ) عارضہ پیش نہیں آیا، اور آدمی اس کی تلاوت سے جب فارغ ہو جائے تو پورے اخلاص اور رقت کے ساتھ دعاء بھی کرے، اور اس سلسلے میں سب سے بہتر یہ دعاء ہے۔

«اَللّٰهُمَّ بِكَ اَسْتَعِيْنُ وَ عَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ؛ اَللّٰهُمَّ ذَلِّلْ لِي صُعُوبَةَ أَمْرِي، وَ سَهِّلْ عَلَيَّ مَشَقَّةَ سَفَرِي، وَارْزُقْنِي مِنَ الْخَيْرِ أَكْثَرَ مِمَّا أَطْلُبُ، وَاصْرِفْ عَنِّي كُلَّ شَرٍّ. رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَ يَسِّرْلِي أَمْرِي، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَحْفِظُكَ وَ أَسْتَوْدِعُكَ نَفْسِي وَ دِينِي وَ أَهْلِي وَ أَقَارِبِي وَ كُلَّ مَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَيْهِمْ بِهِ مِنْ آخِرَةٍ وَ دُنْيَا، فَاحْفَظْنَا أَجْمَعِينَ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ يَا كَرِيمُ»

''اے اللہ میں آپ سے ہی مدد کا طلبگار ہوں اور آپ پر ہی اعتماد اور بھروسہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے (ہر) کام کی مشکل میرے لیے ذلیل وزم، (یعنی ختم) کر دے اور میرے سفر کی مشقت مجھ پر آسان کر دے اور جو بھلائی میں طلب کروں اس سے زیادہ خیر و برکت مجھے عطاء فرمادے اور مجھ سے ہر قسم کی برائی کو پھیر دے۔ اے میرے پروردگار! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا (ہر) کام آسان کر دے، اے اللہ! بے شک میں آپ کی ذات سے حفاظت طلب کرتا ہوں اور میں اپنی جان، اپنا دین، اپنے اہل و عیال، اپنے قریبی رشتہ دار اور دنیوی و اخروی ہر وہ نعمت جو آپ نے مجھ پر اور ان سب

لوگوں پر نچھاور فرمائی ہے، آپ کے حوالے کرتا ہوں۔"

اور اس دعاء کا آغاز و اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود وسلام پڑھ کر کرے اور جب وہ بیٹھنے کے بعد اٹھے تو یہ دعاء پڑھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب بھی کسی سفر کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ بیٹھنے کے بعد جب کھڑے ہوتے تو فرماتے:

«اللّٰهُمَّ إِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ، وَبِكَ اعْتَصَمْتُ؛ اللّٰهُمَّ اكْفِنِي مَا هَمَّنِي وَ مَا لَا أَهْتَمُّ لَهُ، اللّٰهُمَّ زَوِّدْنِي التَّقْوَى، وَاغْفِرْلِي ذَنْبِي وَ وَجِّهْنِي لِلْخَيْرِ أَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ»

"الٰہی! میں نے آپ ہی کی جانب رخ کیا اور آپ کے ساتھ لو لگائی۔ الٰہی! جو بھی معاملہ مجھے درپیش ہو اس بارے میں مجھے کافی ہو جائیو۔ اور اس کے بارے میں بھی جس کا میں خود اہتمام نہ کرسکوں۔ الٰہی! تقوی، (یعنی پرہیز گاری) کو میرا "زادِراہ" بنا دیجیے اور میرے گناہ معاف فرما دیجیے اور جہاں کہیں بھی (اور جس طرف بھی) میں اپنا رخ کروں تو میرا چہرہ بھلائی کی طرف پھیر دیجیے۔"[1]

## باب، جب آدمی (سفر کیلئے) گھر سے نکل پڑے تو کیا کچھ کہے؟

اس کتاب کے شروع میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اپنے گھر سے نکلنے والا شخص گھر سے نکلتے وقت کیا دعاء کرے؟ تو وہی دعاء مسافر کے لیے پڑھنا مستحب ہے، اور اسے کثرت کے ساتھ یہ دعائیں پڑھنی چاہئیں۔ اسی طرح اس کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:496، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ اسے ابن السنی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی "الضعفآء" میں عمر بن مساور کے ترجمہ کے ضمن میں نکالا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور یہ راوی ان کے ہاں ضعیف ہے اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس" راوی موصوف رحمہ اللہ کے افراد" میں سے گردانا ہے۔" دیکھیے: الفتوحات الرّبانية:111/5.

والوں کو، اپنے قرابت داروں کو، اپنے ساتھیوں کو اور اپنے پڑوسیوں کو الوداع کہے، اپنے حق میں ان سے دعاء کا سوال کرے اور ان کو خود بھی دعائیں دے۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ''مسند'' وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کو جب کوئی چیز سونپ دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کی حفاظت فرماتے ہیں۔[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص سفر کا ارادہ کرے تو جن لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہا ہو ان کو مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے:

«أَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهُ»

''میں آپ لوگوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس ذات کا عہد نامہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔''[2]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہمیں ایک مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی سفر کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے (تمام مسلمان) بھائیوں کو الوداع، (یعنی رخصت) کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان

---

① مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ: 87/2، سنن النسائي، حدیث: 509 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں۔ دیکھیے: الفتوحات: 113/5۔

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 506 سنن النسائی حدیث 508 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ دونوں نے ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَة'' میں نکالا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے نیز اس بارے میں ملاحظہ کیجیے: الفتوحات الرّبانية: 114/5۔

کی مانگی ہوئی دعاؤں کو خیر و برکت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔‘‘[1]

اور سنت طریقہ یہ ہے کہ رخصت کرنے والا، (یعنی مقیم) شخص مسافر کو ان الفاظ میں الوداع، کرے جو سنن أبي داود میں حضرت ’’قزعہ‘‘ سے مروی ہمیں ملے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: ’’کہ آیئے میں تم کو رخصت کروں، جس طرح کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رخصت فرمایا تھا:

«أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ، وَ اَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ»

کہ میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے اعمال کے انجام کار سب کچھ اللہ کی ذات کے سپرد کرتا ہوں۔‘‘[2]

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’کہ دعاء میں ’’امانت‘‘ سے مراد اس شخص کا کنبہ، یعنی اہل خانہ ہیں اور ہر وہ شخص بھی جسے وہ اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہا ہے اور وہ مال بھی جسے اس نے اپنے ’’امین‘‘ کے پاس رکھا ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اس دعاء میں ’’دین‘‘ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ سفر میں عام طور پر مشقت و تکلیف لاحق ہوتی ہے اور بسا اوقات سفر کی یہی تکلیف و مشقت دین کے بعض امور کی انجام دہی میں غفلت و سستی کا سبب بن جاتی ہے۔‘‘ اور میں کہتا ہوں: ’’کہ راوی ’’قزعہ‘‘ کا نام ’’قاف‘‘ کے فتحہ، (یعنی زبر) اور ’’زاء‘‘ کی زبر اور سکون، (یعنی جزم) دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ (لہٰذا قَزْعہ پڑھنا بھی درست ہوا)۔

اور جامع الترمذی رحمہ اللہ میں بھی حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ

---

[1] اس حدیث کی تخریج کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’یہ حدیث غریب ہے۔ اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے ’’الأوسط‘‘ میں نکالا ہے..... نیز اس کی سند میں دو راوی سخت ضعیف ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات: 115/5.

[2] سنن أبي داود، حديث: 2600 اور یہ حدیث حسن ہے۔ اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ’’حسن‘‘ قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اسے امام بخاری نے ’’التاریخ‘‘ میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ’’عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ‘‘ میں حدیث: 512، نیز امام ابوداؤد اور حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 116/5.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ جب کسی آدمی کو رخصت کرنے لگتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے یہاں تک کہ وہ شخص جب خود آپ ﷺ کا ہاتھ چھوڑتا تو اس وقت آپ ﷺ بھی چھوڑتے اور اسے مخاطب ہو کر یہ دعاء پڑھتے کہ:

«أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَ أَمَانَتَكَ وَ آخِرَ عَمَلِكَ»

''میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرا آخری عمل (یا انجام کار) اللہ تعالیٰ کی ذات کو سونپتا ہوں۔''[1]

اور جامع الترمذی میں ہی حضرت سالم رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آدمی سے کہا کرتے تھے: ''جو سفر کا ارادہ کرتا'' میرے قریب ہو جا، میں تجھے اس طرح رخصت کروں گا جس طرح اللہ کے رسول ﷺ ہم کو رخصت فرمایا کرتے تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: «أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَ أَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ»: کہ میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے اعمال کے انجام کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرتا ہوں۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث ''حسن صحیح'' ہے۔[2]

اور سنن أبی داؤد وغیرہ میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن یزید الخطمی الصحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے نبی ﷺ جب کسی لشکر کو رخصت کرنے کا ارادہ کرتے تو ان کو شرفِ مخاطبت بخشتے ہوئے یہ دعاء فرمایا کرتے:

«أَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ ، وَ أَمَانَتَكُمْ وَ خَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ»

''کہ میں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے اعمال کے انجام (سب کچھ) اللہ

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3438، یہ حدیث حسن ہے اور حافظ ابن حجر نے ''شواہد'' کے ساتھ اسے ''حسن'' قرار دیا ہے۔

[2] جامع الترمذي، حديث: 3439، سنن ابن ماجه، حديث: 2826 اور اپنے شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 118/5.

تعالیٰ کی ذات کو سونپتا ہوں۔"[1]

اور جامع الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ ایک آدمی اللہ کے نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ پس آپ ﷺ مجھ کو زادِ راہ سے بہرہ ور فرمایئے۔ (مطلب یہ کہ میرے حق میں دعائے خیر فرمایئے۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "«زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى» کہ اللہ تعالیٰ تم کو تقویٰ سے مالا مال فرمائے۔" تو اس آدمی نے کہا: "اللہ کے رسول ﷺ اور زیادہ کیجیے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "«وَغَفَرَ ذَنْبَكَ» اور اللہ تیرے گناہ معاف فرمادے۔" تو اس آدمی نے (پھر) کہا: "میرے لیے اور زیادہ کیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "«وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُمَا كُنْتَ» اور تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے خیر و برکت میسر فرمادے۔"[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث "حسن" ہے۔

## باب، مسافر کے لیے نیکو کار لوگوں سے وصیت طلب کرنے کے استحباب کے بارے میں

جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک آدمی نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ میں چاہتا ہوں کہ سفر کروں، پس مجھے وصیت فرمایئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ڈر، (یعنی تقویٰ) کو لازم پکڑ اور ہر اونچی جگہ چڑھتے وقت (یا پڑاؤ کرتے وقت) اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو" (مطلب یہ کہ اللہ اکبر کہو)، پھر جب وہ آدمی مڑا تو آپ ﷺ نے (اس کے حق میں ان الفاظ میں) دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبَعِيْدَ وَ هَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ» کہ اے اللہ! اس کے سفر کی دوری کم کردے اور

---

[1] جامع الترمذي: حديث:3440، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث "حسن" ہے۔ اور اسے امام طبرانی رحمہ اللہ الخرائطی رحمہ اللہ اور المحاملی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔

اس پر سفر آسان فرما دے۔"[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں "یہ حدیث "حسن" ہے۔

## باب، مقیم شخص کا مسافر کو بھلائی اور پاکیزہ مقامات پر اپنے حق میں دعائے خیر کی وصیت کے استحباب کے بارے میں خواہ مقیم شخص مسافر سے (علم و عمل میں) افضل ہی کیوں نہ ہو۔

سنن أبي داود اور سنن الترمذی وغیرہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی ادائیگی کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی اور فرمایا: «لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ» "کہ اے میرے چھوٹے (لاڈلے) بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھول جانا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا "کلمہ" ارشاد فرمایا کہ جس کے بدلے پوری دنیا بھی میرے لیے سرور کا باعث نہ ہوتی۔"[2] اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں «أَشْرِكْنَا يَا أَخِيْ فِيْ دُعَائِكَ» کہ اے میرے بھائی ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3441، سنن ابن ماجه، حديث: 2771۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور امام ابن حبان نے نکالا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت وکیع رحمہ اللہ سے اسی معنی کی حدیث روایت کی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 121/5 اور "المستدرک" میں 98/2 اور انھوں نے اسے "صحیح" کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

[2] سنن أبي داود، حديث: 1498، جامع الترمذي، حديث: 3557 اور اس حدیث کی اِسناد عاصم رحمہ اللہ بن عبیداللہ رحمہ اللہ بن عاصم رحمہ اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بناء پر ضعیف ہے۔ اور اس کے باوجود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے "حسن" کہا ہے۔




## باب، اپنے سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت کیا کچھ پڑھے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ لِتَسْتَوُوا عَلَى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ، وَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

''اور (جس ذات نے) تمھارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب تم اس پر بیٹھ جاؤ۔'' پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے۔ جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''[1]

اور سنن أبي داود، سنن الترمذی اور سنن النسائی میں صحیح سندوں کے ساتھ حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سواری کے لیے ایک جانور لایا گیا۔ تو جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں پائیدان پر رکھا تو کہا: «بِسْمِ اللهِ» کہ اللہ کے نام کے ساتھ میں سوار ہوتا ہوں، پھر جب آپ رضی اللہ عنہ سواری کی کمر پر برابر بیٹھ گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات ادا کیے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ، وَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ» ''کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے اس سواری کو ہمارے تابع فرمان کر دیا اور ہم تو اس کو زیر کرنے کی طاقت نہیں رکھنے والے تھے اور ہم اپنے رب کی جانب لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' پھر آپ رضی اللہ عنہ نے تین بار «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہا، پھر تین مرتبہ «اَللّٰهُ

---

[1] الزخرف 14.

اَكْبَرُ) کہا، بعد ازاں یہ دعاء کی: «سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ» کہ پاک ہے آپ کی ذات بے شک میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو آپ مجھے معاف کر دیجیے، بے شک آپ کی ذات کے سوا کوئی بھی گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔" پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس پڑے تو آپ سے کہا گیا۔" اے امیر المؤمنین، کس بناء پر آپ رضی اللہ عنہ ہنس پڑے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا" جو عمل میں نے (ابھی) کیا ہے، اسی طرح میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنس پڑے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:" بے شک تیرا رب جو پاک ذات ہے، اپنے بندے کی اس پکار پر تعجب کرتا ہے" کہ میرے گناہ بخش دے" اور وہ بخوبی جانتا ہے کہ میرے سوا اور کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔" یہ سارے الفاظ امام ابوداود کی روایت کے ہیں۔ [1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں:" یہ حدیث" حسن" ہے اور جامع الترمذی کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں:" یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

اور صحیح مسلم میں" کتاب المناسک" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی غرض سے باہر نکلتے ہوئے جب اپنی سواری کے اونٹ پر برابر تشریف فرما ہوتے تو تین مرتبہ «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہتے، پھر یہ دعاء فرماتے:

«﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَ مِنَ الْعَمَلِ، مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ. اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي

[1] سنن أبي داود، حديث: 2602، جامع الترمذي، حديث: 3443، امام نسائی کی کتاب:" عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں حدیث: 502 اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/125.

الأَهْلِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَ الْأَهْلِ»

''پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے تابع فرمان کر دی اور ہم اس کو قابو میں نہ لا سکنے والے تھے اور بے شک ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم آپ سے اس سفر میں نیکی کا سوال کرتے ہیں اور پرہیز گاری کا بھی اور ہر اس عمل کا جسے آپ پسند کریں۔ اے اللہ! ہم پر ہمارا یہ سفر آسان کر دے اور اس کی دوری ختم کر دے۔ اے اللہ! آپ ہی (ہمارے اس) سفر میں ساتھی ہیں اور (ہمارے) گھر میں خلیفہ، (یعنی کارساز) اے اللہ! میں سفر کی تکلیف سے اور پریشان حالت کے دیکھنے سے اور سفر سے پلٹنے کی برائی سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ مال اور گھر (کے معاملے) میں (بھی میں آپ ہی کی پناہ طلب کرتا ہوں) اور جب آپ ﷺ واپس پلٹتے تو یہی دعاء پڑھتے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی فرمادیتے: «آئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ» ''کہ ہم واپس آنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں (اور) اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔''[1] ...... یہاں تک الفاظ صحیح مسلم کے ہیں ...... اور امام ابوداؤد نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے[2] اور اللہ کے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کا لشکر جب کسی گھاٹی کے تنگ راستے کو عبور کرنے کے لیے اس پر چڑھتے تو (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کہتے اور جب نیچے (کسی وادی وغیرہ میں) اترتے تو «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہتے تھے۔ اور اسی مفہوم کی مرفوع

[1] صحيح مسلم، حديث:1342، سنن أبي داؤد، حديث: 2599 اور امام نسائی رحمہ اللہ کی ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ'' میں حدیث: 548.

[2] یہ اضافہ مُدرج ہے اور امام ابوداود رحمہ اللہ کی حدیث میں نہیں بلکہ یہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی مصنف میں ابن جریج راوی سے مروی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کا لشکر جب کسی گھاٹی کے بلند راستے پر چڑھتے ...... نیز اس حدیث کی اِسناد ''معضل'' ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس جگہ بھول کر اس ''اضافہ'' کو ابوداود رحمہ اللہ کی روایت کا حصہ بنا دیا ہے اور امام الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا اس بارے میں تعاقب کیا ہے اور اس انتہائی باریک قسم کے نقطہ (اور سہو) کو بیان بھی کر دیا ہے۔ (دیکھیے: الفتوحات:5/140.

روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے مروی بھی ہمیں ملی ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا آغاز فرماتے تو سفر کی تکلیف سے، پریشانی کی حالت میں لوٹنے سے، زیادتی کے بعد نقصان سے، (یعنی کسی چیز کے اضافہ کے بعد کمی سے)، مظلوم کی بددعاء سے اور مال اور اہل میں برے منظر سے (اللہ کی ذات کی) پناہ طلب کرتے تھے۔''[1]

اور سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ، وَ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَ مِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَ الْمَالِ»

''الٰہی! (اس) سفر میں آپ ہی ہمارے ساتھی ہیں اور (پیچھے ہمارے) اہل میں خلیفہ، (یعنی کارساز)۔ الٰہی! میں سفر کی تکلیف سے اور پریشانی کی حالت میں واپس لوٹنے سے اور ایمان سے کفر کی طرف آنے سے (یا فرمانبرداری سے نافرمانی کی طرف پلٹنے سے) اور مظلوم شخص کی بددعاء سے اور اہل و مال میں برائی دیکھنے سے آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔''[2] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

---

① صحيح مسلم، حديث:1343.

② جامع الترمذي، حديث:3435، سنن النسائي، 272/8، سنن ابن ماجه، حديث: 3888 اور یہ حدیث امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ'' میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ حديث: 499، مسند أحمد:83/5.

امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''مذکورہ دعاء میں «الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ» لفظ کے بجائے «الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ» کے الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' دونوں طرح کے الفاظ لانے میں خاص ''وجہ'' کارفرما ہے۔'' وہ کہتے ہیں: ''کہ اس سے مراد'' ایمان کی حالت سے کفر کی طرف لوٹنا'' ہے یا پھر ''فرماں برداری سے نافرمانی کی طرف لوٹنا۔ مطلب یہی ہے کہ کسی اچھی بات سے کسی غلط یا شر کیطرف لوٹنا ان الفاظ سے مراد لیا گیا ہے۔'' یہ کلام امام ترمذی رحمہ اللہ کا ہے۔''

اور کچھ دیگر اہلِ علم رحمہم اللہ حضرات کا کہنا ہے کہ: لفظ «كَوْن» اور «كَوْر» خواہ ''را'' کے ساتھ ہو یا ''نون'' کے ساتھ سب کا مطلب یہی ہے کہ استقامت سے کسی چیز کا زیادتی سے نقص یعنی کمی کی جانب لوٹنا۔''

نیز علماء حضرات یہ بھی کہتے ہیں: ''کہ ''را'' والی روایت «تَكْوِيْرُ الْعِمَامَةِ» سے ماخوذ ہے۔ جس کا مطلب ہے پگڑی کو لپیٹنا اور اکھٹا کرنا اور «نون» والی روایت «الْكَوْن» سے ماخوذ ہے جو فعل كَانَ ، يَكُوْنُ سے مصدر ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کا وجود میں آنا اور (ثابت قدم ہوکر) ٹھہر جانا۔''

میں کہتا ہوں: اور ''نون'' والی روایت، (یعنی الْكَوْن) زیادہ تر وارد ہوئی ہے اور یہی روایت ''صحیح مسلم'' کے اکثر اصولوں میں سے ہے۔ بلکہ ان میں مشہور بھی ہے۔ اور لفظ «الْوَعْثَاء» ''وا'' کی زبر اور ''عین'' کی جزم کے ساتھ لمبا کر کے پڑھا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے: ''شدت، سختی۔''

اور لفظ «الْكَآبَة» ''کاف'' کی زبر اور ''مدّ'' کے ساتھ یعنی لمبا کر کے پڑھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے ''نفس کا غم اور صدمہ کی وجہ سے متغیر ہو جانا۔''

اور لفظ «الْمُنْقَلَب» کا مطلب ہے «الْمَرْجِع» یعنی واپس لوٹنا، واپس پلٹنا۔ وغیرہ۔

## باب جب مسافر کشتی (یا کسی بحری جہاز وغیرہ) پر سوار ہو تو اس وقت کیا پڑھے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ [1]

"(حضرت نوح علیہ السلام نے) کہا: کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں) اس (کشتی) کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، اس میں سوار ہو جاؤ۔" [2]

ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ [3]

"اور (وہ ذات جس نے) تمھارے لیے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری امت کے لوگوں کے لیے غرق ہونے سے بچاؤ کا سبب یہ دعاء ہے اگر وہ (کشتی وغیرہ پر) سوار ہوتے وقت اسے پڑھ لیں «بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ» کہ اس (کشتی) کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام کے ساتھ ہے۔ بے شک میرا پروردگار بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" [4] اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان « وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ » "اور انھوں نے اللہ کی قدر شناسی، جیسی کرنی چاہیے تھی، نہیں کی۔" [5] اسی طرح ہی نسخوں میں صرف «اِذَا رَكِبُوْا» کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں اور ساتھ (السفینۃ) کا لفظ ذکر نہیں ہوا۔" (یعنی جب

---

[1] دونوں میں میم کے فتح یعنی زبر اور ضمہ یعنی پیش کے ساتھ بمعہ "امالہ" اور بغیر "امالہ" کے پڑھا گیا ہے۔ (جیسے مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا) یہ دونوں مصدر ہیں۔ یعنی کسی چیز کا چلنا اور آخری منزل پر جا کر ٹھہرنا۔

[2] هود 41۔ [3] الزخرف 12۔ [4] هود 41۔ [5] الزمر 67۔

بھی کسی بحری سواری پر سوار ہوں)۔[1]

## باب: دورانِ سفر دعاء کے استحباب کے بارے میں

سنن أبي داود، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کی دعائیں ہیں جن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا:

① ایک مظلوم شخص کی بددعاء۔

② اور مسافر کی دعاء۔

③ اور باپ کی بددعاء بیٹے کے خلاف۔[2] (العَیاذُ بِاللّٰهِ)

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ اور سنن أبي داود کی روایت میں «عَلٰی وَلَدِہٖ» کے الفاظ مذکور نہیں۔

## باب: ٹیلوں اور بلند گھاٹیوں پر چڑھتے وقت مسافر کے (اللہ اکبر) کہنے اور وادیوں اور ان جیسی دوسری نشیبی جگہوں میں اترتے وقت (سبحان اللہ) کہنے کے بارے میں۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ

① (ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں ہے حدیث نمبر ۵۰۱ اور اس کی اسناد انتہائی ''ضعیف'' ہے۔ اور امام الشیخ ناصر الدین الألبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں'': بلکہ یہ ''موضوع'' یعنی من گھڑت ہے۔ اس کی سند میں جبارہ بن المغلس راوی جو ''ضعیف'' ہے، یہ راوی یحیٰی بن العلا سے اور وہ مروان بن سالم سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی، روایات کی وضع (یعنی گھڑنے) میں تہمت زدہ ہیں''۔)

② سنن أبي داود، حديث: 1536، جامع الترمذي، حديث: 3442، سنن ابن ماجه، حديث: 3862 اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں حدیث: 32 اور اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے: حدیث: 2406.

(دوران سفر) جب ہم کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہتے اور جب کسی نشیبی جگہ پر اترتے تو «سُبْحَانَ اللّٰهِ» کہتے تھے۔[1]

اور سنن اَبِی داؤد میں اُس صحیح حدیث میں، جسے ہم نے قبل ازیں "باب" جب مسافر اپنی سواری کے جانور پر سوار ہونے لگے تو کیا پڑھے؟ میں بھی ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: "کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر جب کسی بلند ٹیلے (یا گھاٹی وغیرہ) پر چڑھتے تو (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کہتے اور جب کسی نشیبی جگہ پر اترتے تو (سُبْحَانَ اللّٰهِ) کہتے تھے۔"[2]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کی ادائیگی سے واپس لوٹتے ...... حدیث کے راوی کہتے ہیں" مجھے اس کے علاوہ اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا تھا...... "کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ (لڑائی) سے واپس لوٹتے (تو راستے میں) جب بھی کسی گھاٹی یا بلند جگہ پر چڑھتے تو تین مرتبہ (اللہ اکبر) کہتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء فرماتے:

«لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آيِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَ نَصَرَ عَبْدَهُ، وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ»

"اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کے لیے ساری بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ہی تمام اور ہر قسم کی تعریفات ہیں، اور

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 2993، سنن النسائي، حدیث: 542,541 اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث: 517، اور اسے امام احمد رحمہ اللہ، امام الدارمی رحمہ اللہ اور امام الدارقطنی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔

[2] سنن أبی داؤد، حدیث: 2599، نیز یہ حدیث پہلے باب میں بھی گزر چکی ہے۔

وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" ہم تو واپس آنے والے ہیں۔ عبادت بجالانے والے ہیں۔ سجدہ ریز ہوتے ہوئے اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس یکتا ذات نے (کفار کے) گروہوں کو شکست سے دوچار کیا۔"[1]

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ اسی مثل ہیں مگر اس میں یہ الفاظ نہیں "مجھے اس کے علاوہ اور کسی بات کا علم نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا تھا:" کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ (لڑائی) سے واپس لوٹتے" نیز اس میں یہ الفاظ بھی ہیں" کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکروں (کی مڈبھیڑ) سے یا سرایا سے حج یا عمرہ کی ادائیگی سے واپس لوٹتے۔"

اور صحیح بخاری اور "صحیح مسلم" میں ہی حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:" ہم (ایک سفر میں) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو جب ہم کسی وادی پر جا نکلتے (یعنی چڑھتے) تو "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہتے اور (اس کے ساتھ) ہماری آوازیں بلند ہو جاتی تھیں تو اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" اے لوگو! ٹھہر جاؤ (اور توقف اختیار کرو) تم نہ تو کسی بہرے کو پکارتے ہو اور نہ غائب کو، بے شک وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے، بے شک وہ خوب سننے والا اور بہت قریب (ذات) ہے۔[2]

اور اسی طرح" جامع الترمذی" کی وہ حدیث جو اس سے پہلے کے باب" مسافر کا اہل خیر سے اپنے حق میں دعاء کے لیے کہنے کے استحباب کے بارے" میں بھی بیان ہو چکی ہے،

---

① صحيح البخاري، حديث: 6385، صحيح مسلم، حديث: 1344، الموطا: 421/1، سنن أبي داؤد، حديث: 2770، جامع الترمذي، حديث: 950 اور سنن النسائي، حديث: 540.

② صحيح البخاري، حديث: 6384، صحيح مسلم، حديث: 2704، سنن أبي داؤد، حديث: 1528،1527،1526، جامع الترمذي، حديث: 3371 اور امام النسائی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں حديث: 538، سنن ابن ماجه، حديث: 3824.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آدمی کو وصیت ان الفاظ میں) فرمائی: کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ (یعنی اس کا ڈر اور پرہیز گاری) کو لازم پکڑ لے اور ہر اونچی جگہ پر چڑھتے وقت تکبیر یعنی (اَللّٰهُ أَكْبَرُ) کہہ۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی زمین پر (چلتے ہوئے) جب کسی اونچی جگہ پر بلند ہوتے تو فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ ، وَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ»

"الٰہی! آپ کے لیے ہی، ہر بلند مقام پر بزرگی وشرف ہے اور آپ کے لیے ہی ہر حال میں ہر قسم کی تعریفات ہیں۔"[1]

## باب، تکبیر یا اسی قسم کا کوئی اور ذکر کرتے وقت آواز بلند کرنے میں مبالغہ کرنے کی ممانعت کے بارے میں

اس بارے میں گزشتہ باب میں مذکور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ملاحظہ کیجیے۔

## باب، سفر میں تیزی کی خاطر حُدی پڑھنے، نفوس کو ہشاش بشاش اور تر و تازہ رکھنے اور سفر کو اپنے آپ پر آسان کرنے کے استحباب کے بیان میں

اور اس بارے میں بہت ساری اور مشہور احادیث وارد ہوئی ہیں جو احادیث و سنن کی

[1] (ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 523 اور اس کی سند میں عمارہ بن زاذان راوی ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 145/5.

کتابوں میں متعلقہ ابواب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

## باب، دورانِ سفر جب کسی کی سواری کا جانور چھوٹ جائے تو وہ کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی ایک کا (سواری کا) جانور کسی اجاڑ اور ویران جگہ پر چھوٹ جائے تو وہ ان الفاظ کے ساتھ آواز دے:

« يَا عِبَادَ اللهِ! احْبِسوا. يَا عِبَادَ اللهِ! احْبِسوا. فَإِنَّ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِي الأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ ».

"اے اللہ کے بندو! اسے پکڑو، اے اللہ کے بندو! اسے پکڑو۔ پس بے شک اللہ عزّو جل کا (اس کی) زمین پر گھیر لینے والا (فرشتہ) ہوتا ہے، جو اس کو جلدی روک لے گا۔"[1]

میں کہتا ہوں: "کہ علم و فضل میں رسوخ رکھنے والے ہمارے کبار ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے ایک نے مجھ سے حکایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی سواری کا جانور (اچانک) چھوٹ گیا۔ میرا گمان ہے کہ وہ خچر تھا اور وہ اس حدیث کی بابت جانتے تھے تو انھوں نے (اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے) یہی الفاظ کہے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے جانور کو ان کے پاس روک لیا...... اور میں خود ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ تھا تو ان کا چوپایہ ان سے چھوٹ (کے نکل) بھاگا۔ یہاں تک کہ وہ اسے پا لینے میں عاجز آ گئے۔ تو میں نے بھی یہی الفاظ کہے، اس پر وہ جانور اسی وقت بغیر کسی سبب کے ٹھہر گیا......"

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 509 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: "یہ حدیث "غریب" ہے۔ اور اس کی سند میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔"

## باب، جب آدمی کسی بے قابو ہو جانے والے جانور پر سواری کرے تو کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں جلیل القدر السید ابوعبداللہ یونس بن عبید بن دینار البصری التابعی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی جلالت و یادداشت، دیانت وتقویٰ اور پاکدامنی اور علم وعمل میں فضیلت پر اہل علم کا اتفاق ہے، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''جو آدمی بے قابو ہو جانے والے شریر جانور کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس کے کان میں یہ آیت کریمہ پڑھے:

﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ، وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾

''کیا یہ (نافرمان لوگ) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''[1] تو وہ جانور (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ٹھہر جائے گا۔''[2]

## باب، جب مسافر کوئی بستی دیکھے، خواہ اس میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو تو وہ کیا پڑھے؟

سنن النسائی اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے نبی ﷺ جب کبھی کوئی ایسی بستی دیکھتے جس میں آپ ﷺ داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو اس بستی کو دیکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے:

---

[1] آل عمران 83.

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 511 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ خبر مقطوع ہے۔'' اور اس کا راوی ابن دینار المنہال بن عیسیٰ مجہول ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 152/5.





«اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَ مَا اَظْلَلْنَ، وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَ مَا اَقْلَلْنَ، وَ رَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَ مَا أَضْلَلْنَ، وَ رَبَّ الرِّيَاحِ وَ مَا ذَرَیْنَ، أَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَ خَيْرَ أَهْلِهَا وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا، وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ أَهْلِهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا»

''اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے پروردگار اور جس پر وہ سایہ فگن ہیں اور ساتوں زمینوں کے رب اور جو چیز انھوں نے کم کر دی ہے اور شیطانوں کے پروردگار اور جن کو انھوں نے گمراہ کر دیا ہے اور ہواؤں کے پروردگار اور جو چیز انھوں نے اڑا کر بکھیر دی ہے، میں آپ سے اس بستی کی بھلائی، اس کے رہنے والوں کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے سب کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور اس کے شر سے اور اس کے رہنے والوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے، سب کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ایسے مقام پر' جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل ہونے کا قصد کیا ہوتا' پہنچتے تو یہ دعا پڑھا کرتے:

«اللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ وَ خَيْرِ مَا جَمَعْتَ فِيْهَا، وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَمَعْتَ فِيْهَا، اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حَيَاهَا، وَأَعِذْنَا مِنْ وَبَاهَا، وَحَبِّبْنَا إِلَى أَهْلِهَا، وَحَبِّبْ صَالِحِی اَهْلِهَا اِلَيْنَا»

''الٰہی! میں آپ سے اس جگہ کی بھلائی اور جو کچھ آپ نے اس میں اکٹھا کیا ہے

[1] سنن النسائي، حدیث: 544، ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 525، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' قرار دیا ہے اور مزید کہا ہے: ''کہ اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات الرّبانية: 154/5.





ان سب چیزوں کی بھلائی کا آپ سے سوال کرتا ہوں اور اس جگہ کے شر سے اور جو کچھ آپ نے یہاں اکٹھا کیا ہے ان سب چیزوں کے شر سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! ہم کو یہاں کا ''حیاء'' مرحمت فرما اور اس جگہ کی ''وبا'' سے بچائے رکھنا اور ہم کو اس جگہ کے رہنے والوں کے ہاں محبوب بنا دے اور اس کے رہنے والوں میں سے نیکو کار لوگوں کو ہمارا محبوب بنا دے۔''[1]

## باب جب (مسافر) لوگوں سے یا ان کے علاوہ دیگر (دشمن قوم) سے خطرہ محسوس کرے تو اس وقت کیا دعاء کرے؟

سنن أبي داود اور سنن النسائی میں صحیح إسناد کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں وہ روایت ملی ہے جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں: کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے ڈر (یا خطرہ) محسوس کرتے تو یہ دعاء فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ ، وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ»

''اے اللہ! ہم آپ کو ہی ان (دشمنوں) کے مقابلہ پر رکھتے ہیں اور ان کی خباثتوں سے آپ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔''[2]

اور اس کے ساتھ تکلیف اور غم کے موقع پر پڑھی جانے والی دعاء اور دیگر گھبراہٹ کے وقت کی جانے والی وہ دعائیں کرنا بھی مستحب ہیں جو ہم نے پیچھے مذکور دعاء کے ساتھ ذکر کی ہیں۔

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 528 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند میں ''ضعف'' (کمزوری) ہے۔ بعد ازاں الحافظ الموصوف رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تقویت کے لیے چند اور ''طرق'' بھی ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض بعض کو سہارا دیتے ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیة:5/159,158.

② سنن أبي داود، حدیث: 1537 اور امام النسائی رحمہ اللہ نے ''السنن الکبریٰ'' میں ذکر کی ہے۔ نیز یہ روایت اس سے پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔

## باب جب جنوں کے شیاطین اور چھلاوے وغیرہ (ڈرانے کے لیے) مختلف شکلیں اختیار کرنے لگیں تو اس وقت مسافر کیا کچھ کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب چھلاوے (بھتنے وغیرہ ظاہر ہوکر) تم کو (ڈرانے کے لیے) مختلف روپ دھارنا شروع کر دیں تو تم (اس وقت) اذان دینا شروع کر دو۔“①

میں کہتا ہوں ...... اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان کے شر کو ”اذان“ کے ساتھ دفع کرو اس لیے کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو دم دبا کر بھاگ اٹھتا ہے اور اسی مفہوم کی روایات ہم نے اس سے پہلے باب، مثلاً: جب کسی شخص کا شیطان سے سامنا ہو جائے تو وہ کیا کہے“؟ میں بھی ذکر کی ہیں اور کتاب کے شروع میں ان اذکار اور دعاؤں کو بھی، جو اس طرح کے مواقع پر پیش آنے والے امور سے تعلق رکھتے ہیں اور وہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن حکیم کی ان آیات کی تلاوت کرے جو وہاں ذکر کی گئی ہیں۔“

## باب جب کوئی مسافر کسی جگہ پر پڑاؤ ڈالے تو وہ کیا کہے؟

صحیح مسلم، موطا امام مالک رحمہ اللہ اور جامع الترمذی وغیرہ میں حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے سنا ہے: ”جو شخص (دورانِ سفر) کسی جگہ پر اترے، پھر وہ یہ دعاء پڑھے:

«أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 524، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ”اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نکالا ہے اور اس کے راوی ”ثقہ“ ہیں ہاں مگر ”الحسن“ جو حضرت جابر سے روایت کرتا ہے (ایک سند کے اعتبار سے) اس کا ”سماع“ اکثر محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ کیجیے: الفتوحات الربانیۃ 161/5۔

''کہ میں اللہ تعالیٰ کے (پاکیزہ اور) مکمل کلمات کے ساتھ (ہر) اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے'' تو اس جگہ سے رختِ سفر باندھنے تک اسے کوئی چیز بھی تکلیف نہ دے گی۔''[1]

اور سنن أبي داود وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے، پھر رات آجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

«يَا أَرْضُ رَبِّيْ وَ رَبُّكِ اللّٰهُ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَ شَرِّ مَا فِيكِ، وَ شَرِّ مَا خُلِقَ فِيكِ، وَ شَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ؛ أَعُوذُبِكِ مِنْ أَسَدٍ وَ أَسْوَدَ، وَ مِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ، وَ مِنْ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَ مِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ»

'' اے میرے رب کی زمین اور تیرا رب (بھی) اللہ ہے، میں اللہ تعالیٰ کی، تیرے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں ہے اور ہر اس چیز کے شر سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور ہر اس چیز کے شر سے جو تجھ پر رینگتی ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ (اے اللہ) میں آپ کی، شیر سے اور سیاہ مخلوق سے، سانپ سے اور بچھو سے اور اس زمین میں رہنے والے (جنات وغیرہ کے شر) سے اور والد (یعنی ابلیس شیطان) سے اور جو بھی اس نے جنم دیا ہے (یعنی اس کی شیطانی اولاد) سب سے پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''روایت میں «سَاكِنُ الْبَلَدِ» سے مراد وہ جنات ہیں جو اس جگہ سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ''زمین'' حیوانات کا ایک طرح کا رہائشی ٹھکانا ہے۔ خواہ اس میں ظاہری عمارتیں اور مکانات نہ بھی ہوں۔ امام موصوف رحمہ اللہ مزید رقمطراز ہیں: ''کہ دعاء میں (الْوَالِدِ) سے مراد ممکن ہے کہ ابلیس شیطان ہو اور پھر «وَ مَا وَلَدَ»

[1] سنن ابی داؤد:2603، حدیث ضعیف، الموطا:978/2، جامع الترمذي، حدیث:3433۔

سے مراد اس کی شیطانی اولاد ہو گی۔" یہ کلام تو امام الخطابی رحمہ اللہ کا ہے۔ اور دعاء میں «الْاَسْوَدُ» سے مراد "شخص" ہے تو اس طرح ہر شخص کا نام "اسود" رکھا جا سکتا ہے۔"

## باب، جب مسافر اپنے سفر سے واپس پلٹے تو وہ کیا کہے؟

اس بارے میں سنت یہی ہے کہ مسافر وہ ذکر و دعاء کرے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی گزشتہ حدیث باب "جب مسافر کسی بلند ٹیلے پر یا گھاٹی پر چڑھے تو (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کہے" میں ہم نے ذکر کر دی ہے۔"[1] اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ ہم لوگ یعنی میں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھی تھیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر سے واپس آتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی پشت پر پہنچے تو آپ نے فرمایا:

«آئِبُوْنَ، تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ»

"کہ ہم واپس آنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں۔" آپ یہ کلمات برابر ادا فرماتے رہے یہاں تک ہم مدینہ شریف میں داخل ہو گئے۔"[2]

## باب، صبح کی نماز کے بعد مسافر کیا کچھ پڑھے؟

یہ بات جان لیجیے کہ مسافر کے لیے صبح کی نماز کے بعد وہی اَذکار اور دعائیں پڑھنا مستحب ہیں، جو ایک مقیم (یعنی حاضر) شخص صبح کی نماز کے بعد پڑھتا ہے اور ان اَذکار اور دعاؤں کا بیان تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔[3]

---

[1] سنن أبي داود، حدیث:2603 اور امام نسائی رحمہ اللہ کی "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں حدیث:563، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث "حسن" ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوداود رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کی ہے، اور بعد ازاں یہ کہا ہے کہ اس کی "سند" صحیح ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية:164/5.

[2] صحیح مسلم، حدیث:1345.

[3] متعلقہ ابواب میں آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

اور اس کے لیے ساتھ ہی وہ دعاء بھی پڑھنا مستحب ہے جو امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے...... راوی کہتے ہیں: ''مجھے تو یہی معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دورانِ سفر کی نماز میں پڑھا تھا..... تو اپنی آواز کو بلند کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنا (کہ آپ فرما رہے تھے)......

«اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِي الَّذِيْ جَعَلْتَهُ عِصْمَةَ اَمْرِيْ، اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ جَعَلْتَ فِيْهَا مَعَاشِيْ»

''اے اللہ میرے لیے میرے دین کو درست فرما دے، وہ دین جسے آپ نے میرے (ہر) معاملے کے بچاؤ کا سبب بنایا ہے، اے اللہ! میرے لیے میری دنیا کو درست فرما دے، وہ دنیا جس میں آپ نے میرا گزران رکھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دعاء کی: «اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِي الَّتِيْ جَعَلْتَ اِلَيْهَا مَرْجِعِيْ» ''اے اللہ! میرے لیے میری آخرت کو درست فرما دے، وہ آخرت جس کی طرف آپ نے میرا لوٹنا مقدر کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء بھی تین مرتبہ فرمائی: «اَللّٰهُمَّ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سُخْطِكَ ، اَللّٰهُمَّ أَعُوْذُ بِكَ» ''اے اللہ! میں آپ کی ناراضگی سے آپ کی رضا اور خوشنودی کی پناہ پکڑتا ہوں۔ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ بھی تین بار ارشاد فرمائے: «لَا مَانِعَ لِمَآ أَعْطَيْتَ ، وَ لَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (اے اللہ) جو آپ عطاء کریں اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جو چیز آپ روک دیں اسے کوئی عطاء نہیں کر سکتا اور آپ کے عذاب سے کسی دولت مند کو اس کی دولت فائدہ نہیں دے سکتی۔''[1]

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 516 اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کا پہلا حصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے۔ اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: «وَ اجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً ⇐ ⇐

## باب، جب مسافر اپنا شہر دیکھے تو اس وقت کیا پڑھے؟

اس بارے میں مستحب یہ ہے کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور "ذکر" پڑھے جو اس سے پہلے کے باب کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے اور اسی طرح وہ اس دعاء کا بھی اہتمام کرے جو ہم نے پہلے باب" جب مسافر بستی دیکھے تو کیا کہے"؟ کے تحت نقل کی ہے۔ اور مزید اس دعاء کا بھی اضافہ کرے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَ رِزْقًا حَسَنًا»

"اے اللہ ! اس جگہ کو ہمارے لیے آرام وسکون کا گھوارہ بنادے اور ہم کو اچھا رزق (بھی) عطاء فرما۔"[1]

## باب، مسافر اپنے سفر سے واپسی پر اپنے گھر داخل ہوتے وقت کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ اپنے اہل خانہ پر داخل ہوتے وقت یہ الفاظ ادا فرماتے:

«تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا ، لَا یُغَادِرُ حَوْبًا»

"(اے اللہ) ہم آپ سے توبہ کا سوال کرتے ہیں اس حال میں کہ (اپنے گھروں

---

⇐ لِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ، وَ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ» "اور زندگی کو میرے لیے ہر قسم کی بھلائی میں اضافے کا سبب بنا اور موت کو میرے ہر قسم کے شر سے چھٹکارے کا سبب بنا دے۔ اور یہ دعاء عنقریب" جامع دعاؤں کے باب" میں بھی آئے گی۔

[1] امام نووی رحمہ اللہ نے نہ اس حدیث کی تخریج کی ہے اور نہ اس بارے میں کسی محدث کا ذکر کیا ہے، جس نے اسے نکالا ہو۔ اور یہ حدیث" حسن" ہے اسے امام الطبرانی رحمہ اللہ نے" کتاب الدّعآء" میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نکالا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا" شاہد" بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الرّبانیۃ:5/175۔

کی طرف) ہم لوٹ رہے ہیں، ایسی توبہ جو کسی قسم کا کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔"[1]

میں کہتا ہوں: «تَوْبًا، تَوْبًا» یہ اللہ تعالیٰ سے "توبہ" کا سوال ہے اور یہ یا تو «تُبْ عَلَيْنَا» کی تقدیر کی بناء پر منصوب ہے اور یا پھر اس عبارت کی بناء پر «نَسْأَلُكَ» پھر اصل عبارت یوں ہوگی: «نَسْأَلُكَ تَوْبًا تَوْبًا» کہ اے اللہ! ہم آپ سے توبہ مانگتے ہیں۔

اور («أَوْبًا» آب سے ہے جس کا مطلب ہے لوٹنا...... اور «لَا يُغَادِرُ» کا مطلب ہے: جو نہ چھوڑے۔ اور لفظ «حَوْبًا» کا مطلب ہے گناہ اور یہ لفظ "حاء" کے فتحہ (یعنی زبر) اور ضمہ (یعنی پیش) کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

## باب جو شخص سفر سے واپس آئے تو اسے کس دعاء سے نوازا جائے؟

مستحب یہ ہے کہ اسے مخاطب ہو کر یہ کہا جائے: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَلَّمَكَ» کہ تمام تر تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھ کو سلامت رکھا۔" یا یہ الفاظ کہے جائیں: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَمَعَ الشَّمْلَ بِكَ» کہ تمام تر تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے بکھرے ہوئے لوگوں کو آپ سے اکٹھا کر دیا۔" یا اسی طرح کے اور بھی دعائیہ کلمات کہے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: «لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ»[2] اگر تم (میرا) شکر بجالاؤ گے تو میں ضرور تم کو (اپنی نعمتیں) زیادہ دوں گا۔" اور اسی ضمن میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے جو اس کے بعد آنے والے باب میں مذکور ہے۔

---

[1] ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 536 اور یہ حدیث حسن ہے۔ اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی "حسن" قرار دیا ہے۔ اور مزید فرماتے ہیں: "کہ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے"۔

[2] ابراھیم 7۔

## باب جو شخص کسی غزوہ (لڑائی وغیرہ) سے واپس آئے تو اُس کا استقبال کرتے ہوئے کیا کہا جائے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں ایک روایت ملی ہے وہ کہتی ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں شریک ہوئے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (لڑائی سے فارغ ہوکر) واپس تشریف لائے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ کر فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَكَ وَ اَعَزَّكَ وَ اَكْرَمَكَ»

''کہ ہر قسم کی اور تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بخشی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (فتح دے کر) مکرم بنا دیا۔''[1]

## باب جو شخص حج سے واپس آئے تو اسے کس دعاء سے نوازا جائے اور وہ خود کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ایک لڑکا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا: ''میں حج ادا کرنا چاہتا ہوں۔'' اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ چلے اور فرمایا:

«یَا غُلَامُ، زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰی ، وَ وَجَّهَكَ فِی الْخَیْرِ ، وَكَفَاكَ الْهَمَّ»

''اے لڑکے! اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ میں زیادہ کرے۔ اور بھلائی کے کاموں میں تجھے لگا دے اور ہر قسم کے غم واندیشے کی بابت تجھے کافی ہو جائے۔''

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 537، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔

پھر جب یہ لڑکا (حج کے سفر سے) واپس لوٹا تو اس نے اللہ کے نبی ﷺ کو سلام کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«یَا غُلَامُ قَبِلَ اللّٰہُ حَجَّكَ، وَ غَفَرَ ذَنْبَكَ، وَ أَخْلَفَ نَفَقَتَكَ»

''کہ اے لڑکے! اللہ تعالیٰ تیرا حج قبول فرمائے۔ اور تیرا (ہر) گناہ بخش دے اور تیرے اخراجات پورے کر دے۔''[1]

اور سنن البیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ»

''الٰہی حج ادا کرنے والے کو معاف فرما دے اور اس شخص کو بھی جس کے لیے حاجی بخشش طلب کرے۔''[2]

امام الحاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔''

{ }

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 538 اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام الطبرانی رحمہ اللہ کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کے بعد اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

② ''السنن الکبریٰ'' امام البیہقی کی کتاب: 5/361 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حدیث حسن'' ہے۔ اسے امام البزار، امام ابن خزیمہ اور امام الحاکم رحمہم اللہ نے بھی نکالا ہے۔

# کھانے اور پینے کے اَذکار کی کتاب

## باب جب کسی شخص کا کھانا اس کے قریب کیا جائے تو وہ کیا کہے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بارے میں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا جاتا، یہ دعاء فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ، بِسْمِ اللّٰهِ»

''الٰہی! جوکچھ آپ نے ہم کو عطاء فرمایا ہے اس میں ہمارے لیے برکت ڈال دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے اور اللہ کے نام سے (میں کھانا) شروع کرتا ہوں۔''[1]

## باب میزبان کیلئے اپنے مہمانوں کے پاس کھانا حاضر کرتے وقت ''کھاؤ'' یا اس مفہوم کے دیگر الفاظ کہنے کے استحباب کے بارے میں

یہ جان لیجیے کہ میزبان کے لیے اپنے مہمانوں کے پاس کھانا حاضر کرتے وقت یہ کہنا «بِسْمِ اللّٰهِ» کہ اللہ کے نام سے کھانا شروع کرو یا کھانا شروع کریں یا اسی قبیل کے دیگر الفاظ

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَة) حدیث: 459 اور یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ابن ابی الزُّعَيْزِعَة راوی ہے جو ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیة 178/5.

ادا کرنا جو کھانا شروع کرنے کی اجازت مرحمت کرتے ہوں' مستحب ہے، اور اس قسم کے الفاظ کہنا واجب نہیں بلکہ مہمانوں کے پاس کھانا حاضر کر دینا ہی کافی ہے۔ اور اسی طرح مہمانوں کے لیے بھی بغیر کسی لفظی شرط لگانے کے کھانا شروع کر دینا جائز ہے۔ ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ اجازت دینے کے لیے الفاظ کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور درست بات پہلی ہے۔ بنا بریں صحیح احادیث میں اس بارے میں اجازت کے الفاظ کا جو ذکر ہوا ہے، وہ استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ (مطلب یہ کہ اگر کھانے کی اجازت الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ دی جائے تو بہتر ہے)۔

## باب، کھانے اور پینے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا:'' (کھانا کھاتے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھانا کھایا کرو۔''[1]

اور سنن أبي داود اور سنن ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: '' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:'' جب تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے تو شروع میں اسے اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔ تو اگر وہ (کھانے کے) آغاز میں اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا بھول جائے تو پھر وہ (اسی وقت ہی) یہ الفاظ کہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ»

① صحيح البخاري، حديث: 5376، صحيح مسلم، حديث: 2022، المؤطا: 934/2، سنن أبي داود، حديث: 3777، جامع الترمذي، حديث: 1858، سنن ابن ماجه، حديث: 3267، سنن النسائي، حديث: 278 اور اس روایت کے پورے الفاظ یہ ہیں: ''اور اپنے آگے سے کھاؤ۔''

''کہ میں اس کھانے کا آغاز اور اختتام اللہ کے نام سے ہی کرتا ہوں۔''[1] امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ داخل ہوتے وقت اور کھانا تناول کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان (اپنے کارندوں اور چیلوں سے) کہتا ہے: ''کہ نہ تمھارے لیے یہاں رات بسر کرنے میں کوئی فائدہ ہے اور نہ عشاء کے کھانے کا۔'' اور آدمی گھر داخل ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان (اپنے چیلوں، چانٹوں کو) کہتا ہے: ''کہ تم نے (اب) رات کا فائدہ پالیا۔ اور جب آدمی کھانا کھاتے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے: ''کہ (اب) تم نے رات اور عشاء کے کھانے کا فائدہ پالیا ہے۔ (مطلب یہ کہ رات یہیں بسر کرو اور اپنا تسلط خوب قائم کرو)[2] (العِیَاذُ بِاللّٰہِ)

اور صحیح مسلم میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک واضح معجزے پر مشتمل ہے، ہمیں ملی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کھانے کے لیے دعوت دی، تو راوی کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ مجھے دس (مزید) صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے پر بلانے کی اجازت دیجیے۔'' تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔ تو یہ سب لوگ (وہاں کھانے کی جگہ پر) آئے۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لو۔'' اس پر ان سب نے کھایا۔'' یہاں تک کہ اسی (80) آدمیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حسن سلوک فرمایا۔ (یعنی اسی آدمیوں

---

[1] سنن أبي داؤد، حدیث:3767، جامع الترمذي، حدیث: 1859 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے: ''کہ اسے امام ابوداود رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، حدیث:281۔

[2] صحیح مسلم، حدیث: 2018، سنن أبي داؤد، حدیث:3765،

نے یہ دعوت کھائی)[1]

اور صحیح مسلم ہی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ جب بھی ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کسی کھانے کی دعوت میں حاضر ہوتے تو اللہ کے رسول ﷺ سے پہلے ہم کھانے پر ہاتھ نہ ڈالتے تھے، تو آپ ﷺ کھانا شروع کرتے اور ہم ایک مرتبہ آپ ﷺ کی رفاقت میں کھانے پر حاضر ہوئے تو اچانک ایک لڑکی (لونڈی) آگئی گویا کہ وہ (کھانے سے) روک رہی تھی، پھر وہ کھانے کی طرف چلی تا کہ اس پر اپنا ہاتھ ڈالے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک اعرابی (بدو) آگیا۔ گویا کہ وہ بھی (کھانے سے) روک رہا تھا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''بے شک شیطان کھانے کو (اپنے لیے خاص) حلال کرتا ہے تا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہونے پائے اور وہ (شیطان) اس صورت (لونڈی) کو لے کر آیا تا کہ وہ اس کے ذریعے اس کھانے کو (اپنے لیے) حلال کرلے، تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر وہ اس بدو کو لے کر آگیا تا کہ اس کے ذریعے وہ اس کھانے پر قبضہ جمالے تو میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک اس (شیطان) کا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھ کے ساتھ میرے قبضے میں ہے، پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔''[2]

اور سنن أبي داؤد اور سنن النسائی میں حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ (ایک مرتبہ) تشریف فرما تھے اور ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا۔ اس آدمی نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا، یہاں تک کہ اس کے کھانے میں صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا تو جب اس نے اس لقمے کو اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو کہا: «بِسْمِ اللّٰهِ

---

[1] صحیح مسلم، حدیث:2040۔

[2] صحیح مسلم، حدیث: 2017، سنن أبی داؤد، حدیث: 3766، سنن النسائي، حدیث:273، ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:460، امام الحاکم رحمہ اللہ کی المستدرک:4/108۔

أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ» کہ اللہ کے نام کے ساتھ میں اس کھانے کا آغاز اور اختتام کرتا ہوں۔'' اس پر اللہ کے نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''شیطان مسلسل اس آدمی کے ساتھ لگ کر کھانا کھاتا رہا، پھر جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو جو کچھ اس کے بطن (پیٹ) میں تھا اسے قے کر دیا۔''[1] لفظ مخشی میم کی زبر، ''خاء'' کی جزم، شین کی زیر اور ''یاء'' کی شد کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات پر محمول کی جائے گی کہ اللہ کے نبی ﷺ کو اس شخص کے ''ترکِ تسمیہ'' کی بابت آخر میں معلوم ہوا، اگر آپ ﷺ اس حقیقت کو شروع میں جان لیتے تو میں کہتا ہوں: ''آپ اس تسمیہ کے سلسلے میں کبھی خاموشی نہ اختیار فرماتے۔ (مطلب یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کا نام لینے پر ضرور ابھارتے)۔

اور جامع الترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں:

''کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے چھ 6 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی (بدو) آیا تو اس نے (بغیر اللہ کا نام لیے) دو لقمے نگل لیے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اگر یہ شخص ''تسمیہ'' یعنی اللہ کا نام لے لیتا تو آپ سب کے لیے بھی کافی ہوتا۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''[2]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اپنے کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو جب وہ فارغ ہو جائے تو سورۂ اخلاص یعنی «قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ..... آخر تک» پڑھے۔''[3]

---

① سنن أبي داؤد، حديث: 3768، سنن النسائي، حديث: 282، مسند أحمد: 336/4، المستدرك: 108/4، نیز امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام الذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کا اقرار کیا ہے۔

② جامع الترمذي، حديث: 1859 اور یہ حدیث اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

③ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 462، ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی اصل اسی طرح ہے۔'' اور اس کی تخریج کرنے والا واضح نہیں ہوا۔ اور یہ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ اور اس کو روایت کرنے میں ''حمزہ النصیبی راوی ''منفرد'' ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ شخص راویوں میں اہل علم رحمہم اللہ کے نزدیک وضاع، (یعنی روایات گھڑنے والا) ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 192/5.




میں کہتا ہوں: اہل علم ﷭ کا اس بات پر اجماع (اتفاق) ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت تسمیہ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب (مسنون عمل) ہے۔ تو اگر کوئی شخص جان بوجھ کر (یا بھول کر) یا طبیعت کی گرانی کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے بے بس ہوتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ کہنا چھوڑ دے، پھر کھانے کے دوران اس کے لیے ''اللہ کا نام'' لینا ممکن ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ گزشتہ ذکر کی گئی حدیث کی بناء پر "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ" کہے، جیسا کہ حدیثِ رسول ﷺ میں وارد ہوا ہے۔ اسی طرح پانی، دودھ، شہد، شوربہ اور دیگر تمام اقسام کے مشروبات پینے سے قبل تسمیہ کا حکم بھی کھانے کی تمام انواع سے پہلے تسمیہ کی طرح کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ہمارے ائمہ کرام ﷭ میں سے اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم ﷭ کہتے ہیں: ''اور مستحب یہ ہے کہ تسمیہ اونچی آواز میں کہا جائے اس لیے کہ اس میں ایک تو دوسرے شخص کے لیے تنبیہ ہے اور دوسرے یہ کہ لوگ اس سنت طریقہ کو بخوبی اپنا سکیں۔'' (اور اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے)۔

[**فصل**]: اور اس بحث سے متعلق سب سے اہم بات جس کے بارے میں جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ ''تسمیہ'' سے کیا مراد ہے اور کس حد تک اس کا پڑھنا کفایت کرتا ہے۔ تو اس سلسلے میں جان لیجیے کہ افضل "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہنا ہی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف "بِسْمِ اللّٰهِ" کے الفاظ کہہ دے تو اسے یہ کافی ہوگا اور سنت پر عمل بھی ہو جائے گا اور یہ حکم خواہ کوئی جنبی اور حائضہ ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور سب کے لیے یکساں ہے اور اسی طرح کھانے والے ہر شخص کو انفرادی طور پر ''اللہ کا نام'' لینا چاہیے لیکن اگر کوئی ایک شخص بھی کہہ دے تو باقی تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا۔ اس بات پر امام شافعی ؒ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اور یہی بات میں نے اہل علم ﷭ کی ایک جماعت سے ''کتاب الطبقات'' میں امام شافعی ؒ کے ترجمہ کے ضمن میں ذکر کی ہے۔ نیز یہ حکم (شریعت میں) سلام کا جواب لوٹانے اور چھینک مارنے والے کا جواب دینے کا سا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں پوری جماعت میں سے کسی ایک کا قول بھی کفایت کر جائے گا۔

## باب کھانے اور پینے کی اشیاء میں عیب نہ نکالنے کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہت رکھتے تو تناول فرما لیتے اور اگر ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے۔''[1] اور صحیح مسلم کی ایک روایت یہ الفاظ ہیں:

''اگر آپ کھانے کی چاہت نہ رکھتے ہوتے تو سکوت (خاموشی اختیار) فرماتے۔''

اور سنن أبي داود، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت هُلب الصحابی رضی اللہ عنہ[2] سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کھانوں میں سے ایک قسم کا کھانا ہے جس سے میں حرج، (یعنی تنگی) محسوس کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ بِهِ النَّصْرَانِيَّةَ»

''اس بارے میں کبھی کوئی چیز تیرے دل میں شک پیدا نہ کرے کہ جس کی بناء پر

---

① صحيح البخاري، حديث: 5409، صحيح مسلم، حديث: 2064، سنن أبي داؤد، حديث: 3764، جامع الترمذي، حديث: 3032.

② هُلْبٌ نام کو مصنف رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں ضبط کیا ہے، یہ مذکورہ صحابی رضی اللہ عنہ هلب الطائی ہیں یا پھر ''قبیصۃ'' ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زید بن قنافہ ہیں۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''کہ یہ زید بن عدی بن قنافہ بن عدی بن عبد شمس بن عدی بن اخزم ہیں۔ یہ صاحب اور عدی بن اخزم الطائی ''عدی بن أخزم'' پر جا کر جمع ہو جاتے ہیں اور انھیں ''الهلب رضی اللہ عنہ'' کا نام اس لیے دیا گیا تھا کیونکہ وہ سر سے گنجے تھے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تو ان کے سر کے بال نکل آئے۔ یہ کوفی ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ نے احادیث روایت کی ہیں جن میں ایک حدیث زیر باب بھی (مذکور) ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/197.





تو نصاریٰ، (یعنی عیسائیوں) جیسا ہو جائے۔"[1]

میں کہتا ہوں: لفظ "هُلْب" "ہاء" کی پیش "لام" کی جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان «يَتَحَلَّجَنَّ» حاء" یعنی بغیر نقطہ کے "لام" سے پہلے اور "لام" کے بعد جیم کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اسی طرح ہی امام الهروی رحمہ اللہ، امام الخطابی رحمہ اللہ اور جمہور ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ضبط کیا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے بھی اپنے شنیدہ اصول سنن ابی داؤد وغیرہ میں "حاء" بغیر نقطہ کے ضبط کیا ہے۔ اور ابو السادات امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے بھی بغیر نقطہ کے ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد کہتے ہیں" کہ یہ لفظ "خاء" یعنی نقطے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہے۔"

امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں:" (لَا يَتَحَلَّجَنَّ) کا مطلب یہ ہے کہ "اس بارے میں تمہارے دل میں کوئی شک واقع نہ ہو۔" نیز یہ بھی کہا ہے:" کہ اس کی اصل «الْحَلْج» ہے جس کا مطلب حرکت و اضطراب ہے اور اسی سے «حَلَجَ الْقُطْنَ» کہ اس شخص نے روئی دھن کر اس سے بنولے نکالے۔" اور مزید کہتے ہیں: «ضَارَعَتَ النَّصْرَانِيَّةَ» کا مطلب یہ ہے کہ تجھ کو" عیسائیت کی مشابہت کے قریب کر دے۔" اس لیے کہ اَلْمُضَارَعَةُ کسی کی مشابہت کے قریب ہو جانے کو کہا جاتا ہے۔"

## باب، کسی شخص کے لیے ضرورت کی بناء پر، مجھے اس کھانے کی چاہت نہیں یا "میں یہ کھانا کھانے کا عادی نہیں" یا اسی مفہوم کی کوئی اور بات کہنے کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے مروی "گوہ" والی حدیث ہمیں ملی ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے بھون کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 3784، جامع الترمذي، حديث: 1565، سنن ابن ماجه، حديث: 2830. وهو حديث "حسن".

پیش کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی جانب اشارہ کیا، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ وہ گوہ ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھا لیا، (یعنی رک گئے)۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول کیا ''گوہ'' حرام ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں مگر وہ میری قوم کی زمین پر نہیں پائی جاتی تو میں اپنے آپ کو اس حال میں پاتا ہوں کہ اسے ''کراہت'' (ناپسندیدگی) کی بناء پر چھوڑ دوں۔[1]

## باب کھانے والے شخص کے لیے، کھانے کی تعریف کرنے کے بارے میں

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے گھر والوں سے ''سالن'' کے بارے میں دریافت فرمایا، تو انھوں نے کہا: ''ہمارے پاس ''سرکہ'' کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے وہ ''سرکہ'' منگوا لیا اور اس سے کھانے لگے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''سرکہ کا سالن اچھا ہے، کیا خوب ہے ''سرکے'' کا سالن۔''[2]

## باب جس شخص کو روزے کی حالت میں کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزہ افطار نہ کرے تو وہ کیا کرے؟

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ایک کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ (دعوت) قبول کرلے، پھر اگر وہ روزے سے ہو تو نماز پڑھے، (یعنی دعاء وغیرہ

---

① صحيح البخاري، حديث:5391، صحيح مسلم، حديث: 1945، المؤطا:978/2، سنن أبي داود، حديث:3793، حديث:3794، سنن النسائي:199،198/7.

② صحيح مسلم، حديث: 2052، سنن أبي داود، حديث:3830، جامع الترمذي، حديث1843،1840، سنن النسائي:14/7.





کرتا رہے) اور اگر وہ "مفطر" یعنی بغیر روزے کے ہو تو وہ (دعوت کا) کھانا کھا لے۔"[1]

اہل علم ﷭! کہتے ہیں کہ حدیث میں "نماز پڑھنے" سے مراد: دعاء کرنا ہے۔

اور امام ابن السنی ﷫ وغیرہ کی کتاب میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر (کھانے پر بلایا جانے والا) شخص روزے سے نہ ہو تو وہ کھانا کھا لے اور اگر وہ روزے سے ہو تو وہ اپنے لیے برکت کی دعاء کرے۔"[2]

## باب جو شخص کھانے پر بلایا جائے اور اس کے پیچھے کوئی اور شخص بھی (بن بلائے) چلا آئے تو وہ، (یعنی اصل مہمان) کیا کہے؟

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو مسعود انصاری ﷜ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ ایک آدمی نے اللہ کے نبی ﷺ کو کھانے کی دعوت دی، جسے اس نے پانچ آدمیوں میں پانچویں آپ ﷺ کے لیے تیار کیا تھا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی (بن بلائے) آ گیا، تو جب وہ آدمی (اصل مہمانوں کا پیچھا کرتے ہوئے) دروازے پر پہنچ گیا آپ ﷺ نے (میزبان سے) فرمایا: "بے شک یہ شخص ہمارے پیچھے آیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو اور اگر چاہو تو یہ واپس چلا جاتا ہے۔ تو اس پر اس (میزبان) نے کہا: بلکہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں اسے (کھانے کی) اجازت دیتا ہوں۔"[3]

---

[1] صحيح مسلم، حديث:1431,1432، سنن أبي داؤد، حديث:3742، جامع الترمذي، حديث:781.

[2] امام ابن السنی ﷫ کی کتاب حدیث:410، سنن النسائی نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ" میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ سے حدیث:300 اور اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

[3] صحيح البخاري، حديث:5434، صحيح مسلم، حديث:2036، جامع الترمذي، حديث:1099.




## باب، جو شخص اچھے انداز سے کھانا نہ کھائے تو اسے نصیحت کرنے اور ادب سکھانے کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن أبي سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میں اللہ کے رسول ﷺ کی گود مبارک میں بچہ تھا، (یعنی آپ ﷺ کے زیر تربیت تھا) تو (کھانا کھاتے وقت) میرا ہاتھ پوری پلیٹ (کے چاروں کناروں) میں حرکت کر رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”اے بچے! اللہ تعالیٰ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے آگے سے کھاؤ، اور ”صحیح“ کی ایک روایت میں یہ مذکور ہے۔ عمر بن أبي سلمۃ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کھانا کھایا، تو میں نے اس دوران پلیٹ کے کناروں سے کھانا شروع کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اپنے ساتھ یعنی آگے سے کھاؤ۔“[1]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جبلہ بن سحیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”ہم کو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے دور میں قحط سالی نے آلیا، تو ہم کو (اللہ کی رحمت سے) رزق ملا، (ایک مرتبہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کھانا کھا رہے تھے اور وہ یوں فرما رہے تھے: ”کہ ایک ہی لقمے میں (یکبارگی) دو دو کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے (اس طرح سے) لقمے ملا کر کھانے سے روکا ہے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہاں اگر آدمی اپنے (ساتھ بیٹھ کر کھانے والے) بھائی سے اجازت مانگ لے، (پھر کوئی حرج نہیں)[2]

---

① صحیح البخاري، حدیث:5376، صحیح مسلم، حدیث:2022، یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

② صحیح البخاري، حدیث: 2455، صحیح مسلم، حدیث:2045، سنن أبي داؤد، حدیث:3834، جامع الترمذي، حدیث:1815.

اور صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھ) کر اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔"[1] اس نے کہا: "میں نہیں کھا سکتا۔" (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو (دائیں ہاتھ سے) کھانے کی طاقت نہ رکھے!"[2] اسے میرا حکم بجا لانے میں سوائے کبر ونخوت[3] کے اور کسی چیز نے نہیں روکا، تو پھر وہ (کھانے کے لقمے کو) اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔[4]

میں کہتا ہوں: "یہ آدمی بُسر بن راعی العَیر تھا اور یہ صحابی ہے، اس کے حالات میں نے وضاحت سے بیان کیے ہیں اور صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔.....اور اصل حقیقت اللہ بہتر جانتے ہیں۔

## باب، کھانے پر (اچھی) گفتگو کرنے کے استحباب کے بیان میں

اس باب کے تحت ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی موجود ہے جو ہم نے قبل

---

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کھانے پینے میں بھی "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اور اہل علم رحمہم اللہ کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا یہاں "حکم" وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے؟ اور اگر استحباب کے لیے بھی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے حق میں بددعا کرنا، اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی جان بوجھ کر مخالفت کرنے کی بنا پر تھا۔"

② یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر کسی معقول وجہ اور شرعی عذر، کے "شرعی حکم" کے مخالف شخص کے حق میں بددعاء کرنا جائز ہے۔

③ اسے صرف تکبر نے (ایسا کرنے سے) روکا ہے۔ القاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بات اس شخص کے منافق ہونے پر دلالت کرتی ہے اور مصنف (امام موصوف رحمہ اللہ) نے ان کا یہ کہہ کر تعاقب کیا ہے "کہ محض تکبر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت، منافقت اور کفر کا تقاضا نہیں کرتی بلکہ وہ نافرمانی ہے اگر کسی واجب حکم شرعی کو نہ مانا جائے۔ اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے ممانعت اس وقت ہے جب کوئی بغیر کسی وجہ یا عذر کے کھائے۔ لیکن اگر کوئی بیماری یا زخم کا کوئی عذر ہو تو بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے میں کوئی ممانعت نہیں ہے" اس حکم میں وہ شخص بھی آتا ہے جو پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ سے کھاتا یا اُٹھاتا ہو۔ مگر اسے اپنا دایاں ہاتھ استعمال کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے! (مترجم)

④ صحیح مسلم، حدیث:2021۔




ازیں کھانے کی مدح کے بارے میں بیان کر دی ہے۔

امام ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الإحیاء'' میں رقمطراز ہیں'' کہ کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ کھانے کے دوران اچھی گفتگو کریں اور (خاص طور پر) کھانوں کے مواقع پر اور دیگر اوقات میں بھی نیکو کار لوگوں کی حکایات کا تذکرہ کریں۔

## باب جو شخص کھانا کھائے اور سیر نہ ہو سکے تو اسے کیا کہنا اور کرنا چاہیے؟

سنن أبی داود اور سنن ابن ماجہ میں حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک ہم کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہو پاتے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شاید کہ تم لوگ بکھر گئے ہو۔'' انھوں نے کہا: ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو پھر اپنے کھانے (کے دستر خوان) پر اکٹھے ہو جایا کرو، اور اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو! وہ تمہارے لیے اس کھانے میں برکت ڈال دے گا۔'' [1]

## باب، جب کوئی آدمی کسی آفت زدہ شخص کے ساتھ کھانا کھائے تو کیا کہے؟

سنن أبی داود، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم، (یعنی کوڑھی شخص) کا ہاتھ پکڑا! اور اسے اپنے ساتھ کھانے کے برتن میں رکھا، پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اللہ

[1] سنن أبی داؤد، حدیث: 3764، سنن ابن ماجہ، حدیث: 3286، یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے اپنے شواہد کے ساتھ ''حسن'' قرار دیا ہے۔ اور اسے امام احمد رحمہ اللہ، امام ابوداؤد، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی نکالا ہے۔

تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہو اور اسی پر توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔''[1]

## باب جب مہمان کھانے سے ہاتھ روک لے تو میزبان کا اس کو مزید کھانے کیلئے اصرار کرنے کے استحباب کے بارے میں، جب اس کے لیے یہ بات واضح نہ ہو کہ مہمان نے بقدر ضرورت کھا لیا ہے اور اسی طرح مشروبات، خوشبو اور دیگر چیزوں میں بھی......

یہ جان لیجیے کہ ایسا عمل مستحب (مسنون) ہے، یہاں تک کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی اور دیگر اہلِ خانہ میں سے کسی فرد کو یہ بات کہنا بھی مستحب ہے، جب اس کا یہ خیال ہو کہ انھوں نے باوجود کھانے کی مزید ضرورت ہونے کے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے، خواہ کھانا کم مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔'' اور اس بارے میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

جو ہم کو: صحیح بخاری میں حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں ملی ہے اور جو کہ اللہ کے رسول کے ظاہری معجزات پر مبنی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک شدت اختیار کر گئی اور آپ رضی اللہ عنہ راستے پر بیٹھ گئے اور (اپنی بھوک کا تاثر دینے کے لیے) ہر گزرنے والے سے قرآن پڑھنے کی خواہش کرتے تاکہ وہ اسے اپنا مہمان بنا لے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''اہل صفہ'' کی طرف بھیجا تو وہ ان کو لے کر آئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دودھ کے پیالے سے (پلا کر) سیراب کر دیا...... اور (پوری) حدیث کو ذکر کیا...... یہاں تک کہتے ہیں: کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 3925، جامع الترمذي، حديث: 1818، سنن ابن ماجه، حديث: 3542، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ اور اسے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے، جبکہ یہ بات محل نظر ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''غریب'' ہے، اسے ہم صرف مفضل بن فضالہ راوی کے طریق سے ہی جانتے ہیں اور یہ راوی ضعیف ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/216۔

''کہ میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ نے سچ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور پیو! تو میں بیٹھ گیا اور (دودھ) پی لیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اور) پیو، تو میں نے پی لیا، تو آپ ﷺ لگا تار فرماتے رہے: (مزید) پیو، یہاں تک کہ میں نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب میں پینے کے لیے کوئی راہ نہیں پاتا۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دکھایئے۔'' تو میں نے (دودھ کا) برتن آپ ﷺ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور باقی دودھ نوش فرمایا۔''

## باب، جب آدمی کھانے سے فارغ ہو جائے تو کیا کچھ پڑھے؟

صحیح بخاری میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ بے شک اللہ کے نبی ﷺ جب اپنے دسترخوان کو اٹھاتے، (یعنی کھانے سے فارغ ہوتے) تو یہ دعا پڑھتے تھے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا، مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَ لَا مُوَدَّعٍ وَ لَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا»①

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بہت زیادہ، پاکیزہ اور اس میں برکت ڈالی گئی ہے نہ (یہ کھانا) کفایت کیا گیا (کہ مزید کی ضرورت نہ رہے) اور نہ اسے وداع کیا گیا اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، اے ہمارے رب۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: جب آپ ﷺ اپنے کھانے سے فارغ ہوتے''
......اور کبھی یہ کہتے ہیں: ''کہ جب آپ ﷺ اپنے دسترخوان کو اٹھاتے تو فرماتے:
«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانَا وَ أَرْوَانَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَ لَا مَكْفُوْرٍ»②

''کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہم کو (کھانے کے بارے میں)

① صحيح البخاري، حديث: 6452.

② صحيح البخاري، حديث: 5458، سنن أبي داؤد، حديث: 3849، جامع الترمذي، حديث: 3452، سنن النسائي، حديث: 284.

کافی ہوا اور ہم کو اس انداز سے سیراب کیا جو نہ تو ہم کو اس کی ذات سے بے پروا کرتا ہے اور نہ اپنی عطاء کردہ نعمتوں کی ناشکری کا موجب ہوتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: لفظ «مَكْفِيّ» میم کی زبر اور ''ی'' کی شد کے ساتھ پڑھا گیا ہے، یہ روایت صحت و فصاحت کا عمدہ امتزاج ہے اور اسے زیادہ تر راویوں نے ہمزہ کے ساتھ «مَكْفِيء» بغیر شد کے روایت کیا ہے، جو کہ عربی لغت کے اعتبار سے فاسد ہے۔ خواہ یہ لفظ «الْكِفَايَة» سے مشتق ہو، یا «كَفَأْتُ الْإِنَاءَ» سے، جس طرح لفظ «الْقِرَاءَة» سے (مشتق) «مَقْرُوْءٌ» میں «مَقْرِيء» نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی لفظ «مَرْمِيٌّ» میں «مَرْمِيء» ہمزہ کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔

''مطالع الأنوار'' کے مصنف اس حدیث کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں: ''حدیث میں مذکوران تمام الفاظ سے مراد ''کھانا'' ہے اور ضمیر اس طرف ہی لوٹتی ہے۔

الحربي رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ «الْمَكْفِيّ» سے مراد وہ برتن ہے جو ضرورت باقی نہ رہنے کی بنا پر الٹا دیا جائے، تو مطلب یہ ہوا کہ اس ذات نے اس طرح کا ہمیں کھلایا اور پلایا کہ ہمیں اپنی ذات سے بے پروا نہ کیا۔ (بلکہ اپنی ذات کی طرف ہماری ضرورت و احتیاج کو باقی رکھا)...... اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ «غَيْرَ مَكْفُوْرٍ» کا مطلب یہ ہے ''کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کا انکار بھی نہ ہوا بلکہ ان کے بدلے میں شکر گزاری، انعام و اکرام کا واضح اعتراف اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف و ثناء) کرنے کی توفیق ملی۔''

امام الخطابي رحمہ اللہ مذکور حدیث کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''کہ اس دعاء میں موجود تمام الفاظ سے مراد، ذات باری تعالیٰ ہے، اور سب کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کی جانب لوٹتی ہے۔ تو اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''غَيْرَ مَكْفِيّ'' کا مطلب یہ ہوگا ''کہ بے شک وہ ذات (دوسروں کو) کھلاتی ہے اسے نہیں کھلایا جاتا۔ تو گویا اس طرح یہ لفظ ''الْكِفَايَة'' سے (مشتق) ہوگا۔ نیز اس حدیث کی تفسیر میں ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ مطلب یہ کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بارے میں کسی بھی معاون و مددگار ساتھی سے بے

نیاز و بے پروا ہے۔'' امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول (لَا مُوَدَّعٍ) کا مفہوم یہ ہے کہ جس ذات سے نہ کبھی ضرورت ختم ہو اور نہ اس سے بے رخی برتی جا سکے، اور یہ جملہ اپنے بعد والے الفاظ «وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ» کے معنی میں ہے۔'' اور آخر میں «رَبَّنَا» کی ''باء'' پر نصب اس حالت میں اس کے اختصاص، یا مدح یا نداء کی وجہ سے ہے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا رَبَّنَا اسْمَعْ حَمْدَنَا وَ دُعَاءَ نَا» کہ اے ہمارے رب! ہماری تعریف اور دعاء کو سن لے۔'' اور جس نے «رَبُّنَا» «باء» کی رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا ہے تو اس نے اسے باقی جملے سے کاٹ کر جملہ کی ''خبر'' بنایا ہے۔ اور «الأصيلي» نے بھی اسے اسی طرح مقید کیا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہتے ہیں: «ذٰلِكَ رَبُّنَا» یعنی آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ اور اس دعاء میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» میں اسم سے ''بدل'' کی بناء پر «رَبِّنَا» «باء» کے نیچے کسرہ، یعنی زیر پڑھنا بھی درست ہے۔

اور ابوالسعادات امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے کتاب «نهاية في غريب الحديث» میں اسی طرح کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: ''کہ جس نے «رَبُّنَا» کو رفع دیا ہے تو یہ مبتداء موخر کی بناء پر ہے، پھر اصل عبارت یوں ہوگی: «رَبُّنَا غَيْرُ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ» تو اس طرح سے لفظ «غَيْرُ» پر بھی رفع دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں: ''کہ جائز ہے کہ کلام کا مرجع «اَلْحَمْدُ» ہو۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «حَمْدًا كَثِيْرًا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَ لَا مُوَدَّعٍ وَ لَا مُسْتَغْنًى عَنْ هٰذَا الْحَمْدِ» کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے تمام تعریفات ہیں اتنی زیادہ تعریف جو (اپنی کثرت کی بناء پر) اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے پروا نہ کر دے اور نہ اللہ تعالیٰ سے (ہماری) احتیاج ختم کر دے اور نہ ان تمام تر تعریفات سے ہمیں بے نیاز کر دے۔ نیز امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان «لَا مُوَدَّعٍ» کا مطلب یہ ہے:'' اور نہ اطاعتِ الٰہی ترک کرنے کا سبب ہو۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ ''مُوَدَّعٍ'' ''اَلْوَدَاعِ'' سے مشتق ہے۔...... اور اصل حقیقت اللہ خوب جانتا ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ

کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ (اپنے) اس بندے سے راضی ہوتا ہے، جو ایک لقمہ کھاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) کرتا ہے اور (اسی طرح) ایک گھونٹ پیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد (تعریف) کرتا ہے۔“ ①

اور سنن أبي داود اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی دو کتابوں ”الجامع“ اور ”الشمائل“ میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے کہ:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ»

”کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور ہم کو مسلمان بنایا۔“ ②

اور سنن أبي داود اور سنن النسائی میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابو ایوب خالد بن زید الأنصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کوئی چیز کھاتے یا پیتے تو فرماتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَ وَ سَقٰى، وَ سَوَّغَهُ وَ جَعَلَ لَهُ مَخْرَجًا»

”تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور اسے (ہضم ہونے میں آسان اور) خوشگوار بنایا اور اس کے لیے (ہمارے بدن سے) نکلنے کی راہ بنائی۔“ ③

---

① صحيح مسلم، حديث: 2734 اور اس کے الفاظ یہ ہیں: «أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ..... أَوْ يَشْرَبَ» جامع الترمذي، حديث: 1817.

② سنن أبي داود، حديث: 3850، جامع الترمذي، حديث: 3453، سنن ابن ماجه، حديث: 3283 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ قرار دیا ہے۔ اور اس محدث کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس سے امام احمد رحمہ اللہ، امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام نسائی نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں اسے نکالا ہے۔ حديث: 289 اور مسند أحمد 98,32/3 میں ہے۔

③ سنن أبي داود، حديث: 3851، سنن النسائي، حديث: 285، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام ابو یعلی رحمہ اللہ، امام ابن حبان اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے ”الدعاء“ میں نکالا ہے۔

اور سنن اَبِي داؤد، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کھانا کھا کر یہ دعاء پڑھے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ»

''تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ میں نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت نہ ہوتے ہوئے بھی یہ رزق مجھے عطاء فرمایا۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ جب آدمی کھانے سے فارغ ہو جائے تو اس پر ''حمد'' یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے کے باب کے تحت حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابوسعید، حضرت عائشہ، حضرت ابوایوب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی روایات بھی ذکر ہوئی ہیں۔''

اور سنن النسائی اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں، حسن اِسناد کے ساتھ، حضرت عبدالرحمٰن بن جُبیر التابعی رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھیں اس آدمی نے حدیث بیان کی، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ سال تک خدمت کی تھی، کہ جب وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو «بِسْمِ اللّٰهِ» یعنی ''اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں'' کہتے سنتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعاء فرمایا کرتے:

«اَللّٰهُمَّ اَطْعَمْتَ وَ سَقَیْتَ ، وَ اَغْنَیْتَ، وَ اَقْنَیْتَ، وَ هَدَیْتَ وَ اَحْسَنْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا اَعْطَیْتَ»

''الٰہی! آپ نے کھلایا اور آپ نے پلایا اور آپ نے غنی کر دیا اور آپ نے

---

[1] سنن أبي داؤد، حديث: 4023، جامع الترمذي، حديث: 3454، سنن ابن ماجه، حدیث: 3285 اور یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

بے نیاز کر دیا۔ آپ نے ہدایت سے نوازا اور آپ نے احسان فرمایا۔ تو آپ نے (اپنی رحمت سے) جو کچھ مرحمت فرمایا اس پر تمام تعریفات آپ کی ذات کو سزاوار ہیں۔"[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعاء فرمایا کرتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ مَنَّ عَلَیْنَا وَ هَدَانَا، وَ الَّذِیْ اَشْبَعَنَا وَ اَرْوَانَا وَ کُلَّ الْاِحْسَانِ آتَانَا»

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو ہدایت سے بہرہ ور فرمایا اور وہ ذات جس نے ہماری بھوک مٹا دی اور ہم کو سیراب کر دیا اور ہر قسم کی نیکی سے ہمیں نوازا۔"[2]

اور سنن ابی داود، سنن الترمذی اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی ایک کھانا کھا چکے"...... اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کوئی کھانا کھلائے" تو وہ یہ دعاء پڑھے: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ» کہ اے اللہ! اس کھانے میں ہمارے لیے برکت ڈال دے اور اس میں سے اچھی چیز ہم کو کھلا دے۔" اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ دودھ پلائے تو وہ یہ دعا پڑھے: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ» "کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس دودھ میں برکت ڈال دے اور اسے اور بڑھا دے۔" اس لیے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز

---

[1] امام نسائی کی "السنن الکبریٰ" میں/ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 466، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث صحیح ہے۔"

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 467 اور اس روایت کا کچھ حصہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ اور امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کے اس حصے کی تائید میں "شواہد" ذکر کیے ہیں جن کی بناء پر یہ قوت پکڑتی ہے۔

نہیں ہے جو کھانے اور پینے (دونوں) کی جگہ پر کفایت کرسکے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں ضعیف اِسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب برتن سے پیتے تو (پینے کے دوران) تین مرتبہ سانس لیتے، ہر سانس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔''[2]

## باب جب مہمان کھانے سے فارغ ہو جائے تو میزبانوں کے حق میں اس کی ''دعاء'' کے بارے میں۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن بُسر (''باء'' کی پیش اور ''سین'' کی جزم کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں) سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا اور دودھ کا ایک لطیف برتن (کپ وغیرہ) پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خشک کھجور لائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھاتے تھے اور گٹھلی اپنی شہادت اور درمیانی دونوں انگلیوں کے درمیان ڈال دیتے اور ان دونوں انگلیوں کو اکٹھا کر لیتے۔ امام شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ''یہ بات ظنی ہے۔'' اور وہ یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا...... گٹھلی کا دونوں انگلیوں کے درمیان ڈالنا......، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینے کا پانی لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن أبي داؤد، حدیث:3730، جامع الترمذي، حدیث:3451، امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:475، سنن النسائي، حدیث: 286 اور یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث:472 اور اس کی سند ضعیف ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ''شاہد'' کے طور پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے اور اسے امام طبرانی اور امام الخرائطی رحمہما اللہ کے واسطے سے نکالا ہے۔

نے اسے نوش فرمایا، پھر وہ اس شخص نے پکڑ لیا جو آپ ﷺ کی دائیں جانب کھڑا تھا۔ تو (اس موقع پر) میرے باپ نے کہا: اس حال میں کہ وہ آپ ﷺ کے جانور کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ ”ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء فرمایئے۔“ تو آپ ﷺ نے ان الفاظ میں دعاء فرمائی:

«اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ»

”الٰہی! جو کچھ آپ نے ان کو عطاء فرمایا ہے اس میں ان کے لیے برکت دے اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔“[1]

اور سنن أبي داود وغیرہ میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے تو انھوں نے چپاتی اور زیتون (کے تیل) کے ساتھ آپ ﷺ کی مہمان نوازی کی۔ آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمایا، پھر (اختتام پر) اللہ کے نبی ﷺ یوں گویا ہوئے: "أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ" ”آپ کے پاس روزہ داروں نے (روزہ) افطار کیا اور نیکو کار ہستیوں نے آپ کا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمھارے لیے رحمت کی دعائیں کیں۔“[2]

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس روزہ افطار فرمایا۔ تو (بعد ازاں) فرمایا: «أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ»۔ کہ تمھارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا...... الحدیث[3]

---

① صحيح مسلم، حديث: 2042، سنن أبي داود، حديث: 3729، جامع الترمذي، حديث: 3571 اور امام نسائی نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ میں حدیث: 291 اور امام احمد رحمہ اللہ کی المسند 4/ 187، 188، 190.

② سنن أبي داود، حديث: 3854 اور یہ حدیث اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

③ سنن ابن ماجه، حديث: 1747 اور ”الزوائد“ میں امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”کہ اس کی ”اِسناد“ میں مصعب بن ثابت جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے ”ضعیف راوی ہے۔“

میں کہتا ہوں: یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو پیش آئے۔

اور سنن أبي داوٗد میں (ایک نامعلوم) آدمی سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ حضرت ابوالہیثم بن التَّیِّھان رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا، پھر جب یہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بھائی کو (دعاء کے ذریعے) ثواب پہنچاؤ!'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ثواب پہنچانا کیا ہے؟ (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک جب آدمی کے گھر داخل ہوا جائے تو اس کا کھانا کھایا جائے اور اس کا پانی بھی پیا جائے تو اس شخص کے حق میں دعاء کرو! یہی اس کو ثواب پہنچانا ہے۔''[1]

## باب انسان کا اس شخص کے حق میں دعاء کرنا جس نے اسے پانی یا دودھ یا ان جیسی کوئی اور چیز پلائی ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں وہ طویل اور مشہور حدیث ملی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: ''پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَ اسْقِ مَنْ سَقَانِیْ»

''اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا اس کو کھلا دے اور جس نے مجھے پلایا اس کو پلا دے۔''[2]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عمرو بن الْحَمِق رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعاء فرمائی:

---

① سنن أبي داوٗد، حدیث: 3853، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی سند ''ضعیف'' ہے۔ نیز اس کے لیے ''شواہد'' موجود ہیں۔ جن سے یہ قوت پکڑتی ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 248/5.

② صحیح مسلم، حدیث: 2055.

«اَللّٰھُمَّ اَمْتِعْهُ بِشَبَابِهٖ» کہ اے اللہ! اسے اس کی جوانی سے فائدہ دے۔'' تو (اس دعاء کی برکت سے) ان پر اسی برس گزر گئے مگر انھوں نے (بالوں میں) کوئی سفید بال نہ دیکھا۔''[1]

میں کہتا ہوں: ''لفظ «الحَمِقُ» ''حاء'' کی زبر اور میم کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔''

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت عمرو بن آخطب (خاء اور پھر طاء کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے) سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کے ایک پیالے میں پانی لایا جس میں ایک بال تھا۔ تو میں نے اس بال کو نکال دیا اس پر اللہ کے رسول نے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ جَمِّلْهُ» کہ اے اللہ! اس کو صاحب جمال، (یعنی خوبصورت) بنا دے۔'' راوی کہتے ہیں: ''میں نے ان (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترانوے برس کی عمر میں دیکھا کہ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ ہیں۔''[2]

## باب جو شخص کسی کو مہمان بنائے تو اس آدمی کے لیے اس کے حق میں دعاء کرنا اور اسے اس پر انگیخت دلانے کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مہمان بنالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مہمان ٹھہراتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی ایسا آدمی نہیں' اللہ اس پر رحم فرمائے' جو اس کو اپنا مہمان

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 476 اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی دو ''شواھد'' امام طبرانی اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کے ہاں دو طریقوں سے موجود ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 255/5.

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 478 اور یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ نیز اس کو امام احمد رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 255/5.

بنا لے''؟ تو انصار میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا جو اس کو لے کر چلا گیا[1] ......، پھر راوی نے پوری حدیث ذکر کی۔

## باب جو شخص اپنے مہمان کی عزت افزائی کرتا ہے اس کی تعریف کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ایک آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''میں تنگی میں ہوں، (یعنی پردیسی اور بھوکا ہوں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس بھیج دیا تو انھوں نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا: '' میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسری زوجہ محترمہ کے پاس بھیجا تو انھوں نے بھی اسی طرح کا جواب دیا، یہاں تک کہ تمام امہات المؤمنین نے باری باری یہی جواب دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کون شخص رات کو اسے مہمانی بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے!'' تو انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوگئے اور کہا: ''میں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پھر وہ اس کو لے کر اپنے گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے کہا: '' کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے۔ وہ کہنے لگی: '' کچھ (نہیں) سوائے بچوں کے لیے ایک وقت کے کھانے کے۔'' اس پر انصاری (صحابی) کہنے لگے ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا لینا، پھر جب ہمارا مہمان (گھر میں) داخل ہو تو (کسی صفائی کے بہانے) چراغ کو بجھا ڈالنا اور میں اس کو یہ باور کراؤں گا کہ ہم (بھی اس کے ساتھ) کھانا کھا رہے ہیں۔ تو جب وہ (مہمان) کھانے کے لیے بیٹھے تو تم چراغ کی جانب کھڑی ہو جانا یہاں تک کہ تم اس کو بجھا سکو، پھر وہ (لوگ) کھانے کے لیے بیٹھے اور (اس طرح) مہمان نے کھانا کھا لیا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ (انصاری) صبح سویرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

[1] صحيح البخاري، حديث:3798 اور 4889، صحيح مسلم، حديث:2053 اور 2054۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ کو رات کے وقت مہمان کے ساتھ تمھارا برتاؤ اچھا لگا ہے۔'' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور وہ اپنے آپ پر (دوسرے لوگوں کو) ترجیح دیتے ہیں خواہ انھیں خود ہی احتیاج اور تنگی کیوں نہ ہو۔''[1]

میں کہتا ہوں: ''یہ حدیث اس بات پر محمول کی جائے گی کہ ان کے بچے کھانے کے اس قدر ضرورت مند نہیں تھے کہ جو بھوک مٹانے کے لیے ان کی خاطر حد درجے ضروری تھا، اس لیے کہ عادت کے طور پر بچے کو کھانے کی ضرورت نہ بھی ہو تو پھر بھی وہ کھانے والے شخص کو دیکھ کر کھانے کی چیز مانگنے لگ جاتا ہے۔''[2] لہٰذا اس حدیث سے یہی مفہوم لیا جائے گا کہ اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی (صحابیہ رضی اللہ عنہا) نے اپنے کھانے کے حصے کو مہمان کی خدمت میں پیش کیا نہ کہ بچوں کے لیے چھوڑے ہوئے کھانے کو۔ اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔

## باب، انسان کا اپنے مہمان کو خوش آمدید کہنا اور اس کی ضیافت کی سعادت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس کی موجودگی پر مسرور ہونا، نیز اس کا شکریہ ادا کرنے کے بارے میں کہ اس نے اس کو مہمان نوازی کا شرف بخشا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کثرتِ طرق سے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو شُرَیح الخُزاعی سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت

---

[1] الحشر: 9.

[2] صحيح البخاري، حديث:3798-4889، صحيح مسلم، حديث2053-2054.

افزائی کرے۔"[1]

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ...... یا ایک رات کے وقت...... باہر تشریف لائے۔ تو اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تم دونوں کو تمہارے گھروں سے کس نے باہر نکالا؟ تو دونوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھوک نے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور میں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے بھی وہ چیز باہر لے آئی ہے۔ جس نے تم دونوں کو باہر نکالا ہے۔" (لہٰذا) کھڑے ہو جاؤ۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے ایک آدمی (صحابی رضی اللہ عنہ) کے گھر تشریف لائے۔

جبکہ وہ (اس وقت) اپنے گھر میں نہیں تھے۔ تو جب ان کی عورت (بیوی) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے خوش آمدید کہا۔ تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (عورت) سے کہا: "فلاں، (یعنی تمہارا شوہر) کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی: وہ ہمارے لیے میٹھے پانی (کی جستجو) کے لیے گئے ہیں۔ تب اچانک وہ انصاری (صحابی رضی اللہ عنہ) آپہنچے اور اللہ کے رسول اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ کر کہا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا اَحَدٌ الْيَوْمَ اَكْرَمُ اَضْيَافًا مِنِّيْ» کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، آج کے دن میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے اعتبار سے مجھ سے بڑھ کر اور کوئی باعث عزت (اور خوش نصیب) نہیں ہے۔[2] ...... اور پھر تمام حدیث بیان کی۔

## باب، کھانا کھا کر واپسی پر آدمی کو کیا کہنا چاہیے؟

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔

---

① صحيح البخاري، حديث:6019،6018، صحيح مسلم، حديث:47.

② صحيح مسلم، حديث:2038.

وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے کھانے کو اللہ عزوجل کے ذکر اور نماز سے نرم اور خوشگوار بناؤ، اور اس پر (کھانے کے بعد) سو نہ جاؤ کہ تمھارے دل اس کی بابت سخت ہو جائیں۔''①

## باب سلام کہنے، اجازت طلب کرنے، چھینکنے والے کو جواب دینے اور اس سے متعلق دیگر امور کی کتاب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾

''پس جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی، بڑی بابرکت اور پاکیزہ۔''②

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾

''اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمھیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو، یا کم از کم اسی طرح سے ہی۔''③

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا﴾

''(اے اہل ایمان) اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث: 489، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: حدیث ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ معنی کے اعتبار سے مضبوط ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 264/5۔

② النور: 61۔ ③ النساء: 86۔

جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔"①

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ إِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾

"اور جب تمھارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔"②

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ.... الآية﴾

"(اے نبی ﷺ) کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تمھیں پہنچی ہے؟ جب وہ اس کے ہاں آئے تو کہا آپ کو سلام ہے۔ اس نے کہا" آپ لوگوں کو بھی سلام ہے۔"③

اور یہ بات جان لیجیے کہ "سلام" کی اصل کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور جہاں تک اس کے مسائل اور فروعات کا تعلق ہے تو یہ شمار سے زیادہ ہیں۔ میں چند ابواب ان شاء اللہ تعالیٰ اختصار کے ساتھ اس کے مقاصد کے سلسلے میں بیان کروں گا، اور اس کام کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کی ہی توفیق و ہدایت اور اسی کے فضل و نگہبانی سے ہر کام کی درستگی ہے۔"

## باب: سلام کی فضیلت اور اس کو پھیلانے کے حکم کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں

① النور: 27 . ② النور: 59 .
③ الذاریات: 25,24 .

روایت ملی ہے کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بہتر اسلام کونسا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہ ایک تو کھانا کھلائے اور دوسرے اپنے شناسا اور ناشناسا ہر آدمی کو سلام کہے۔''[1]

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ عزّ وجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا کہ ان کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی، پھر جب اس کو (اللہ جل شانہٗ نے) پیدا کیا تو فرمایا: ''جاؤ فرشتوں کے اس گروہ کو جو بیٹھا ہے سلام کہو اور سنو جو وہ تم کو سلام کہتے ہیں۔ پس بے شک وہ تمہارا اور تمھاری اولاد کا سلام ہے۔'' تو حضرت آدمؑ نے (فرشتوں سے جا کر) کہا: «السَّلَامُ عَلَيْكُم» تم پر (اللہ کی) سلامتی ہو، تو انھوں نے (آگے سے جواب میں) کہا: «السَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کہ تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔'' اس طرح فرشتوں نے جواب میں «وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کے الفاظ زیادہ کیے۔''[2]

اور صحیحین میں ہی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہم کو سات 7 باتیں اپنانے کا حکم فرمایا: ① مریض کی عیادت کرنا ② جنازے کے پیچھے آنا، (یعنی شرکت کرنا) ③ چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔ ④ کمزور شخص کی مدد کرنا ⑤ مظلوم کی داد رسی کرنا۔ ⑥ سلام کو پھیلانا اور ⑦ قسم کو پورا کرنا۔[3] اور یہ الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت کے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''اللہ

---

① صحيح البخاري، حديث:12، سنن أبي داود، حديث:5194، صحيح مسلم، حديث: 39.

② صحيح البخاري، حديث:3326، وصحيح مسلم، حديث:2841.

③ صحيح البخاري، حديث:1239، صحيح مسلم، حديث:2066، جامع الترمذي، حديث:2810، سنن النسائي:54/4.

کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اور تم ایمان نہ لاسکو گے یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز پر دلالت نہ کروں جب تم اس کو سرانجام دو گے تو ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے لگو گے، (اور وہ یہ ہے) کہ اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔“ ①

اور مسند الدارمی، امام ترمذی رحمہ اللہ کی دونوں کتابوں (جامع الترمذی اور شمائل الترمذی) اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں جید اسانید کے ساتھ، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو، (یعنی خونی رشتے جوڑو) اور لوگ جب سو رہے ہوں تم نماز پڑھو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ② امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث صحیح ہے۔“

اور امام ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتابوں میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ”ہمارے نبی رحمت ﷺ نے ہم کو یہ حکم فرمایا ہے: ”کہ ہم سلام کو پھیلائیں۔“ ③

اور مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں، حضرت اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے ان کو یہ خبر دی کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آتے اور صبح ان کی رفاقت میں بازار کی جانب نکل جاتے، پھر

① صحيح مسلم، حديث: 54، سنن أبي داود، حديث: 5193، جامع الترمذي، حديث: 2689.

② سنن الدارمی: 275/3، جامع الترمذي، حديث: 2487، سنن ابن ماجه، حديث: 3251 اور یہ حدیث ”حسن“ ہے، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ، امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔“

③ سنن ابن ماجه، حديث: 3693، امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 215 اور ”الزوائد“ میں مذکور ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

کہتے ہیں: ''تو جب پہلے پہر ہم بازار پہنچتے تو ہمارے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب (بھی) کسی کباڑیے، تاجر اور مسکین شخص کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کہتے۔ حضرت طفیل رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں ایک دن (حسب عادت) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہ مجھے اپنے ساتھ بازار کی جانب لے چلے۔ میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ بازار کیا کرنے آئے ہیں؟ درآنحالیکہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو خرید وفروخت کے لیے رکتے ہیں اور نہ آپ رضی اللہ عنہ کسی سودا سلف کی بابت ہی پوچھتے ہیں؟ اور نہ کسی سامان کا بھاؤ طے کرتے ہیں، اور نہ ہی منڈی میں کاروباری لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں؟ طفیل رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اور میں نے یہ بھی کہا: '' کہ ہم کو اس جگہ لے کر بیٹھیے کہ ہم (کچھ معاملات میں) گفتگو کر لیں، تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: اے ابوبطن (اور حضرت طفیل رحمہ اللہ کا پیٹ قدرے بڑھا ہوا تھا) ''ہم تو صرف ''سلام'' پھیلانے کی خاطر صبح یہاں آتے ہیں تاکہ جس شخص پر بھی ہمارا گزر ہو ہم اس کو ''سلام'' کہہ سکیں۔[1]

اور صحیح بخاری میں مروی ہمیں روایت ملی ہے...... حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''تین (صفات) جو شخص اپنے میں جمع کر لے تو اس نے (گویا پورا) ایمان جمع کر لیا:

تیری ذات سے انصاف کا حصول کہ تجھ سے اس کا پورا پورا حق لینا (اور تجھے پورا حق دے دینا اور جہان (والوں) کیلئے ''سلام'' پھیلانا اور احتیاج (وقلت) کے باوجود مال خرچ کرنا۔''[2]

---

① الموطا: 962,961/2، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کا موقوف ہونا صحیح ہے۔''

② صحیح البخاري، حدیث: 20، یہ حدیث حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباري'' میں یوں رقمطراز ہیں: '' اسے عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر رحمہ اللہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما پر ''موقوف'' روایت کیا ہے اور اسے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بھی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اسے امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی ''مسند'' میں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ''العلل'' میں ان دونوں نے اسے حسن بن عبداللہ الکوفی سے نکالا ہے۔ نیز امام بغوی رحمہ اللہ نے اس کو '' شرح السنۃ'' میں محمد بن کعب الواسطی رحمہ اللہ کے طریق سے نکالا ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ: 284/5.

اور یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ میں ہم کو اللہ کے رسول ﷺ تک مرفوع ملی ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ اس روایت میں مذکور تین صفات میں دنیوی و اخروی تمام بھلائیاں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔ کسی شخص کا انصاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کرے۔ جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے، اسے بجالائے، اور جس چیز سے اللہ نے اس کو روکا ہے اس سے باز رہے، اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے جو حقوق اس پر عائد ہیں ان کو پورا کرے اور جن اشیاء پر اس کا حق نہیں اس کا لوگوں سے مطالبہ نہ کرے۔ نیز اپنی ذات سے بھی انصاف سے کام لے (مطلب یہ کہ اپنے نفس کا بھی پورا حق ادا کرے) اور اس کو برائی (اور ہلاکت) میں نہ پھینکے۔

اور جہاں تک جہان والوں کے ''سلام'' پھیلانے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تمام لوگوں کے لیے سلام کا اہتمام کرے، تو اس کا یہ عمل اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ ہر کسی کے حق کے بارے میں بھی کبر و نخوت سے پاک ہے اور اس کے اور کسی اور کے درمیان ایسی کوئی چپقلش (اور سختی و ناراضگی) نہیں جو اسے اس کو سلام کہنے میں مانع یا رکاوٹ ہو۔''

اور تنگدستی اور احتیاج کے باوجود (اللہ کے راستے میں) مال خرچ کرنا، اس کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل اور بھروسہ کرنے کی غمازی کرتا اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی رکھنے کا اشارہ دیتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ جو کہ رحیم و کریم ذات ہے، سے یہ تمام اوصاف اپنے اندر جمع کرنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ آمین۔

## **باب** سلام کہنے کی کیفیت و طریقہ کے بارے میں

جان لیجیے کہ افضل طریقہ یہ ہے کہ مسلمان سلام کرتے وقت کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» کہ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' تو وہ اپنے سلام کے الفاظ میں جمع کی ضمیر کا استعمال کرے خواہ جس کو سلام کہا جا رہا ہے وہ ایک (اور اکیلا) ہی ہو، اور جواب دینے والا یہ الفاظ کہے: «وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» اور تم پر (بھی)

اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں" تو جواب دینے والا «عَلَيْكُمْ» سے پہلے، یعنی شروع میں حرف «واؤ» کا استعمال کرے۔

اور اس بات پر کہ "سلام" میں ابتداء کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ کہے: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ» جلیل القدر قاضی ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الحاوی" کی کتاب السِّیَر" میں اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور اسی طرح ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے امام ابوسعد المتولی رحمہ اللہ نے کتاب «صلاة الجمعة» وغیرہ میں۔

اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ "مسند الدارمی، سنن أبي داود اور سنن الترمذی میں حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہا: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ» آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے "سلام" کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس نیکیاں ملیں گی، پھر ایک اور آدمی آیا تو اس نے کہا: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ» آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بیس نیکیاں ملیں گی، پھر ایک اور شخص آ گیا تو اس نے کہا: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ» آپ نے اسے بھی جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسے تیس نیکیاں ملیں گی۔"[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام ابوداود رحمہ اللہ کی روایت[2] میں جو کہ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مذکورہ روایت سے زیادہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں...... راوی کہتے ہیں، پھر ایک اور (چوتھا) آدمی آیا تو اس نے یہ الفاظ کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَ مَغْفِرَتُهُ» کہ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت، اس کی برکتیں اور اس کی بخشش ہو۔" تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چالیس نیکیاں ملیں گی اور فرمایا: "اسی طرح فضائل (بڑھتے چلے

---

① سنن الدارمي: 2/277، سنن أبي داود، حديث: 5195، سنن الترمذي، حديث: 2690. حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے مروی اور یہ "حسن" ہے۔

② جبکہ سنن أبي داود میں حدیث: 5196۔ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی اور یہ "ضعیف" ہے۔

جاتے) ہیں۔"

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں "ضعیف اسناد" کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جانور چرانے کے لیے نکلتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے ہوئے ان الفاظ میں سلام کہتا: «السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ» تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ان الفاظ میں جواب لوٹاتے: «وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ وَ مَغْفِرَتُهٗ وَ رِضْوَانُهٗ» کہ تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اس کی برکتیں، اس کی بخشش ہو اور تجھ کو اس کی رضا حاصل ہو۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص پر جس انداز سے "سلام" لوٹاتے ہیں، اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر بھی نہیں لوٹاتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور مجھے اس کا اس طرح سلام کا جواب دینے میں کون سی چیز مانع ہے کہ وہ اس طرح دس آدمیوں سے بھی زائد کا اجر وثواب سمیٹ کر لے جائے"؟[1]

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: "کہ اگر "سلام" میں پہل کرنے والا «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہہ دے تو "سلام" کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اور اگر وہ «السَّلَامُ عَلَيْكَ» یا «سَلَامٌ عَلَيْكَ» کہہ دے تو پھر بھی "سلام" حاصل ہو جائے گا اور جہاں تک "سلام" کے جواب کا تعلق ہے تو اس کے کم از کم الفاظ یہ ہیں: «وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ» یا «السَّلَامُ عَلَيْكَ» اور اگر جواب دینے والا شروع سے "واؤ" گرا دے اور صرف «السَّلَامُ عَلَيْكَ» کہے تب بھی یہ "سلام" کا جواب کفایت کر جائے گا۔ یہ وہ صحیح اور مشہور مذہب ہے جس پر ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأم" میں مہر تصدیق ثبت کی ہے، اور اسی بات کے ہمارے اکثر ائمہ کرام رحمہم اللہ! بھی قائل ہیں، جبکہ ہمارے ائمہ رحمہم اللہ! میں سے ابوسعد المتولی رحمہ اللہ نے اپنی

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 234 اور اس کی "اسناد" ضعیف ہے مگر اس کے اسی مفہوم میں "شواہد" ہیں، جن سے یہ حدیث تقویت پکڑتی ہے۔ ان "شواہد" کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 5/292،293.

کتاب «التتمة» میں اس رائے پر پختگی ظاہر کی ہے ’’کہ ان الفاظ میں سلام کا جواب نہ کفایت کرے گا اور نہ وہ ’’سلام‘‘ کا پورا جواب ہی شمار ہوگا، اور ان کا یہ خیال کمزور یا غلط ہے، اور کتاب وسنت کے مخالف بھی، اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں۔

کتاب اللہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قَالُوْا سَلٰمًا ، قَالَ سَلٰمٌ﴾ [1] اور سلام کا یہ طریقہ اگرچہ ہماری شریعت سے پہلے کا ہے تاہم ہماری شریعت طاہرہ نے اسے جاری اور باقی رکھا ہے، جس کی دلیل گزشتہ صفحات میں مذکور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ’’سلام ‘‘ کے جواب میں فرشتوں کا جواب ذکر ہوا ہے، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اے آدم علیہ السلام! وہ تیرا اور تیری (ساری) اولاد کا ’’سلام‘‘ ہے اور یہ امت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں داخل ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

اور ہمارے ائمہ کرام رحمہ اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ’’سلام‘‘ کے جواب میں صرف «عَلَيْكُمْ» کے الفاظ کہے تو یہ ’’جواب‘‘ کافی نہ ہوگا، لیکن اگر جواب دینے والا «وَعَلَيْكُمْ» کہہ دے تو کیا ’’واؤ‘‘ کے اضافہ کے ساتھ یہ جواب دینا کافی ہوگا؟ تو اس میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کے ہاں دو آراء ہیں:

اگر ابتداء میں ’’سلام‘‘ کہنے والا «سَلَامٌ عَلَيْكُمْ» یا «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کے الفاظ کہے تو دونوں صورتوں میں جواب دینے والا «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہہ سکتا ہے، جبکہ وہ جواب میں یہ الفاظ بھی کہہ سکتا ہے: «سَلَامٌ عَلَيْكُمْ»...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَالُوْا سَلٰمًا، قَالَ سَلٰمٌ﴾ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ کو سلام کرتے وقت نکرہ ومعرفہ دونوں کے الفاظ استعمال کرنے میں اختیار ہے۔‘‘

مگر میں کہتا ہوں کہ الف اور لام کا شروع میں استعمال کرنا زیادہ بہتر اور درست ہے۔

[1] ھود 69 .

اور اصل حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔

[**فصل**]: صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات ارشاد فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات اچھی طرح سمجھ لی جاتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو تین بار ان کو سلام کہتے۔" [1]

میں کہتا ہوں: "یہ حدیث اس بات پر محمول کی جائے گی جب بہت سارے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ اور اس مسئلہ میں تفصیل سے بیان اور امام الماوردی رحمہ اللہ کی "کتاب "الحاوی" کے بارے گفتگو بھی عنقریب ان شاء اللہ ذکر کی جائے گی۔

[**فصل**]: اور سلام کہنے کا کم سے کم طریقہ جس سے "سلام" کرنے کی سنت ادا ہو سکے یہ ہے کہ "سلام" کرنے والا شخص اپنی آواز اس قدر اونچی رکھے کہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ اسے سن سکے، لیکن اگر وہ اسے "سلام" کے الفاظ نہیں سنا سکا تو اس نے حقیقت میں سلام کہا ہی نہیں، تو ایسی صورت میں "سلام" کا جواب دینا واجب نہیں ہوگا...... اور اسی طرح کم سے کم "سلام" کے جواب دینے کا طریقہ، جس سے یہ فرض ساقط ہو سکے، یہ ہے کہ جواب دینے والا اپنی آواز اس قدر بلند کرے کہ "سلام" کہنے والا سن سکے۔ اگر وہ اپنی آواز اسے نہیں سنا سکا تو یہ جان لے کہ اس پر "سلام" کے جواب کا فرض ہنوز باقی ہے، ان دونوں باتوں کا تذکرہ امام المتولی رحمہ اللہ وغیرہ نے کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بارے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ "سلام" کہنے والا اتنی اونچی آواز سے "سلام" کہے کہ مخاطب اسے (بخوبی) سن سکے، یا ان پر یہ واضح ہو جائے کہ ہمیں "سلام" کہا گیا ہے، اور اگر وہ ان کے سننے کے بارے میں شک میں پڑ گیا ہے تو اپنی آواز کو مزید اونچا کرے اور احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے الفاظ ظاہر کرے، اور اگر وہ ایسے بیدار لوگوں کو "سلام" کہے جن کے پاس لوگ سو رہے ہوں تو ایسی صورت میں سنت طریقہ یہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 94، جامع الترمذي، حديث: 2724.

ہے کہ وہ اپنی آواز کو اس قدر پست رکھے کہ جاگنے والے تو سن لیں مگر سونے والے لوگ (اس کی آواز سے) بیدار نہ ہو جائیں۔"

صحیح مسلم میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی وہ طویل حدیث ہمیں ملی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ راوی فرماتے ہیں: "ہم اللہ کے نبی ﷺ کی خاطر دودھ کا اہتمام کرتے، پس آپ ﷺ رات کے وقت تشریف لاتے اور اس انداز سے سلام کرتے جو کہ سونے والے شخص کو بیدار نہ کرتا اور جو لوگ جاگ رہے ہوتے ان کو سنائی دیتا، اور اسی وجہ سے (ایک بار) مجھے نیند نہیں آرہی تھی جبکہ میرے دونوں ساتھی سو گئے تو اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے اور اس انداز سے "سلام" کہا جیسے آپ ﷺ کا ہمیشہ سے طریقہ تھا۔" واللہ اعلم [1]

**[فصل]**: ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے امام ابو محمد القاضی حسین رحمہ اللہ اور امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں: "کہ سلام کا جواب فوری طور پر دینا شرط ہے، اگر جواب دینے والے نے تاخیر کر دی اور پھر دیر سے اس کا جواب دیا تو یہ جواب شمار نہ ہوگا اور "سلام" کا جواب نہ لوٹانے والا گناہ گار متصور ہوگا۔ [2]

## باب، ہاتھ کے اشارے یا بغیر الفاظ ادا کیے کسی اور طریقے سے "سلام" کہنے کی کراہت، (یعنی ناپسندیدگی) کے بارے میں

جامع الترمذی میں حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے اور وہ اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ تم نہ یہودیوں کی مشابہت اختیار کرو اور نہ عیسائیوں کی۔ تو یہودی انگلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں

---

① صحيح مسلم، حديث: 2055، جامع الترمذي، حديث: 2720.

② گناہ گار اس وقت متصور ہوگا جب وہ بغیر کسی معقول عذر کے سستی اور غفلت برتے۔ (مترجم)

اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے سے ہوتا ہے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث کی اِسناد ضعیف ہے۔''

میں کہتا ہوں: ''اور وہ حدیث جو ہم کو'' جامع الترمذی'' میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ملی ہے: '' کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد سے گزرے جہاں عورتوں کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کہا۔[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' یہ حدیث حسن ہے۔'' تو یہ اس بات پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سلام'' کہتے وقت ہاتھ کے اشارے اور الفاظ کو جمع کیا تھا، (یعنی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے ''سلام'' کے الفاظ بھی ادا فرمائے )۔ اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں: «فَسَلَّمَ عَلَيْنَا»

## باب، ''سلام'' کے حکم کے بارے میں

یہ بات جان لیجیے کہ سلام کی ابتداء کرنا مستحب سنت ہے، واجب نہیں، اور اس کا حکم سنت کفایہ کا ہے۔ تو اگر سلام کہنے والی ایک پوری جماعت ہو تو ان میں سے کسی ایک کا سلام کہنا بھی سب کے لیے کفایت کر جائے گا، اور اگر وہ سب سلام کہیں تو یہ افضل عمل ہے۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں امام القاضی حسین رحمہ اللہ کتاب «التبیر» پر اپنی تعلیق میں رقمطراز ہیں: ''ہمارے لیے اس عمل کے علاوہ اور کوئی عمل'' سنت کفایہ'' نہیں۔

میں کہتا ہوں: '' قاضی حسین رحمہ اللہ الموصوف نے اس بارے میں جو حکم محدود کر دیا ہے

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2696 اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے اس کے'' شواہد'' کی بناء پر'' حسن'' قرار دیا ہے۔

[2] جامع الترمذي، حديث: 2698، سنن أبي داؤد، حديث: 5204 اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب'' الأدب المفرد'' میں حدیث: 1048،1047۔

اس کا انکار کیا جائے گا، اس لیے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے: کہ چھینک لینے والے کو «یَرْحَمُكَ اللهُ» کہہ کر جواب دینا بھی سنت کفایہ ہے، جیسا کہ اس کا بیان عنقریب ان شاء اللہ آگے آئے گا، اور ایک جماعت ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے بلکہ سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ "قربانی تمام اہلِ خانہ کے حق میں "سنت کفایہ" ہے، تو اگر گھر والوں میں کوئی ایک بھی قربانی کر لے تو سب کی طرف سے یہ سنت اور دینی شعار ادا ہو جائے گی، اور جہاں تک "سلام" کہنے کا معاملہ ہے تو اگر جس شخص کو سلام کہا گیا ہے اکیلا ہو تو اس پر جواب دینا لازم و متعین ہے، اور اگر وہ پوری جماعت ہیں تو اس صورت میں "سلام" کا جواب دینا ان پر "فرض کفایہ" کا حکم رکھتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی جواب لوٹا دیا تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، اور اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو وہ سب گناہ گار متصور ہوں گے اور اگر سب نے مل کر "سلام" کا جواب دیا تو یہ انتہائی فضیلت و کمال کا عمل ہوگا۔ اسی طرح ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! نے کہا ہے اور یہی قول ظاہری اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

نیز ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر "سلام" کا جواب ان کے علاوہ کسی اور نے لوٹایا تو جن لوگوں کو "سلام" کہا گیا تھا ان پر سے جواب دینے کا فرض ساقط نہیں ہوگا بلکہ ان پر "سلام کا جواب دینا واجب ہے تو اگر انھوں نے خود جواب دینے کی بجائے اس اجنبی شخص کے جواب پر اکتفاء کی تو وہ اس صورت میں گناہ گار ہوں گے۔

سنن ابی داوٗد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب پوری جماعت کا (کسی قوم پر سے) گزر ہو تو ان میں سے کسی ایک کا سلام کرنا (سب کی طرف سے) کافی ہوگا اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے (بھی) کسی ایک شخص کا جواب دینا (سب کی طرف سے) کفایت کر جائے گا۔[1]

---

[1] سنن أبي داؤد، حدیث: 5210 اور یہ حدیث حسن ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/305.

اور المؤطا میں حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”جس قوم کا کوئی ایک فرد ”سلام“ کہہ دے تو وہ سب کی جانب سے کافی ہو جاتا ہے۔“[1]

[**فصل**]: امام ابو سعد المتولی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں: ”جب کوئی انسان کسی انسان کو پس پردہ یا کسی دیوار کے پیچھے سے آواز دے اور کہے: «السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فُلَانُ» کہ اے فلاں تجھ پر سلامتی ہو،“ یا کسی کو کوئی خط میں یہ الفاظ لکھ بھیجے «السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فُلَانُ» یا «السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ» کہ فلان شخص پر سلامتی ہو یا پھر کوئی قاصد بھیجے اور اسے یہ پیغام دے کہ فلاں شخص کو میری طرف سے سلام کہنا تو مذکورہ شخص تک وہ خط یا قاصد پہنچ جائے تو اس پر اس سلام کا جواب لوٹانا واجب ہے۔ اسی طرح ”الواحدی رحمہ اللہ“ وغیرہ نے بھی یہ ”قول“ ذکر کیا ہے کہ مکتوب الیہ، (یعنی جسے خط لکھا جارہا ہے) کو جب (خط کے ذریعے) سلام موصول ہو جائے تو اس پر جواب لوٹانا واجب ہے۔“

اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ”اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا ”یہ جبریل ؑ ہیں جو تجھ پر سلام پڑھتے ہیں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ”تو میں نے کہا: «وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» ”اور ان پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔“[2] صحیحین کی بعض روایات میں اسی طرح ہی «وَبَرَكَاتُه» کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ بعض میں ذکر نہیں ہوئے۔ اور ثقہ (راویوں) کی طرف سے اضافہ و زیادتی مقبول (چیز) ہے۔ اور جامع ترمذی رحمہ اللہ میں بھی

---

[1] المؤطا: 959/2 اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ترجمہ: کہ سوار پیدل (چلنے والے) کو سلام کرے اور قوم میں سے کوئی ایک شخص ”سلام“ کہہ دے تو وہ سب کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ روایت راویوں کے اتفاق کے ساتھ ”مرسل“ ہے۔“

[2] صحيح البخاري، حديث: 3768، صحيح مسلم، حديث: 2447، جامع الترمذي، حديث: 2694.

«وَبَرَکَاتُہٗ» کے الفاظ آئے ہیں، اور امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں "یہ حدیث حسن صحیح ہے" اور جو شخص حاضر نہ ہو اسے سلام پہنچانا مستحب عمل ہے۔

[فصل]: جب کوئی انسان کسی انسان کے ذریعے (اپنے عزیز یا دوست وغیرہ کو) "سلام" بھیجتا ہے تو پیغام لے کر جانے والا اس کو یہ کہتا ہے: فلاں شخص تجھ کو سلام کہتا ہے۔ تو جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ اس شخص پر فوری طور پر "سلام" کا جواب دینا واجب ہو جاتا ہے، اور اس کے ساتھ یہ عمل بھی مستحب ہے کہ وہ "سلام" پہنچانے والے پر بھی "سلام" لوٹائے، اور یہ الفاظ ادا کرے۔ «وَعَلَیْكَ وَ عَلَیْهِ السَّلَامُ» اور آپ پر اور اس پر بھی سلامتی ہو۔

سنن اَبی داؤد میں غالب القطان سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اور اس آدمی نے کہا:

"میرے باپ نے مجھے میرے دادا سے بیان کیا، میرے دادا کہتے ہیں: "کہ میرے باپ نے مجھ کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کہا: آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو تو (میری طرف سے) آپ ﷺ پر سلام کہو۔" تو میں جب آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: "میرے ابا جان آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے (جواب میں) یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

«عَلَیْكَ السَّلَامُ وَ عَلٰی اَبِیْكَ السَّلَامُ»

"کہ تجھ پر سلامتی ہو اور تیرے باپ پر بھی سلامتی ہو۔ (1)

میں کہتا ہوں "یہ روایت اگرچہ ایک مجہول شخص سے مروی ہے مگر ہم پہلے ہی یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ فضائل پر مبنی احادیث کو تمام اہل علم رحمہم اللہ قبول کرنے میں نرمی برتتے ہیں۔"

[فصل]: امام ابوسعید المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں "جب کوئی شخص کسی بہرے کو "سلام"

(1) سنن أبي داؤد، حديث: 5231، سنن النسائي، حديث: 373 اور امام ابن السنی رحمہ اللہ نے بھی امام نسائی رحمہ اللہ کے طریق سے حدیث: 237 اور اس کی "سند" مجہول راویوں کے وجود کی بناء پر ضعیف ہے۔

کہے جو نہ سن سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بولنے پر قدرت رکھنے کی وجہ سے ''سلام'' کے الفاظ ادا کرے، اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ سے اشارہ بھی کرے، یہاں تک کہ اس کے سلام کو بہرہ شخص سمجھ سکے اور ''سلام'' کہنے والا اس کے جواب کا مستحق قرار پائے۔ تو اگر اس نے ''سلام'' کہتے وقت ہاتھ کے اشارے اور زبان کے الفاظ کو ایک ساتھ اکٹھا نہ کیا تو وہ جواب کا مستحق نہ ہوگا۔ المتولی رحمہ اللہ (مزید) فرماتے ہیں: ''اور اسی طرح اگر کوئی بہرا شخص کسی کو ''سلام'' کہے اور وہ اس کا جواب بھی چاہتا ہو، تو دوسرے شخص کو چاہیے کہ وہ ایک تو زبان سے اس کے سلام کا جواب دے اور دوسرے وہ ہاتھ کے ساتھ اشارہ بھی کرے تاکہ ''سلام'' کہنے والا اسے (اچھی طرح) سمجھ سکے اور اس طرح اس پر سے ''سلام'' کے جواب کا ''وجوب'' ساقط ہو جائے۔

موصوف رحمہ اللہ (مزید) کہتے ہیں: ''اگر کوئی شخص کسی گونگے آدمی کو سلام کہے اور گونگا شخص اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیدے تو اس طرح اس (گونگے) سے سلام کے جواب کا وجوب ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ (شرعی عذر کی بناء پر) اس کا اشارہ بھی الفاظ کی عبارت کے قائم مقام ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر وہ گونگا شخص دوسرے آدمی کو اپنے اشارے سے سلام کہے تو وہ اپنے اس ''سلام'' کے جواب کا مستحق ہوگا، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی تفصیل سے اس کا حکم بیان کر دیا ہے۔

[**فصل**]: ابوسعد المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے بچے کو ''سلام'' کہا تو اس بچے پر اس کا جواب دینا واجب نہیں اس لیے کہ (نابالغ) بچہ فرائض کے وجوب سے مستثنیٰ ہے، اور موصوف رحمہ اللہ کا یہ کہنا تو درست ہے مگر ادب اور استحباب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بچہ بھی جواب دے۔

قاضی حسین رحمہ اللہ اور ان کے صاحب امام المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اگر کوئی (نابالغ) بچہ کسی بالغ شخص کو ''سلام'' کہہ دے تو کیا اس صورت میں اس بالغ شخص پر ''سلام'' کا جواب دینا واجب ہے؟ تو اس میں دو آراء ہیں جن کی بنیاد اس بچے کے ''اسلام'' کے صحیح ہونے پر ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ اس کا ''اسلام'' صحیح ہے تو اس صورت میں اس کا ''سلام'' کہنا بھی بالغ شخص کے ''سلام'' کی طرح ہوگا اور اس کے ''سلام'' کا جواب دینا بھی واجب ہوگا۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس بچے کا ''اسلام'' ہنوز صحیح نہیں تو پھر اس کے ''سلام'' کا جواب دینا واجب تو نہیں ہوگا، البتہ ''مستحب'' ضرور ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ ان دونوں صورتوں کی موجودگی میں بھی صحیح بات یہی ہے کہ (سلام) کا جواب دینا واجب ہے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ ''اور جب بھی تم کوئی تحفہ (یا سلام وغیرہ) دیے جاؤ تو اس کے بدلے میں بہتر (تحفہ یا) سلام دو یا اس جیسا ہی لوٹا دو۔''[1]

اور جہاں تک مذکورہ بالا صاحبین رحمہم اللہ کے قول کا تعلق ہے کہ وہ اس بچے کے ''اسلام'' پر مبنی ہے۔ اس بارے میں ابوبکر الشاشی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ بناء فاسد ہے۔'' اور ان کی اس بات کی حقیقت اللہ جل جلالہ بہتر جانتے ہیں۔

اگر کوئی بالغ شخص ایسی جماعت کو سلام کہے جس میں بچہ بھی ہو اور وہ بچہ اس کے ''سلام'' کا جواب دے اور کوئی دوسرا ''جواب'' نہ دے تو کیا اس صورت میں باقی لوگوں سے ''سلام'' کے جواب کا ''وجوب'' ساقط ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں دو آراء ہیں۔ جن میں سے زیادہ صحیح اور وہ قاضی حسین رحمہ اللہ اور ان کے صاحب امام المتولی کا قول ہے: ''کہ ان سے یہ ''واجب'' ساقط نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ بچہ فرائض کے وجوب کا اہل نہیں ہے۔ جبکہ ''سلام'' کا جواب دینا ''فرض'' ہے۔ جیسا کہ بچے کا کسی کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا بھی دوسروں سے اس فرض کو ساقط نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دوسروں کی جانب سے اس کا ''سلام'' کا جواب دینا بھی دوسرے لوگوں سے اس فرض کو ساقط نہیں کرے گا۔

اور اس مسئلہ میں دوسری رائے ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے ابوبکر الشاشی رحمہ اللہ ''صاحب المستظہری'' کی ہے کہ بچے کی جانب سے ''سلام'' کا جواب دوسروں کی طرف

[1] النساء 86.

سے بھی کافی ہوگا۔ (موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں) ''بالکل اسی طرح جیسے اس بچے کی (نماز کے لیے) اذان دوسرے مردوں کی طرف سے بھی درست شمار ہوتی ہے اور ان سے اس کے بعد اذان دینے کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: اور جہاں تک نماز جنازہ میں بچے کی شرکت کا مسئلہ ہے تو اس میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کے ہاں ''کہ آیا بچہ کی نماز جنازہ میں شرکت دوسرے مردوں سے فرضیت کا حکم ساقط کر دے گی؟ دو مشہور آراء پر اختلاف ہے۔ اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک ان میں سے زیادہ درست رائے یہی ہے کہ باقی لوگوں کی جانب سے بھی فرض ادا ہو جائے گا اور اسی پر امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

[**فصل**]: اگر کوئی انسان کسی شخص کو ''سلام'' کہے پھر تھوڑی دیر بعد ہی اسے دوبارہ ملے تو تب بھی اس کو دوسری، تیسری یا زیادہ مرتبہ سلام پڑھنا مسنون ہے۔ اس بات پر ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے (اور) جس میں نماز کو غلط طریقے سے ادا کرنے والے شخص کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ شخص (مسجد میں) آیا اور نماز پڑھی، پھر وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب لوٹایا اور فرمایا: «اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» کہ واپس جاؤ اور نماز پڑھو، بے شک تم نے نماز نہیں پڑھی۔ تو وہ شخص واپس گیا اور نماز ادا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ یہاں تک کہ اسی طرح تین مرتبہ اس نے نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سلام کہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے (نئے سرے سے) نماز پڑھنے کو کہتے۔''[1]

اور سنن أبي داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ رسول

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 793، صحیح مسلم، حدیث: 39، سنن أبي داؤد، حدیث: 856، سنن النسائي: 126/2، جامع الترمذي، حدیث: 303.

اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے اور اگر ان دونوں کے مابین کوئی درخت یا دیوار یا کوئی پتھر کی چٹان بھی حائل ہو تو (دوبارہ ملنے پر) اسے سلام کہے۔''[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عمل الیوم واللیلۃ) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (اکٹھے) چلتے تھے تو جب ان کے سامنے کوئی درخت یا ٹیلہ آتا تو وہ دائیں اور بائیں (چلتے ہوئے) الگ الگ ہو جاتے، پھر اس اوٹ کے پیچھے سے دوبارہ ملنے پر ایک دوسرے کو سلام کہتے۔''[2]

[**فصل**]: جب دو آدمی اچانک آپس میں ملاقات کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو یکبارگی سلام کہے یا ایک کے بعد دوسرا سلام کہے۔ تو القاضی حسین اور ان کے صاحب ابوسعد المتولی رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک ''سلام'' کی ابتداء کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اس کے سلام کا جواب لوٹانا واجب ہے۔ مگر الشاشی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں دیکھا جائے گا کہ آیا یہ ''سلام کا صیغہ'' جواب دینے کے لیے مناسب اور درست ہے کہ نہیں۔ اگر تو ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے بعد ''سلام'' کہے تو پھر جواب دینا ضروری ہے لیکن اگر دونوں بیک وقت ایک دوسرے کو سلام کہیں تو پھر اس کا جواب دینا ضروری نہیں اور الشاشی رحمہ اللہ کی یہ بات ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

[**فصل**]: جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے ملے اور ''سلام'' میں پہل کرتے والا «وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ» کہے تو ایسی صورت میں المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ''سلام'' نہیں ہے اور نہ یہ الفاظ کہنے والا جواب کا مستحق ہے کیونکہ یہ صیغہ ابتدائے سلام کے لیے درست

---

[1] سنن أبي داؤد، حدیث:5300، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' نیز اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانیۃ:5/318.

[2] ابن السنی کی کتاب حدیث:244 اور اس کی اسناد ''حسن'' ہے۔

نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ''اگر وہ شخص بغیر ''واؤ'' استعمال کیے یہ کہتا ہے: «عَلَيْكَ یا عَلَيْكُمُ السَّلَامُ» تو امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ نے اسے قطعی طور پر ''سلام'' کا درست صیغہ قرار دیتے ہوئے مخاطب کو اس کا جواب دینا لازمی قرار دیا ہے۔ خواہ سلام کہنے والا عام حالات میں متداول الفاظ کی ترتیب بدل ہی کیوں نہ دے۔ اور ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ کا یہ قول ظاہر میں درست معلوم ہوتا ہے۔ بنابریں امام الحرمین نے بھی اس بات پر مہر تصدیق ثبت کی ہے کہ اس ''سلام'' کا جواب لوٹانا واجب ہے اس لیے کہ الفاظ کے اعتبار سے یہ ''سلام'' کہلاتا ہے۔

......اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے ''سلام'' ہونے کے بارے میں دو وجوہ بیان کی جائیں جیسا کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ اس بارے میں دو آراء رکھتے ہیں کہ جب نماز سے فارغ ہونے والا شخص (اپنی نماز کے اختتام پر) یہ الفاظ کہے: «عَلَيْكُمُ السَّلَامُ» تو کیا یہ کہنے سے وہ نماز کی حرمت سے حلت کی طرف آجائے گا کہ نہیں؟ زیادہ درست بات یہی ہے کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر حلت کی جانب آجائے گا۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ایسے الفاظ کہنے پر وہ کسی بھی حال میں جواب کا مستحق نہیں ہے۔

نیز اس حدیث کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت ابوتمیمہ الھجیمی رحمہ اللہ سے نکالا ہے۔ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنی قوم کے ایک آدمی سے اور ان کی قوم کے وہ آدمی ابو جزی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قطری (قاف کے کسرہ اور ''طاء'' کے سکون سے پڑھا گیا ہے) تو میں نے کہا: «عَلَيْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ» تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلَيْكَ السَّلَامُ» مُردوں کا سلام ہے بلکہ آپ یوں کہیے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو بار فرمائی یا تین بار۔'' اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کے بعد کہا ہے: ''یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔''

اس حدیث کی بناء پر جو سنن أبی داود اور سنن الترمذی وغیرہ میں صحیح اسانید کے ساتھ،

صحابی رسول ﷺ حضرت ابوجزی الہجیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے اور ان کا نام جابر بن سلیم ہے۔ [1] اور سلیم بن جابر بھی کہا گیا ہے" یہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (آپ ﷺ پر سلامتی ہو اے اللہ کے رسول) آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ (کے الفاظ) نہ کہو، اس لیے کہ عَلَيْكَ السَّلَامُ تو مُردوں کا سلام ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث "حسن صحیح" ہے۔ [2]

میں یہ کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ اس مسئلہ میں عمدگی اور کمال میں بیان ہوئی ہو (مطلب یہ ہے کہ اچھائی اور کمال اسی میں ہے کہ سلام کہتے وقت معروف اور عام صیغے استعمال کیے جائیں) ورنہ اس حدیث کے بیان سے یہ مراد نہیں کہ ان الفاظ میں کہا گیا "سلام" سرے سے سلام ہی نہیں۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

امام ابو حامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ "الإحیاء" میں رقم طراز ہیں کہ اس حدیث کی بنا پر ابتداء میں "علیکم السلام" کے الفاظ مکروہ ہیں اور مختار قول بھی یہی ہے کہ اس صیغہ کے ساتھ سلام کی ابتدا ناپسندیدہ ہے' لیکن اگر کسی نے ابتدائے سلام میں یہ الفاظ کہہ دیے تو اس کا جواب لوٹانا واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ بہرحال سلام ہی ہے۔

**[فصل]**: سنت یہ ہے کہ "سلام" کہنے والا ہر قسم کی گفتگو سے قبل "سلام" کہے اور اس بات کی موافقت میں صحیح احادیث موجود ہیں۔ نیز امت کے سلف صالحین رحمہم اللہ! اور بعد میں آنے والے اہل علم رحمہم اللہ! کا عمل خاصا مشہور ہے۔ لہٰذا اس فصل میں قابل اعتماد ہی دلیل ہے۔

......اور اس بارے میں حدیث "جامع الترمذی" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں

---

① اور ان کا نام جابر بن سلیم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ بات صحیح ہے۔" اسی طرح اس کو ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی ترجیح دی ہے اور اسی طرح "السلاح" میں وارد ہوا ہے۔

② سنن أبي داود، حدیث: 4084، جامع الترمذي، حدیث: 2722، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ کہنا کہ بالاسانید الصحیحۃ (صحیح اسانید کے ساتھ) یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ مذکورہ صحابی (ابوجزی الہجیمی رضی اللہ عنہ) تک اس کے ایک سے زیادہ (متعدد) طرق ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے' نیز اس حدیث کو امام احمد اور امام نسائی نے بھی نکالا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح گردانا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 321/5.

ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ’’اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’کہ سلام گفتگو کرنے سے پہلے ہے۔‘‘[1] یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’یہ حدیث ’’منکر‘‘ ہے۔

**[فصل]**: سلام کہنے میں پہل کرنا افضل ہے اور اس کی دلیل صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: «وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ» اور ان دونوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو ’’سلام‘‘ کہنے میں ابتداء کرتا ہے۔[2] لہٰذا ہر دو ملنے والے اشخاص کو چاہیے کہ وہ سلام میں پہل کرنے کی حرص رکھیں۔

اور سنن أبی داود میں ’’جید إسناد‘‘ کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ’’اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بیشک لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (سب سے بہتر و محبوب) وہ ہے جو کہ سلام کرنے میں پہل کرے۔‘‘[3] اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی جامع الترمذی میں یہ الفاظ آئے ہیں: ’’آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ دو آدمی جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو ان میں سے کون سلام کہنے میں ابتداء کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’دونوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب شخص ہے۔‘‘ (مطلب یہ کہ دونوں میں پہل کرنے والا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ محبوب و مقرب ہے) امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’یہ حدیث ’’حسن‘‘ ہے۔‘‘

---

① جامع الترمذي، حديث:2700، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔‘‘

② صحيح بخاري، حديث:6077، صحيح مسلم، حديث:2560.

③ سنن أبي داود، حديث:5197، وسنن الترمذي، حديث:2695، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث ’’حسن‘‘ ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ نکالا ہے: «مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَوْلَى بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ» کہ جو ’’سلام‘‘ میں پہل کرے تو وہی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں زیادہ محبوب (اور ان کا مقرب) ہے۔




## باب، ان احوال کے بارے میں جن میں ''سلام'' کہنا مستحب، مکروہ (ناپسندیدہ) اور مباح (جائز) ہے

یہ بات جان لیجیے کہ سلام کو پھیلانے اور اس کا جواب دینے کا ہم (شریعت طاہرہ) کی طرف سے حکم دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن بعض احوال میں ''سلام'' کا جواب لوٹانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور بعض حالات میں نرمی اختیار کی گئی ہے۔ جبکہ بعض اوقات میں ''سلام'' کا جواب دینے سے روکا گیا ہے۔ تو ایسے اوقات جن میں ''سلام'' کا جواب دینے کی تاکید یا استحباب ہے تو یہ شمار سے باہر ہیں۔ اس لیے کہ یہ (اصل) حکم ہے۔ لہٰذا ہم انھیں گننے اور الگ الگ ذکر کرنے کی صعوبت سے دو چار نہیں ہوں گے۔ نیز یہ بھی جان لیجیے کہ اس حکم میں زندوں اور فوت شدگان سب پر ''سلام'' کہنے کا حکم بھی داخل ہے۔ اور ہم گزشتہ'' جنازے کے اَذکار کے ابواب میں''فوت شدگان پر سلام کہنے کی کیفیت و طریقہ بیان کر چکے ہیں۔ اور جہاں تک ان اوقات کا تعلق ہے کہ جن میں ''سلام'' کہنا مکروہ (ناپسندیدہ) یا نرمی یا جواز کا حکم رکھتا ہے تو یہ اس عام حکم سے مستثنیٰ، یعنی خارج ہیں لہٰذا ان کے ذکر کی یہاں ضرورت ہے۔ تو ان میں ایک تو وہ شخص ہے جو کہ پیشاب، جماع یا اس طرح کے کسی دیگر کام میں مشغول ہو تو اس کو سلام کہنا مکروہ ہے اور اگر کوئی ایسے حالات میں کسی کو سلام کہہ دیتا ہے تو وہ اپنے سلام کے جواب کا مستحق نہیں۔ اسی طرح کوئی شخص سو رہا ہو یا اونگھ رہا ہو یا کوئی نماز پڑھ رہا ہو یا کوئی مؤذن اذان دے رہا ہو، یا کوئی نماز کی ''اقامت'' کہہ رہا ہو یا کوئی شخص حمام وغیرہ میں غسل کر رہا ہو تو ان جیسے تمام احوال میں کسی پر ''سلام'' کہنا مؤثر نہ ہوگا اور نہ ہی سلام کہنے والا جواب کا مستحق ہوگا۔ (وَاللّٰهُ أَعلَمُ)

......اور ان میں یہ حالات بھی داخل ہیں، مثلاً: کوئی کھانا کھا رہا ہو اور کھانے کا لقمہ اس کے منہ میں ہو تو اگر کوئی شخص ایسے کھانے والے کو سلام کہتا ہے تو وہ اپنے سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن اگر کھانے کے دوران لقمہ اس کے منہ میں نہ ہو تو پھر ''سلام'' کہنے میں

کوئی حرج نہیں بلکہ اس کا جواب دینا واجب ہوگا۔ اور اسی طرح خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں مصروفیت کے اوقات میں بھی "سلام" کہا جا سکتا ہے اور اس "سلام" کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اور خطبۂ جمعہ کے دوران "سلام" کہنے کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: "کہ سلام کہنے میں ابتداء کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ لوگ ایسے وقت میں خطبہ سننے کے (شرعی طور پر) پابند ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت میں "سلام" کہہ دے تو کیا اس (خطبۂ جمعہ) کی حالت میں "سلام" کا جواب لوٹایا جائے گا یا کہ نہیں؟ تو اس مسئلہ میں ہمارے آئمہ کرام کے مابین اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: "کہ اس کی مخالفت اور کوتاہی کی بناء پر اس پر "جواب" نہیں لوٹایا جائے گا" اور بعض دیگر کا یہ کہنا ہے: "اگر ہم یہ کہیں کہ خطبۂ جمعہ کے دوران خاموشی "واجب" ہے تو اس صورت میں تو سلام کا "جواب" نہیں لوٹایا جائے گا اور اگر ہم یہ کہیں کہ خطبۂ جمعہ کے دوران خاموشی ادب ہے تو اس صورت میں سلام کا جواب نہیں لوٹایا جائے گا اور اگر ہم کہیں کہ ایسی حالت میں خاموشی (محض) سنت ہے تو حاضرین میں سے کسی ایک شخص کی طرف سے سلام کا جواب لوٹا دینا کافی ہو جائے گا اور ایک سے زیادہ افراد کسی صورت میں بھی اس سلام کا جواب نہ دیں۔

اور جہاں تک قرآنِ حکیم کی تلاوت میں مشغول شخص کو سلام کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس تلاوت میں مصروفیت کی بناء پر اس کو "سلام" نہ کہا جائے اور اگر کوئی اس کو سلام کہہ دے تو اشارے سے اس کا جواب بھی کافی ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ اشارے کے بجائے "الفاظ" میں اس کا جواب دے تو پھر دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے "تعوّذ" «اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ» پڑھے۔ یہ "الواحدی" کا کلام ہے۔ اور یہ قابل غور بات ہے۔ اس مسئلہ میں ظاہر بات تو (یہی درست) معلوم ہوتی ہے کہ اس شخص کو "سلام" کہا جا سکتا ہے اور اس سلام کا جواب بھی الفاظ میں دینا واجب ہے۔ اور اگر کوئی شخص "دعاء" میں مشغول ہو اور پوری دل جمعی کے ساتھ اس میں منہمک ہو تو ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ شخص بھی (ہمارے نزدیک)

تلاوتِ قرآن کرنے والے شخص کے حکم کی طرح ہے۔ جس کے بارے میں ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ میں زیادہ ظاہر یہی بات ہے کہ ایسے شخص کو "سلام" کہنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ ایسا شخص کھانے (یا تلاوت قرآن) کی نسبت (سلام کہنے پر) زیادہ تنگی اور مشقت محسوس کرتا ہے۔ اور جہاں تک احرام کی حالت میں تلبیہ کہنے والے کا تعلق ہے تو اس کو بھی سلام کہنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ تلبیہ کا انقطاع اس کے لیے بھی مکروہ عمل ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کو سلام کہہ دے تو وہ بہرحال اس کا الفاظ میں جواب بھی دے۔ اسی بات پر ہی امام شافعی رحمہ اللہ اور ہمارے دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ! نے بھی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

[**فصل**]: جن حالات میں "سلام" کہنا مکروہ ہے ان کا بیان گزر چکا ہے اور وہاں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ان احوال میں "سلام" کہنے والا اپنے "جواب" کا مستحق نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص جس کو "سلام" کہا گیا ہے بطور نفل اور نیکی کے حصول کی خاطر "جواب" دیتا ہے تو کیا اس کے لیے جائز ہے؟ یا کہ مستحب؟ تو اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ جو شخص پیشاب یا اسی قسم کے کسی دوسرے فعل میں مشغول ہو تو اس کے لیے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے اور یہ بات ہم نے اس کتاب کے آغاز میں بھی ذکر کی ہے۔ اور جو شخص کھانا یا اسی قسم کی کوئی اور مصروفیت رکھتا ہو تو اس کو ایسے مقام پر سلام کا جواب دینا "مستحب" ہے جہاں جواب دینا "وجوب" کا درجہ (اور حکم) نہ رکھتا ہو۔ اور نماز پڑھنے والے کے لیے جواب میں "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" کے الفاظ کہنا حرام ہیں تو اگر اس نے ایسا کر لیا اور وہ اس کی "حرمت" کو جانتا بھی ہو تو اس کی نماز "باطل" ہو جائے گی۔

......اور اگر وہ اس کے حکم سے نابلد ہے تو اس صورت میں ہمارے نزدیک صحیح ترین دو وجوہ میں سے یہ ہے کہ اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ نماز پڑھنے والا "سلام" کا جواب غیب کے الفاظ، مثلاً: "عَلَيْهِ السَّلَامُ" کے ساتھ دے تب بھی اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ یہ تو دعائیہ کلمات ہیں نہ کہ (براہ راست) خطاب کے۔ اور نماز کی حالت میں سلام کا جواب اشارے کے ساتھ دینا مستحب (عمل) ہے۔ نیز ایسی حالت میں نمازی زبان




سے کوئی لفظ ادا نہ کرے۔ اور اگر وہ نماز سے فراغت کے بعد "الفاظ" کے ساتھ بھی سلام کا جواب دے لے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اذان کہنے والے (موذن) کے لیے بھی عام الفاظ میں سلام کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس کا جواب" (دورانِ اذان) ایک ہلکا اور معمولی عمل ہے۔ جو نہ اذان کو باطل قرار دیتا ہے اور نہ ہی کوئی اس میں خلل ڈالتا ہے۔

(وَاللّٰهُ تَعالىٰ أَعْلىٰ وَ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

## باب، کس شخص کو سلام کہا جائے اور کس کو نہ کہا جائے اور اسی طرح کس شخص کے سلام کا جواب دیا جائے اور کس شخص کے سلام کا جواب نہ دیا جائے؟

اس بارے میں یہی بات جان لیجیے کہ وہ مسلمان شخص جو فسق (گناہ و نافرمانی وغیرہ) اور بدعت میں شہرت نہ رکھتا ہو تو وہ سلام کہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیا جائے۔ ایسے ہر شخص کے لیے سلام کہنا سنت اور اس کے سلام کا جواب دینا "واجب" کا حکم رکھتا ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: "اور عورت عورت کے ساتھ سلام و جواب کے حکم میں مردوں کے آپس میں "سلام" و جواب کی طرح ہے اور جہاں تک عورت کا مرد کے ساتھ" سلام و جواب" کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں امام ابوسعد المتولی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: "اگر عورت مرد کی بیوی، لونڈی یا کوئی محرم ہے تو وہ اس کے ساتھ عام مردوں کی طرح ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے کو سلام کہنا مستحب عمل ہے۔ اور دوسرے پر اس سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ اور اگر عورت اجنبی ہے (تو اس کی آگے دو صورتیں ہو سکتی ہیں) اگر وہ عورت اتنی حسین و جمیل ہے کہ سلام و جواب کے وقت فتنے (یا معاصی) کا خوف لاحق ہو سکتا ہو تو پھر مرد اس کو سلام نہ کہے۔ اگر وہ (مرد) اسے سلام کہہ بھی دے تو اس کے باوجود اس عورت کو "جواب" دینا جائز نہیں۔ اور نہ وہ عورت اس (اجنبی مرد) کو سلام کرنے میں ابتداء

کرے اور اگر وہ سلام کہتی ہے تو وہ اس صورت میں اپنے سلام کے جواب کی مستحق نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ (اجنبی) مرد اسے ''سلام'' کا جواب دے دے تو اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔'' اور اگر اجنبی عورت اتنی بوڑھی ہو کہ جس کے بارے میں کسی فتنے (یا معاصی) کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے (اجنبی) مرد کو سلام کہنا جائز ہے اور اس آدمی پر بھی (لازم) ہے کہ اس کے سلام کا جواب دے۔ اور اگر زیادہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوں تو گزرنے والا آدمی سلام کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک سے زیادہ کثیر تعداد میں لوگ موجود ہوں تو وہ بھی ایک اکیلی عورت کو ''سلام'' کہہ سکتے ہیں مگر یہ سلام و جواب اس وقت جائز ہوگا۔ جب طرفین کی طرف سے کسی بھی قسم کے فتنے (یا گناہ) کا اندیشہ نہ ہو۔

سنن أبي داود، جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''کہ ہم عورتوں کے گروہ کے پاس سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے ہم کو سلام کہا۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ اور یہ الفاظ جو میں نے ابھی ذکر کیے ہیں سنن أبي داود کی روایت کے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی یہ الفاظ ہیں۔'' کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک دن مسجد سے اس حال میں گزرے کہ وہاں عورتوں کا ایک گروہ (بیٹھا ہوا) تھا۔ تو آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں سلام کہا۔''[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر عورتوں (کے ایک گروہ) پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے انھیں ''سلام'' کہا۔[2]

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 5204، جامع الترمذي، حديث: 2698، سنن ابن ماجه، حديث: 3701، نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے۔

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عمل اليوم و الليلة) حدیث: 224 اور اس کی اِسناد میں جابر بن یزید الجعفی راوی ہے جو کہ ضعیف ہے اور اسی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے۔''

اور صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ہم میں ایک عورت تھی۔ اور ایک روایت میں ہے: ''ہمارے پاس ایک بوڑھی عورت تھی۔ جو چقندر کی جڑیں حاصل کرتی ان کو ہنڈیا میں پکاتی، (یعنی سالن بناتی) اور (اسی طرح) جو کے دانے پیستی (اور گوندھ کر چپاتی بنالیتی) تو جب ہم نماز جمعہ پڑھ کر واپس پلٹتے تو ہم اس کو ''سلام'' کہتے تو وہ عورت (تیار شدہ اشیاء) ہمیں پیش کرتی۔''①

اور صحیح مسلم میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''کہ میں فتح مکہ کے دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرمارہے تھے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پردہ کیا ہوا تھا تو میں نے (اس حال میں) ''سلام'' کہا اور پھر انھوں نے ساری حدیث بیان کی۔''②

[**فصل**]: اور جہاں تک اہل ذمہ کو سلام کہنے کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے اور ان میں سے اکثریت نے اس بات کو قطعی طور پر صحیح کہا ہے کہ ان کو سلام کہنے میں ابتداء نہیں کرنی چاہیے۔ جبکہ دیگر حضرات کہتے ہیں: ''یہ طریقہ حرام تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے۔ اور اگر اہل ذمہ خود کسی مسلمان کو سلام کہہ دیں تو وہ ''سلام'' کے جواب میں «وَ عَلَيْكُمْ» کہے اور ان الفاظ پر اضافہ نہ کرے۔''

اور قاضی القضاۃ امام الماوردی رحمہ اللہ نے ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کا سامنا کرتے ہوئے کہا ہے: ''کہ ان کو ''سلام'' کہنے میں پہل کرنا جائز ہے مگر ''سلام'' کہنے والا صرف ان الفاظ پر اکتفاء کرے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ» کہ تجھ پر سلامتی ہو اور اسے جمع کے لفظ سے ذکر نہ کرے۔''

اور امام الماوردی رحمہ اللہ نے بالمشافہ یہ بھی کہا ہے: ''کہ اگر اہل ذمہ کسی مسلمان کو ''سلام''

① صحيح البخاري، حديث: 6248.

② صحيح مسلم، حديث: 336، صحيح البخاري، حديث: 280.

کہنے میں پہل کریں تو وہ جواب میں صرف «وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ» کہے اور «وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» کے الفاظ کا اضافہ نہ کرے۔ امام موصوف رحمہ اللہ کی یہ دونوں باتیں شاذ بھی ہیں اور مردود بھی۔'' (واللہ اعلم)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہودیوں اور عیسائیوں کو ''سلام'' کرنے میں پہل نہ کرو اور اگر تم راستے میں ان میں سے کسی ایک سے ملو تو اسے (راستے کی) تنگی کی جانب (چلنے پر) مجبور کر دو۔''[1]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اہلِ کتاب، (یعنی یہود و نصاریٰ) تم کو ''سلام'' کہیں تو تم «وَعَلَيْكُمْ» کے الفاظ کہو۔''[2]

اور صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم کو یہودی ''سلام'' کہیں تو ان کا کوئی ایک فرد ان الفاظ میں ''سلام'' کہتا ہے «اَلسَّامُ عَلَيْكَ» ''کہ تجھ پر موت وارد ہو۔'' تو ان کے ''سلام'' کے جواب میں صرف «وَعَلَيْكَ» کے الفاظ کہو۔''[3] اور اس مسئلہ میں اس قبیل کی احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں بہت زیادہ تعداد میں وارد ہوئی ہیں..... اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

---

① صحيح مسلم، حديث: 2167، سنن أبي داؤد، حديث: 5205، جامع الترمذي، حديث:2701.

② صحيح البخاري، حديث: 6258، صحيح مسلم، حديث: 2163، سنن أبي داؤد، حديث:5207، جامع الترمذي، حديث:3296.

③ صحيح البخاري، حديث: 6024، صحيح مسلم، حديث: 2164، اور الموطأ:960/2، اور سنن أبي داؤد، حديث:5206، اور جامع الترمذي، حديث:1603 اور «السّام» کا یہاں مطلب ''موت'' ہے۔

ابو سعد المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اگر کوئی شخص کسی کافر کو مسلمان خیال کرتے ہوئے ''سلام'' کہہ دے اور پھر حقیقت حال سے آگاہ ہو جائے تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے کہے گئے ''سلام'' کی واپسی کا مطالبہ ان الفاظ میں کہے: «رُدَّ عَلَيَّ سَلَامِيْ» کہ میرا سلام مجھ پر لوٹا دو۔ یہ الفاظ کہنے میں اصل غرض یہ ہونی چاہیے کہ وہ کافر پر بوکھلاہٹ اور وحشت طاری کر دے اور اس پر یہ بات واضح کر دے کہ میرے اور تیرے درمیان الفت و محبت کا کوئی معمولی تعلق بھی نہیں۔

روایت کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو ''سلام'' کہا تو جب آپ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ وہ یہودی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا پیچھا کیا اور کہا «رُدَّ عَلَيَّ سَلَامِيْ» کہ میرا ''سلام'' مجھ پر (واپس) لوٹا دیجیے۔''[1]

میں کہتا ہوں: کہ ہم کو امام مالک رحمہ اللہ کی الموطا[2] میں مروی یہ روایت ملی ہے: ''کہ امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کی بابت پوچھا گیا جو یہودی یا عیسائی کو سلام کہتا ہے تو کیا وہ ''سلام'' کہنے کے بعد اسے فسخ کرنے کا (اس سے) مطالبہ کر سکتا ہے؟ اس کے جواب میں امام موصوف رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نہیں۔ تو یہ امام موصوف رحمہ اللہ کا اپنا مذہب ہے'' جسے امام ابن العربی المالکی رحمہ اللہ نے بھی اپنایا ہے۔

اور ابو سعد المتولی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''اگر کوئی شخص اہل ذمہ میں سے کسی کو سلام کہنے کا ارادہ کرے تو وہ (السلام) کے الفاظ ادا کیے بغیر ''سلام'' کہے اور اس کی جگہ یہ کہے: «هَدَاكَ اللّٰهُ» کہ اللہ تجھے ہدایت سے نوازے۔ یا پھر یہ کہے: «أَنْعَمَ اللّٰهُ صَبَاحَكَ» کہ اللہ تیری صبح کو نعمتوں سے مالا مال کر دے۔''

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ مصنف رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کرنے والے کا ذکر نہیں کیا اور میں نے خود اسے ابن وہب رحمہ اللہ کی ''جامع'' میں پایا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ''شعب الایمان'' میں نکالا ہے: الفتوحات الربانیة: 5/344.

[2] الموطا: 2/960.

میں سمجھتا ہوں کہ جو بات ابوسعد المتولی رحمہ اللہ نے کہی ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ تو کوئی بھی مسلمان شخص ضرورت کے وقت ان جیسے دیگر الفاظ سے بھی ذمی شخص کو "سلام" کہہ سکتا ہے، مثلاً: «صُبِّحْتَ بِالْخَيْرِ، صُبِّحْتَ بِالسَّعَادَةِ، صُبِّحْتَ بِالْعَافِيَةِ، صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالسُّرُوْرِ، صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالسَّعَادَةِ، صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالنِّعْمَةِ، صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالْمَسَرَّةِ» کہ آپ کی صبح بھلائی کے ساتھ ہو۔ آپ کی صبح سعادتمندی کے ساتھ ہو۔ آپ کی صبح عافیت کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ تیری صبح خوشی و شادمانی سے لبریز کر دے۔ اللہ تعالیٰ تیری صبح کو موجب سعادتمندی بنادے۔ اللہ تعالیٰ تیری صبح کو نعمتوں (کے حصول) کا پیغام بنادے۔ اللہ تعالیٰ تیری صبح کو باعث مسرت و شادمانی بنادے۔" اور جب ذمی کو "سلام" کہنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ کچھ نہ کہے اس لیے کہ اس کو "سلام" کہنا حقیقت میں اپنی طرف سے اسے خوشی، غمخواری اور الفت و محبت کا پیغام دینا ہے جبکہ (بحیثیت مسلمان) کفار پر سختی اور شدت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے محبت و پیار اور نرمی کا برتاؤ کرنے سے ہمیں روکا گیا ہے لہٰذا ہمیں ان جیسے الفاظ سے ان کے بارے میں الفت و ہمدردی کا اظہار کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اور اصل حقیقت حال اللہ بہتر جانتے ہیں۔

## ذیلی کلام:

جب کسی مسلمان شخص کا کسی ایسی جماعت کے پاس سے گزر ہو جس میں مسلمان اور کافر یا پھر ایک مسلمان اور زیادہ کافر شریک ہوں تو سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں یا مسلمان کا دل میں ارادہ کرتے ہوئے، ان سب کو "سلام" کہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مسلمانوں، مشرکوں، بتوں کے پجاریوں اور یہودیوں سب کا اختلاط تھا تو آپ ﷺ نے ان سب کو "سلام" کہا۔[1]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6254، صحيح مسلم، حديث: 1798، جامع الترمذي، حديث: 2701.





ذیلی کلام:

اگر کوئی مسلمان شخص کسی کافر یا مشرک کو خط لکھتے ہوئے (شروع میں) سلامتی کے الفاظ لکھ دے تو اسے چاہیے کہ وہ آنحضرت کے درج ذیل رویہ کو جو انھوں نے ایک مشرک (کتابی) کو خط لکھتے ہوئے اپنایا تھا سامنے رکھتے ہوئے سلامتی یا ان جیسے دیگر الفاظ لکھے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی حدیث کے ضمن میں ہرقل (عیسائی بادشاہ) کے قصہ میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (خط کی پیشانی پر) لکھا: «مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ، اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ، سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی» کہ یہ خط (حضرت) محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روم کے عظیم بادشاہ ہرقل کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کا پیروکار رہو۔''[1]

ذیلی کلام:

ان الفاظ کے بارے میں ہے جنھیں کوئی شخص ''ذمی'' کی بیمار پرسی کرتے وقت کہتا ہے:

یہ بات جان لیجیے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ذمی شخص کی عیادت کے بارے میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ نے اسے مستحب گردانا ہے جبکہ دوسرے گروہ نے اس سے روکا ہے۔ اور الشاشی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: ''میرے نزدیک درست بات یہی ہے کہ یہ کہا جائے'' کہ کافر کی بیمار پرسی کلی طور پر جائز ہے۔'' اور اس عیادت میں قربت کا لحاظ حرمت کی اس قسم پر موقوف ہے جو اس کے پڑوس میں ہونے یا قریبی ہونے سے لاحق ہوتی ہے۔''

میں کہتا ہوں: '' کہ الشاشی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ یہ بات عمدہ ہے۔ اس لیے کہ:

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک یہودی خادم جو

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7، صحيح مسلم، حديث: 1773.

اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہو گیا تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے پاس اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ اس کے سر کے پاس بیٹھے اور فرمایا: «أَسْلِمْ» کہ "مسلمان ہو جا" تو اس (خادم) نے پاس بیٹھے ہوئے اپنے باپ کی جانب دیکھا۔ تو اس نے کہا: (اے بیٹے) ابو القاسم کی اطاعت کر تو اس پر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ تب آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے وہاں سے باہر تشریف لائے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو آتش (جہنم) سے بچالیا۔ ①

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت المسیب بن حزن (جو کہ) حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے والد محترم ہیں سے مروی روایت ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہی: "جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ان کے پاس اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: «يَا عَمِّ! قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کہ اے چچا! کہہ دو! ایک اللہ کے سوا (حق کے ساتھ) کوئی عبادت کے لائق نہیں ...... اور پھر طویل حدیث ذکر کی۔ ②

میں کہتا ہوں: "ذمی" کی عیادت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے اور اس کے سامنے اسلام کی خوبیوں کا تذکرہ کر کے اس کو اس پر انگیخت دلائے۔

نیز ایسی حالت میں پہنچنے سے قبل کہ جہاں پہنچ کر توبہ اور معافی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں جلد از جلد اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ اور اگر وہ اس کے حق میں دعاء کرنا چاہے تو اسے اس کی ہدایت وغیرہ کی دعاء کرنی چاہیے۔

**[فصل]**: وہ بدعتی و خرافی شخص اور وہ جو بڑے گناہوں میں لت پت ہو اور ان سے رجوع بھی نہ کرے تو ایسے لوگوں کو نہ "سلام" کرنا چاہیے اور نہ ان کے "سلام" کا جواب دینا چاہیے۔ یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم نے بھی کہی ہے۔ اور امام

---

① صحيح البخاري، حديث:1356، سنن أبي داؤد، حديث:3095.

② صحيح البخاري، حديث: 3884، صحيح مسلم، حديث: 24، سنن النسائي: 91,90/4.

ابوعبداللہ البخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کی دلیل درج ذیل احادیث کو بنایا ہے۔ جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر دو ساتھیوں کے بارے میں مروی ہمیں ملی ہے۔ جب یہ حضرات غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ تو وہ (حضرت کعب رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ مزید کہتے ہیں: ''اور میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا، پھر میں (دل میں) یہ کہتا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ''سلام'' کے جواب میں اپنے ہونٹوں کو حرکت دی ہے کہ نہیں۔''؟[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''کہ شراب پینے والوں کو سلام نہ کہو۔''

میں کہتا ہوں: ''کہ اگر کوئی شخص ظالم لوگوں کو سلام کہنے پر مجبور ہو جائے جیسے کوئی آدمی ان کے پاس آیا ہو اور اسے اس بات کا خطرہ لاحق ہو کہ اگر اس نے ان کو سلام نہ کہا تو یہ لوگ اس کے حق میں دین و دنیا وغیرہ کے اعتبار سے نقصان اور فساد کا سبب بنیں گے تو تب ان کو سلام کہہ دے۔

اور امام ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے: ''اہل علم نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں ان کو ''سلام'' کہے اور دل میں یہ نیت کرے کہ بے شک «سلام» اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کا (سلام کہتے وقت) مطلب یہ ہوگا: کہ اللہ تم پر نگہبان ہے۔

## **فصل**، اور بچوں کے پاس سے گزرنے پر ان کو ''سلام'' کہنا سنت (طریقہ) ہے۔ اس لیے کہ

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو ''سلام'' کہا اور فرمایا: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا۔'' اور

[1] صحيح البخاري، حديث:4418، صحيح مسلم، حديث:2769.

صحیح مسلم کی روایت میں جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، یہ ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔ ①

اور سنن أبي داؤد وغیرہ میں صحیحین کی إسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے قریب سے گزر ہوا جو کھیل رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ''سلام'' کہا اور یہی روایت امام ابن السنی رحمہ اللہ وغیرہ کی کتاب میں مروی ہمیں ملی ہے جس میں راوی کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو یہ الفاظ کہے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَاصِبْيَانُ» ''کہ اے بچو! تم پر (اللہ کی) سلامتی ہو۔'' ②

## باب، سلام کہنے کے آداب اور اس کے دیگر مسائل کے بارے میں

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: '' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' کہ سوار پیدل چلنے والے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد زیادہ لوگوں کو (پہلے) سلام کریں۔'' اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یہ آیا ہے: '' کہ چھوٹا بڑے کو، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد زیادہ لوگوں کو سلام (میں پہل) کریں۔'' ③

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ اور دیگر اہل علم رحمہم اللہ کہتے ہیں: '' کہ اس حدیث میں مذکور طریقہ سنت ہے۔ تو اگر کوئی شخص اس کے برعکس طرز عمل اختیار کرے، مثلاً: پیدل چلنے والا سوار یا

---

① صحيح البخاري، حديث: 6247، صحيح مسلم، حديث: 2168.

② سنن أبي داؤد، حديث: 5202، سنن النسائي، حديث: 331، یعنی عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ کتاب میں اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث: 226، علاوہ ازیں یہ حدیث صحیحین میں بھی مذکور ہے۔

③ صحيح البخاري، حديث: 6231، صحيح مسلم، حديث: 2160، سنن أبي داؤد، حديث: 5199،5198، جامع الترمذي، حديث 2705،2704.

پھر بیٹھا ہوا شخص گزرنے والے کو یا سوار کو سلام کہہ دے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ امام ابو سعد المتولی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام رحمہم اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے اور اسی بناء پر ہی اکثر لوگوں کا کم تعداد کو ''سلام'' کہنا اور بڑے شخص کا اپنے سے عمر میں چھوٹے کو سلام کہنے میں پہل کرنا مکروہ نہ ہوگا بلکہ یہ طریقہ اختیار کرنے سے صرف مستحقین لوگوں کو دوسروں پر ''سلام'' کہنے سے محروم کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ دوسروں نے (نیکی میں سبقت کرتے ہوئے) سلام کہنے میں ابتداء کر دی ہے۔ اور ''سلام'' کہنے کے یہ آداب اس وقت کے لیے ہیں جب دو آدمی یا دو فریق راستے پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کو ملیں ...... لیکن: اگر کوئی آدمی پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس یا ایک آدمی کے پاس آئے تو ہر حال میں بعد میں آنے والا ہی ''سلام'' کہے، خواہ وہ (عمر میں) چھوٹا ہو یا بڑا، تعداد میں کم ہوں یا زیادہ اور قاضی القضاۃ نے اس دوسرے طریقہ کو ''سنت'' کہا ہے جبکہ پہلے طریقہ کو محض ''ادب'' کا نام دیا ہے اور فضیلت میں سنت سے کم (درجے پر) رکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

**[فصل]:** امام المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جب کوئی آدمی ایک پوری جماعت کے پاس آئے تو ان میں سے ایک مخصوص گروہ کو سلام کہنے کا ارادہ کرے تو اس کا یہ عمل ''مکروہ'' ہوگا، اس لیے کہ ''سلام'' کہنے سے اصل مقصد لوگوں کے درمیان محبت و الفت پھیلانا ہے جبکہ ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے بعض لوگوں کو ''سلام'' کہنے میں خاص کرنا دیگر لوگوں کو وحشت میں مبتلا کر دینے کے مترادف ہے اور بسا اوقات یہ طرزِ عمل دشمنی کا بھی سبب بن جاتا ہے۔''

**[فصل]:** جب کوئی شخص بازار یا ایسے ہی انتہائی ہجوم والے راستوں پر جا رہا ہو (جہاں کثرت سے لوگوں کی آمد و رفت اور میل ملاقات ہوتی ہے) تو ایسے حالات میں قاضی القضاۃ امام الماوردی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''کہ ایسی جگہوں پر ''سلام'' بعض لوگوں کی جانب سے بعض (مخصوص) لوگوں کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ اس لیے کہ اگر وہ آدمی بازار وغیرہ میں گزرنے والے ہر شخص کو ''سلام'' کہے گا تو ایک تو وہ خود اس پر عمل نہ کر سکے گا اور دوسرے یہ کہ وہ ہر شخص کو اس کی مصروفیت سے ہٹا کر اس کو دوسرے معاملے میں

الجھا دے گا اور اس طرح وہ ﴿وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ کے حکم کو بھی بجا لانے سے قاصر ہوگا (کہ عرفِ عام کا لحاظ رکھ کر نیکی کی راہ دکھاؤ) امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں کہ یہ "سلام" کہنے سے اصل مقصود دو چیزوں میں سے کسی ایک کا حصول ہوتا ہے: کہ دوسرے کی محبت و الفت کا حصول یا پھر کسی ناپسندیدہ (اور نقصان دہ) چیز سے اپنی مدافعت۔"

[**فصل**]: امام ابو سعد المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب کوئی پوری جماعت کسی ایک آدمی کو "سلام" کہے اور وہ آدمی "وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" کہہ کر جواب دے۔ اور اس سے اس کا مقصد تمام لوگوں کو "سلام" کا جواب لوٹانا ہو تو اس طرح تمام افراد کے حق میں جواب لوٹانے کا فرض اس سے ساقط ہو جائے گا، جیسے وہ اگر ایک سے زیادہ جنازوں پر یکبارگی نماز جنازہ پڑھ لے تو وہ تمام جنازوں پر نماز پڑھنے کے فرض کو اس شخص سے ساقط کر دے گی۔"

[**فصل**]: قاضی القضاۃ امام الماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب انسان اتنی کم تعداد پر مشتمل جماعت میں آئے کہ اس کا ایک مرتبہ کا "سلام" ہی سب تک پہنچ جاتا ہے تو ایسی صورت میں تمام لوگوں کو سلام کہنے کے لیے ایک ہی بار کہے گئے "سلام" پر اکتفاء کر لے۔ بعد ازاں اگر وہ جماعت میں سے بعض لوگوں کو خاص طور پر (دوسری بار بھی اہتمام سے) سلام کہہ لے تو یہ ادب کا قرینہ ہے۔ اور اسی طرح ان لوگوں میں سے کسی ایک کا جواب لوٹا دینا ہی کافی ہوگا۔ لیکن اگر ایک سے زیادہ لوگ بھی جواب دے دیں تو یہ بھی ادب کا قرینہ ہے۔

امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: "اگر لوگوں کا اتنا بڑا اجتماع ہو جہاں ایک "سلام" سب تک نہ پہنچ پاتا ہو جیسے جامع مسجد میں یا کسی جلسہ گاہ میں لوگوں کا اجتماع وغیرہ تو ایسے حالات میں "مسنون سلام" کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں آنے والا شخص اجتماع گاہ میں داخل ہوتے وقت پہلی مرتبہ لوگوں پر نظر پڑتے ہی "سلام" کہے تو اس طرح وہ ان تمام لوگوں کے حق میں مسنون "سلام" کہنے والا شمار ہوگا جو اس کی آواز سن سکتے ہوں گے اور سننے والے ہر شخص پر اس "سلام" کا جواب دینا فرض کفایہ ہوگا۔ (مطلب یہ کہ فرض کفایہ کا حکم ان سب پر

لاگو ہوگا اور اگر ایک بھی ان میں سے سلام کا جواب دے دے تو باقی لوگوں سے سلام کے جواب کا فرض ساقط ہو جائے گا)

......اور اگر آنے والا شخص اس اجتماع گاہ میں بیٹھنا چاہتا ہو تو اس وقت اس پر سے بقیہ ان لوگوں کو "مسنون سلام" کہنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ جو اس کے "سلام" کی آواز نہ سن سکے تھے اور اگر آنے والا وہ شخص بعد والے ان لوگوں میں بیٹھنے کا ارادہ کر رہا ہو جو اس کے پہلے "سلام" کو بھی نہ سن سکے تھے تو اس مسئلہ میں ہمارے ائمہ کرام ؒ کے نزدیک دو آراء ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ: "پہلے لوگوں کو کہا گیا "مسنون سلام" ان کے لیے بھی کافی ہوگا اس لیے کہ وہ سب ایک ہی اجتماع میں شریک ہیں (اگرچہ اجتماع بہت ہی بڑا ہو) لہٰذا اگر آنے والا شخص ان لوگوں کو دوبارہ "سلام" کہتا ہے تو یہ ادب کے قرینے سے ہے۔ اور اس صورت میں اہل مسجد میں سے کوئی شخص بھی اس "سلام" کا جواب لوٹا دے تو باقی تمام اہل اجتماع سے اس فرضِ کفایہ کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ: "ان لوگوں کو مسنون سلام کہنے کا حکم ابھی باقی ہے جن تک اس شخص کے اجتماع میں بیٹھتے وقت پہلا سلام نہیں پہنچ سکا تھا تو ایسی صورت میں ان لوگوں کو مسنون سلام کہا جائے اور اس "سلام" کا جواب لوٹانا فرض ہوگا۔ اور دوسرے، (یعنی بعد والے) لوگوں کی طرف سے اس "سلام مسنون" کا جواب دینا پہلے لوگوں سے "سلام" کے جواب کا فرض ساقط نہیں کرتا۔ اور اصل حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔

[**فصل**]: اور یہ عمل مستحب ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بھی داخل ہوتے وقت "سلام" کہے، خواہ اس میں کوئی فرد واحد موجود نہ ہو اور وہ "سلام" ان الفاظ کے ساتھ کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ» کہ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (اللہ کی) سلامتی ہو۔ نیز اس کتاب کے آغاز میں بھی ہم نے اس بارے میں ذکر کیا ہے کہ آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کیا کچھ کہے۔" اسی طرح جب وہ مسجد یا کسی اور کے گھر میں داخل ہو اور وہاں کوئی آدمی موجود نہ ہو تب بھی «سلام» کہنا مستحب ہے اور سلام میں یہ الفاظ کہے:

«السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ»

''کہ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو، تم پر سلامتی ہو، اے گھر والو! اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔''

[**فصل**]: جب آدمی اپنی قوم کے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا ہو، پھر وہاں سے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو سنت طریقہ یہ ہے کہ ان کو (جاتے وقت) ''سلام'' کہے۔

سنن أبي داود، سنن الترمذی اور ان کے علاوہ دیگر کتب سنن میں جید أسانید کے ساتھ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ایک کسی ''مجلس'' میں آئے تو وہ سلام کہے اور جب وہ وہاں سے اٹھ کر واپس جانے کا ارادہ کرنے لگے تو (تب بھی) سلام کہے...... الحدیث''[1]

میں کہتا ہوں: ''اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس مجلس کے لوگوں پر اس شخص کے سلام کا جواب لوٹانا واجب ہے، جس نے آتے ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے بھی ان کو ''سلام'' کہا ہے۔ نیز دو امام، القاضی حسین اور ان کے ہم عصر ابوسعد المتولی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ''کہ بعض لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ وہ قوم کے لوگوں سے علیحدگی کے وقت بھی ''سلام'' کہتے ہیں اور یہ ''سلام'' کہنا چونکہ دعاء کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا اس کا جواب ''مستحب'' ہے واجب نہیں۔ اس لیے کہ ''تحیہ'' (یعنی اصل سلام) پہلی ملاقات کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وہاں سے اٹھ کر واپس جاتے وقت۔ اور ان دونوں اماموں رحمہما اللہ کے اس قول کو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے امام ابوبکر الشاشی رحمہ اللہ نے رد کیا

---

[1] سنن أبي داؤد، حديث: 5208، جامع الترمذي، حديث: 2707، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام نسائی نے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ''الأدب المفرد'' میں اور اسی طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں نکالا ہے۔ جبکہ امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ'' میں حدیث: 369 ہے۔ اور مسند أحمد 2/439,287,230 میں بھی ذکر ہوئی ہے۔

ہے اور کہا ہے کہ یہ قول ''فاسد'' ہے۔ اس لیے کہ مجلس سے واپسی پر ''سلام'' کہنا سنت ہے۔ جس طرح کہ کسی مجلس میں آتے وقت سلام کہنا سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے (امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ) کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ اور جو بات امام ابوبکر الشاشی رحمہ اللہ نے کہی وہی درست ہے۔'' (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

[**فصل**]: جب کوئی شخص ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کے قریب سے گزرے اور اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر اس نے انھیں سلام کہا تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔ اور یہ اس لیے کہ یا تو جسے ''سلام'' کہا جا رہا ہے وہ متکبر شخص ہے یا پھر وہ سلام کہنے والے کو اور خود سلام کو بھی اہمیت نہیں دیتا اور یا پھر وہ ان کے علاوہ کسی اور سبب کی بناء پر ایسا کرتا ہے تو اس گمان کی بناء پر اسے ''سلام'' سے پہلو تہی نہیں برتنی چاہیے بلکہ وہ ''سلام'' کہے۔ اس لیے کہ ''سلام'' کہنے کا شرعی حکم ہے اور گزرنے والے کو یہ ''سلام'' کہنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ اس بات کا کہ وہ اپنے سلام کا (اپنے مدمقابل سے) جواب بھی حاصل کر کے رہے۔ باوجودیکہ بسا اوقات جس پر اس کا گزر ہو رہا ہے (خلافِ توقع) گزرنے والے شخص کے خیال کے برعکس ''سلام'' کا جواب بھی لوٹا دیتا ہے۔

اور کسی شخص کا (جس کے پاس سرے سے کوئی تحقیق ہی نہیں) یہ کہنا: ''کہ ایسی صورت میں گزرنے والے شخص کا دوسرے کو سلام کہنا (جبکہ وہ جواب لوٹانے پر تیار نہ ہو) اس کو گناہ میں ملوث کرنے کا سبب ہوگا۔ اس کی واضح جہالت اور حقیقت سے دور کی غفلت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ محض اس قسم کے خیالات کی بناء پر شرعی احکام پر عمل ساقط نہیں ہو جاتا جن پر عمل کا شریعت میں حکم دیا گیا ہو۔ اگر ہم اس قسم کے فاسد خیالات کا لحاظ رکھنا شروع کر دیں تو پھر ہم اس برائی کرنے والے شخص کو بھی برائی سے روکنا چھوڑ دیں گے، جس نے جہالت کی بناء پر وہ کام کیا ہو اور اپنی غفلت اور کم علمی کی بناء پر اسے اس کام کے گناہ ہونے کا بھی علم نہ ہو اور ہمارا اس کے بارے میں غالب گمان بھی ہو کہ وہ ہمارے کہنے سے اپنی اس بری عادت سے باز نہ آئے گا۔ (اور یہ بھی حقیقت ہے) کہ اگر وہ شخص ہمارے اس برے کام

سے روکنے اور اس کو اس برائی کی نشاندہی کرانے کے باوجود چھوڑے گا نہیں تو وہ گناہ گار متصور ہو گا (تو کیا ہم پھر اس کو برائی سے منع کرنا چھوڑ دیں گے، ہرگز نہیں ) اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ان جیسے حالات میں بھی برائی کے سدباب سے نہیں رکیں گے (اور ہمت کی حد تک اس کا قلع قمع کریں گے ) نیز اس قسم کی مثالیں اور واقعات بہت زیادہ تعداد میں ملتے ہیں۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب «عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» میں جلیل القدر حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے سلام کا جواب دیا تو وہ اس کے لیے ہے، (یعنی وہ اس کا اجر وثواب پالے گا ) اور جس شخص نے ''سلام'' کا جواب نہ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، (یعنی وہ شخص ہمارے طریقے پر نہیں ) [1]

اور اس شخص کے لیے مستحب ہے جو کسی انسان کو سلام کہے تو اس کا جواب اسے نہ لوٹایا جائے، کہ وہ اسے انتہائی نرم انداز سے یہ کہے: '' کہ سلام کا جواب لوٹانا واجب ہے۔ لہٰذا تجھے چاہیے تھا کہ سلام کا جواب دیتا۔'' تاکہ تجھ سے اس فرض کا بوجھ ساقط ہو جاتا۔'' (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

## باب، گھروں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب: 207، اور اس حدیث کے پورے الفاظ یوں ہیں: (ترجمہ) کہ سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو ''سلام'' کہے اور تعداد میں کم لوگ زیادہ لوگوں کو ''سلام'' کہیں تو جس شخص نے سلام کا جواب دیا تو وہ اس کے لیے ہے اور جس شخص نے سلام کا جواب نہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے ''الأدب المفرد'' میں روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: الفتوحات الربانیة:5/367.





تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝﴾

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لیے سراسر بہتر ہے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''①

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

''اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان کے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انھیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے۔''②

اور صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کہ گھر میں داخلے سے پہلے) تین مرتبہ اجازت طلب کرنا ہوگی اگر تجھے اجازت دے دی جائے تو داخل ہو جا ورنہ واپس لوٹ جا۔③

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے۔

اسی طرح صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے (گھروں میں داخلے سے قبل) اجازت کا طلب کرنا ''غضِ بصر'' (یعنی نگاہ کی حفاظت کے لیے) ہے۔''④

اور تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کی روایت ہم کو بہت زیادہ سمتوں سے ملی ہے۔ اور

---

① النور 27 .　② النور 59 .

③ صحيح البخاري، حديث: 6245,6244، صحيح مسلم، حديث: 2153، الموطا: 964,963/2، سنن أبي داؤد، حديث5184,5183,5182,5181,5180، جامع الترمذي، حديث:2691 .

④ صحيح البخاري، حديث:6241، صحيح مسلم، حديث: 2156، جامع الترمذي، حديث:2710، سنن النسائي61,60/7 .

سنت یہی ہے کہ آدمی پہلے سلام کہے اور پھر اجازت مانگے اور دروازے کے پاس ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے اس کی نظر گھر میں موجود کسی فرد پر نہ پڑ سکے، پھر وہ یہ الفاظ کہے: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہ اللہ کی تم پر سلامتی ہو۔ کیا میں گھر میں داخل ہو سکتا ہوں؟ تو اگر کوئی (اہل خانہ میں سے) اس کی آواز کا جواب نہ دے تو دوسری مرتبہ یہی الفاظ دہرائے اور (جواب نہ ملنے پر)، پھر تیسری مرتبہ یہی الفاظ کہے، پھر اس کے باوجود اس کو جواب نہ ملے تو واپس لوٹ آئے۔"

اور سنن أبي داود میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ربعی بن حراش (''حاء'' کے کسرہ اور آخری حرف ''شین'' کے ساتھ پڑھا گیا ہے) جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ بنو عامر میں سے ایک آدمی نے ہمیں بتایا کہ اس نے نبی محترم ﷺ سے گھر آنے کی اجازت مانگی اس حال میں کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے۔ تو اس نے کہا: ''کیا میں (گھر میں) داخل ہو سکتا ہوں؟'' اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: ''اس آدمی کی طرف جایئے اور اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھایئے۔ اور اسے یہ کہیے کہ یوں کہو: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟» کہ اللہ کے تم پر سلامتی ہو کیا میں (گھر میں) داخل ہو سکتا ہوں؟ تو اس آدمی نے یہ بات سنی اور کہا:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟»

''تب اللہ کے نبی ﷺ نے اسے اجازت دی اور وہ اندر داخل ہوا۔''[1]

سنن أبي داود اور سنن الترمذی میں حضرت کلدہ بن الحنبل صحابی رسول ﷺ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کے گھر میں داخل ہونا چاہا مگر میں نے ''سلام'' نہیں کہا۔ تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''واپس لوٹ جایئے اور یہ الفاظ کہیے: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟» کہ آپ پر سلامتی ہو کیا

---

① سنن أبي داؤد، حدیث 5177، 5178، 5179، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

میں ( گھر میں ) داخل ہوسکتا ہوں؟ [1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ لفظ کلدۃ کاف اور لام کے فتح، (یعنی زبر ) کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور لفظ اَلْحَنْبَلْ ''حاء'' کے فتح کے ساتھ اور اس کے بعد نون ساکن، پھر با اور پھر لام کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اور یہ بات جو ہم نے ذکر کی ہے کہ'' اجازت طلب کرنے سے پہلے ''سلام'' کہنا چاہیے صحیح اور درست ہے۔''

اور امام الماوردی رحمہ اللہ نے اس میں تین وجوہات ذکر کی ہیں: ان میں سے پہلی تو ذکر کردی گئی ہے اور دوسری یہ ہے کہ ''سلام'' سے پہلے اجازت لینی چاہیے اور تیسری یہ ہے کہ آدمی کو اس میں اختیار ہے۔ (وہ حالات کے مطابق چاہے تو سلام پہلے کرلے اور اگر چاہے تو ''سلام'' سے قبل اجازت طلب کرلے )، یعنی اگر اجازت طلب کرنے والے کی نظر گھر کے مالک پر گھر میں داخل ہونے سے پہلے پڑ جائے تو ایسی صورت میں پہلے اسے سلام کہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر پہلے اجازت مانگ لے بعد ازاں ''سلام'' بھی کہہ لے۔

اور اگر آنے والا شخص تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اسے داخلے کی اجازت نہ ملے لیکن اس کا خیال یہ ہو کہ اس کی آواز ہی سرے سے نہیں سنی جاسکی تو کیا ایسی صورت میں تین سے زیادہ مرتبہ وہ اجازت طلب کرے یا نہ کرے۔ تو امام ابوبکر رحمہ اللہ بن العربی المالکی نے اس مسئلہ میں تین مذاہب حکایت کیے ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ مزید اجازت طلب کرسکتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ مزید اجازت طلب نہیں کرسکتا۔ اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے پہلی مرتبہ ''اجازت طلب کرنے'' کے الفاظ ادا کیے تھے۔ تو پھر وہ مزید یہ الفاظ نہ دہرائے اور اگر پہلی بار اس نے اجازت طلب کرنے کے صریح الفاظ استعمال نہیں کیے تھے تو پھر وہ مزید

---

[1] سنن أبي داؤد، حديث: 5176، جامع الترمذي، حديث: 2711، نیز امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور حدیث: 315 امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں۔ اور المسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں 3/ 414 میں ذکر ہوئی ہے۔

اجازت بھی طلب کر سکتا ہے...... پھر امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی تین سے زیادہ مرتبہ اجازت نہ طلب کرے اور اسی کو انھوں نے صحیح کہا ہے اور اسی کا سنت (رسول ﷺ) تقاضا بھی کرتی ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعلَمُ)

[**فصل**]: جب کوئی شخص کسی آدمی کے گھر داخلے کی اجازت سلام کہہ کر یا دروازہ کھٹکھٹا کر طلب کرے اور اس کو آگے سے کہا جائے کہ آپ کون ہیں؟ تو اسے چاہیے کہ وہ (واضح الفاظ کے ساتھ) کہے: فلاں بیٹا فلاں کا یا فلاں شخص فلانی عورت یا فلاں شخص جو فلاں لقب یا کام کی نسبت سے مشہور ہے۔ یا اسی قسم کے الفاظ (جو فوری طور پر اس کی پوری شخصیت کو متعارف کرا دے) اور ایسے موقع پر محض ان جیسے الفاظ پر اکتفا کرنا مکروہ، (یعنی ناپسندیدہ) ہے، مثلاً: (وہ کہے) ''میں ہوں۔ یا خادم (ملازم) ہوں یا بچہ ہوں یا آپ کے دوستوں میں سے ایک دوست ہوں۔ یا اسی طرح کے دیگر الفاظ (جو اس کی شخصیت کو متعارف کرانے کے بجائے گھر والے کو پریشان اور تردد میں ڈال دیں)۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی اسراء کے مشہور واقعہ سے متعلق ہمیں روایت ملی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پھر جبرائیل (علیہ السلام) مجھ کو آسمانِ دنیا، (یعنی پہلے آسمان) کی طرف لے چڑھے اور آسمان (کے دروازے) پر دستک دی تو کہا گیا: ''یہ کون ہے''؟ (جواب میں) کہا گیا: جبرائیل علیہ السلام ہوں، پھر کہا گیا: اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا: ''محمد (ﷺ) ہیں، پھر جبرائیل مجھے لے کر دوسرے آسمان اور پھر تیسرے آسمان اور اسی طرح باقی سارے آسمانوں کی طرف لے کر چلے اور ہر آسمان کے دروازے پر کہا جاتا: ''یہ کون ہے۔'' تو جواب میں کہتے: ''جبرائیل (ہوں)''[1]

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ بئر ''بستان'' پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہیں''؟ کہنے لگے: ابوبکر ہوں، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں

[1] صحيح البخاري، حديث: 2887، صحيح مسلم، حديث: 162.

نے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہیں۔ کہنے لگے: عمر ہوں ۔ بعد ازاں عثمان رضی اللہ عنہ بھی آئے اور اسی طرح کہا جیسے پہلے دو حضرات نے کہا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ویسا ہی جواب دیا گیا...... [1]

اور صحیحین میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے ۔ وہ کہتے ہیں: میں نے اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں آنا چاہا تو دروازے پر دستک دی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہیں؟ تو میں نے جواب دیا: «أَنَا» میں ہوں ۔ تو آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: «أَنَا أَنَا» میں ہوں، میں ہوں ۔ گویا کہ آپ ﷺ ایسے کہہ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرما رہے تھے۔ [2]

[**فصل**]: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر آنے والا شخص (تعارف میں) اپنا وہ وصف بیان کر دے جس کی بناء پر وہ معروف ہو (خاص طور پر) جب مخاطب بھی اس کے اس وصف کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا ہو، خواہ وہ اس صورت میں اپنی کوئی اعزازی اور قابل فخر و عزت کنیت کا ہی ذکر کرے یا وہ یہ کہہ دے: ''کہ میں فلاں مفتی ہوں یا قاضی (جج) ہوں یا فلاں شیخ ہوں یا اسی قسم کے دیگر الفاظ۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا (اور ان کا مشہور نام فاختہ

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 3674، صحیح مسلم، حدیث: 29,2403، بئر بستان سے مراد ''بئر اریس'' ہے جو قباء بستی میں واقع تھا اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت دروازے کے محافظ تھے۔ جیسا کہ صحیح میں وارد ہوا ہے۔ جب یہ تینوں حضرات دروازے پر پہنچے تو ان کے لیے حضرت ابو موسیٰ نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی۔ تو آپ ﷺ نے ان کے لیے اجازت مرحمت فرما دی۔ اس حدیث میں محل استشہاد و استدلال یہ ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک نے جب اجازت طلب کی تو اسے کہا گیا: '' یہ کون ہیں۔'' تو جواب میں ہر ایک نے اپنا واضح نام لیا۔ دیکھیے: الفتوحات:5/375.

[2] صحیح البخاري، حدیث: 625، صحیح مسلم، حدیث: 2155، سنن أبي داؤد، حدیث: 5187، جامع الترمذي، حدیث: 2712، امام نسائی کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، حدیث: 328.

ہے۔ نیز فاطمہ اور ہند بھی کہا گیا ہے ) سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''میں اللہ کے نبی ﷺ کے گھر آئی اور آپ ﷺ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ کی دختر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ پر پردہ کیا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ام ہانی ہوں۔''①

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے (جن کا نام جندب ہے اور ''بریر'' بھی کہا گیا ہے، یعنی ''باء'' کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ بر کی تصغیر ہے ) سے مروی ہمیں یہ روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ایک رات میں باہر نکلا تو اچانک اللہ کے رسول ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ تنہا چل رہے ہیں تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ چاند کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا تب آپ ﷺ نے میری طرف نظر التفات فرمائی اور فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: ''ابوذر ہوں۔''②

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ الحارث بن ربعی رضی اللہ عنہ سے مروی ''حدیث المیضاۃ'' جو اللہ کے رسول ﷺ کے بہت سارے معجزات اور علوم وفنون کے مجموعات پر مشتمل ہے، ہمیں ملی ہے۔ اس میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پس اللہ کے نبی ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ''یہ کون ہے''؟ میں نے کہا: ''ابوقتادہ ہوں۔''③

میں کہتا ہوں ''کہ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں ایسے الفاظ اور انداز کا ذکر صرف ضرورت کی بناء پر ہے نہ کہ فخر و ریاکاری کی بناء پر۔'' اور اسی مفہوم کے قریب قریب ایک یہ بھی روایت ہے: جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (جن کا صحیح ترین قول کے مطابق اصل نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے ) سے مروی ہم کو ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے کہا:

---

① صحيح البخاري، حديث: 280، صحيح مسلم، حديث72,336.

② صحيح البخاري، حديث:6443، صحيح مسلم، حديث: 94، 688/2.

③ صحيح مسلم، حديث: 681 اور ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت سے نوازے...... اور پھر یوں پوری حدیث یہاں تک ذکر کی ...... کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پس میں لوٹا اور میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو قبول فرمالیا اور ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت سے مشرف فرمایا۔''[1]

## باب، سلام کے بارے میں چند فروعی مسائل

[**مسئلہ**]: ابوسعد المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حمام سے باہر نکلتے وقت سلام کے طور پر کسی کو یہ الفاظ کہنا «طَابَ حَمَّامُكَ» آپ کا حمام عمدہ ہو (یا آپ کے لیے حمام آنا اچھا ثابت ہو) کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو جو کہ حمام سے نکلا تھا کہا: («طَهُرْتَ فَلَا نَجِسْتَ») ''کہ تم پاک رہو (اور کبھی) نجس نہ ہو۔''

میں کہتا ہوں: کہ ایسے مواقع پر اس قسم کے الفاظ ادا کرنے کے بارے میں کوئی بھی صحیح دلیل نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ازروئے محبت والفت اور (دوسرے شخص کی) شفقت کے حصول کی خاطر اس قسم کے الفاظ کہتا ہے: «اَدَامَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَكَ النَّعِيْمَ» ''کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمتیں قائم ودائم رکھے'' تو کوئی حرج نہیں۔

[**مسئلہ**]: اگر گزرنے والا شخص دوسرے شخص کو یہ الفاظ کہے: «صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ» یا «صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالسَّعَادَةِ» کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صبح بھلائی اور نیکی کے ساتھ لائے۔ یا اللہ تعالیٰ آپ پر سعادت مندی اور خوش بختی کی صبح یا دن لائے۔ یا وہ اس قسم کے الفاظ ادا کرے: «قَوَّاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ لَا اَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكَ» کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قوت بخشے اور اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو (دوسرے کے لیے) باعث خوف وخطر نہ بنائے یا اسی طرح کے دیگر الفاظ سے مخاطب کرے جنھیں لوگ عادتاً، استعمال کرتے ہیں تو وہ جواب کا حقدار نہیں ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2491۔

لیکن اگر کوئی شخص اس کو آگے سے کوئی دعائیہ کلمات کہہ کر جواب دے تو یہ اچھا عمل ہے۔ یا پھر اس کو "سلام" کہنے میں سستی برتنے اور غفلت کا مظاہرہ کرنے کی بناء پر اور ڈانٹ ڈپٹ اور ادب سکھلانے کی غرض سے، نیز اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی "سلام" کی ابتداء میں اہتمام کرنے کی وجہ سے کلی طور جواب دینے سے احتراز برتنا چاہیے۔

[**فصل**]: اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہے اور اگر تو وہ اس کے زہد و پارسائی یا اس کے علم و فضل اور اس کے شرف و صیانت یا اسی طرح کے دیگر دینی امور میں اس کے تفوق کی وجہ سے ایسا کر رہا تو یہ مکروہ (ناپسندیدہ) عمل نہیں بلکہ مستحب ہے، اور اگر وہ اس کے مال و ثروت، دنیوی شان و شوکت اور جاہ و حشمت اور دنیا دار لوگوں کے ہاں اس کی وجاہت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو یہ سخت ناپسندیدہ عمل ہے اور ہمارے ائمہ کرام میں سے ابوسعد المتولی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سرے سے جائز نہیں اور یہ کہہ کر انھوں نے اس کے حرام ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔" (واللہ أعلم)۔

سنن أبي داود میں حضرت زارع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے اور وہ "وفد عبدالقیس" میں شامل تھے۔ کہتے ہیں "ہم اپنی سواریوں سے جلدی اترنا شروع ہوئے کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیں۔"[1]

میں کہتا ہوں: "لفظ زارع" «زَارَعَ الْحِنْطَةَ وَ غَيْرَهَا» یعنی اس نے گندم وغیرہ بوئی۔ کے طریق پر ہے۔

اور سنن أبي داود میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ قصہ ہمیں ملا ہے جس میں یہ ذکر ہوا ہے: "پس ہم اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔"[2]

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 5225 اور اس کی إسناد حسن ہے۔ دیکھیے: مختصر سنن أبي داود۔ حافظ منذری: 91/8.

[2] سنن أبي داود، حديث: 5223 اور امام ابوعیسیٰ ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس قصے کو اپنی اپنی کتابوں میں نکالا ہے اور یہ قصہ غزوہ موتہ میں پیش آیا...... نیز امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مگر ⇐ ⇐

اور جہاں تک آدمی کا اپنے چھوٹے بیٹے اور بھائی کے رخسار کو بوسہ دینے اور اسی طرح ان کے رخسار کے اطراف میں دیگر جگہوں کو چومنے کا بطورِ شفقت و رحمت، پیار و محبت اور قرابت داری وصلہ رحمی کے تعلق ہے تو یہ سنت (طریقہ) ہے اور اس بارے میں بہت زیادہ تعداد میں صحیح اور مشہور احادیث وارد ہوئی ہیں۔ خواہ بچہ لڑکا ہو یا لڑکی اور اسی طرح آدمی کے دوست کے بیٹے اور اس کے علاوہ دیگر لوگوں کے چھوٹے بچوں کو بوسہ دینے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر بوسہ شہوت کے جذبے سے ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہے اور حکم میں والد اور دیگر سب برابر ہیں۔ بلکہ اس کی طرف شہوت بھری نظر سے دیکھنا بھی بالاتفاق حرام ہے خواہ وہ بچہ رشتے میں قریبی ہو یا اجنبی ہو۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت اقرع بن حابس تمیمی تھے، تو اقرع کہنے لگا: بے شک میرے پاس دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی (آج تک) بوسہ نہیں دیا۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: «مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ» کہ جو (کسی پر) رحم نہیں کرتا اس پر (بھی) رحم نہیں کیا جاتا۔"①

اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: "چند بدوی لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: "تم لوگ اپنے بچوں کو بوسے دیتے ہو" تو انھوں نے کہا: "ہاں۔" اس پر وہ (بدوی) کہنے لگے: لیکن ہم اللہ کی قسم!

⇐ ذکر نہیں کیا۔ اور امام الہیثمی رحمہ اللہ مجمع الزوائد 42/8، پر رقمطراز ہیں: "کہ اسے امام ابو یعلی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد راوی ہے جو کہ «لَیِّنُ الْحَدِیْثِ» ہے جبکہ اس کی سند کے بقیہ رجال، صحیح کے راوی ہیں۔

① صحيح البخاري، حديث: 5997، صحيح مسلم، حديث: 2319، سنن أبي داؤد، حديث: 5218، جامع الترمذي، حديث: 1912.





بوسے نہیں دیتے۔ تب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں اس چیز پر دسترس رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہارے دلوں میں سے) رحمت کو نکال لیا ہو''[1] یہ ایک روایت کے الفاظ ہیں۔ اور روایت دیگر الفاظ سے بھی مروی ہے۔

اور صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو پکڑا اس کو بوسہ دیا اور اسے (بعدازاں) سونگھا۔''[2]

اور سنن أبي داود میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ میں پہلی بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ منورہ میں آیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بخار میں مبتلا لیٹی ہوئی تھیں تو ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: ''اے میری بچی! تمہارا کیا حال ہے'' اور پھر ان کے رخسار کو بوسہ دیا۔''[3]

اور امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ کی سنن کی کتابوں میں ''صحیح أسانید'' کے ساتھ حضرت صفوان بن عسال الصحابي رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے (اور لفظ ''عسال'' عین کے فتح اور سین کی شد کے ساتھ پڑھا گیا ہے) وہ کہتے ہیں: ''ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا: ''ہمیں اس نبی ﷺ کے پاس لے چلو تو وہ دونوں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے نو واضح نشانیوں، (یعنی معجزات) کے بارے میں پوچھا...... پھر راوی نے پوری حدیث ذکر کی...... یہاں تک کہا: ''تو انھوں آپ ﷺ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5998، صحيح مسلم، حديث: 2317.

[2] صحيح بخاري: " كتاب الأدب۔" باب: بچے کی رحمت اور اس کو بوسہ دینے کے بارے میں۔ 426/10، صحيح مسلم، حديث: 2316، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (نبی محترم ﷺ کے اپنے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بوسہ دینے کے بارے میں)۔

[3] سنن أبي داود، حديث: 5322 اور اس کی إسناد حسن ہے۔ اور امام ابن الاثیر ''جامع الاصول'' 416/1، پر رقمطراز ہیں: ''کہ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں نے جملہ حدیث میں نکالا ہے۔''




کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور کہنے لگے: ''ہم گواہی دیتے کہ آپ ﷺ (اللہ کے سچے) نبی ہیں۔''①

اور سنن أبي داؤد میں صحیح، روشن سند کے ساتھ حضرت ایاس بن دَغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ میں نے حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ کو، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔''②

...... میں کہتا ہوں (أَبُوْ نَضْرَۃ) کا اصل نام منذر بن مالک بن قطعہ ہے جو کہ ثقہ تابعی ہیں۔ اور لفظ «دَغْفَل» پڑھا گیا ہے۔ دال کے فتح، عین کے سکون اور فاء کے فتح کے ساتھ۔ اسی طرح ''أَبُوْ نَضْرَۃ'' بھی (جیسا کہ اعراب سے واضح ہے)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ وہ اپنے بیٹے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ''شیخ، (یعنی بزرگ) پر تعجب کرو کہ وہ شیخ (بزرگ) کو بوسہ دیتا ہے۔''③

اور حضرت سہل بن عبداللہ التستری جو کہ جلالت، شرافت اور بزرگی کے اعتبار سے امت کے بڑے عبادت گزار اور پرہیزگاروں میں سے ایک ہیں، وہ ابوداؤد السجستانی کے پاس آیا کرتے اور ان سے کہتے: ''اپنی اس زبان کو نکالیے جس سے آپ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں تاکہ میں اس کو چوم سکوں، پھر آپ اس کو بوسہ دیتے تھے۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے اس موضوع سے متعلق اتنے افعال ملتے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں ......

---

① جامع الترمذي، حدیث: 2734 اور امام نسائی نے السنن الکبریٰ میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن'' میں حدیث 3705 اور یہ حدیث حسن ہے۔

② سنن أبي داؤد، حدیث: 5221، ابن علان کہتے ہیں: شاید امام نووی رحمہ اللہ نے یہاں سند کی ''ملاحت'' یعنی چمک دمک سے مراد اس کا ''عالی'' ہونا لیا ہے جیسا کہ یہ (سند کے اعتبار سے) امام ابوداؤد کی رباعیات میں سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے اس سے مراد اس کی عمدگی اور اس کے راویوں کی ثقاہت مراد لی ہو۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 5/387.

③ ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس روایت کو ابن أبي خیثمہ رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نکالا ہے۔




اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

[**فصل**]: برکت کے حصول کی خاطر کسی نیک شخص کی میت کے چہرے کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح آدمی کا اپنے کسی دوست (یا ساتھی) کو جب وہ سفر یا اسی طرح کی کسی اور مہم سے فراغت کے بعد واپس پلٹے، بوسہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں طویل حدیث ملی ہے، جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اندر) داخل ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے پردہ اٹھایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا، پھر رو پڑے۔''[1]

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ پس وہ، (یعنی زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دروازے پر دستک دی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جلدی سے) اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے ان کی طرف آئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگا لیا اور بوسہ دیا۔''[2]

اور بچے کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اور جو سفر وغیرہ سے واپس نہ آیا ہو کو بوسہ دینا اور ان کو گلے لگا کر ملنا دونوں مکروہ عمل ہیں اور اسی بات پر ہی ہمارے ائمہ کرام میں سے ابو محمد البغوی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم رحمہم اللہ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ نیز اس عمل کے مکروہ ہونے پر درج ذیل روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ جو کہ:

امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی سنن کی کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ایک آدمی نے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے آدمی (جس وقت) اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملتا ہے تو کیا اس کے لیے ٹیڑھا ہوتے

---

① صحيح البخاري، حديث: 4452، حديث: 4453.

② جامع الترمذي، حديث: 2733.

ہوئے مڑ کر اس سے مل سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس آدمی نے (پھر) کہا: تو کیا وہ اس کو اپنے ساتھ چمٹا لے اور اس کو بوسہ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس آدمی نے (پھر) کہا: '' تو کیا، پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے۔ (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔''[1]

میں کہتا ہوں: '' جو کچھ ہم نے کسی کو بوسہ دینے اور معانقہ کرنے کے بارے میں یہاں ذکر کیا ہے، تو کسی شخص کے سفر سے واپسی کے موقعہ پر ایسا کرنے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن اس کے علاوہ دیگر مواقع پر یہ عمل مکروہ تنزیہہ، (یعنی ناپسندیدہ عمل) ہے، مثلاً: کسی ڈاڑھی والے مگر خوبصورت چہرے والے کو بوسہ دینا اور اس سے معانقہ وغیرہ کرنا۔ لیکن اگر کوئی امرد (نوخیز یعنی جسے ابھی ڈاڑھی نہ آئی ہو) اور خوبصورت چہرے والا ہے تو اسے ہر حال میں بوسہ دینا حرام ہے۔ خواہ وہ سفر سے واپس آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو گلے لگا کر ملنا اسے بوسہ دینے کی طرح ہی ہے یا اس سے قریب تر ہے۔ اور اس صورت میں بوسہ دینے والے اور وہ جسے بوسہ دیا جا رہا ہے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ کہ آیا وہ دونوں نیک آدمی ہیں یا بد۔ یا ان دونوں میں سے ایک نیک ہے اور دوسرا برا۔ لہٰذا اس حکم میں سب برابر ہیں۔ نیز ہمارے نزدیک صحیح مذہب کے مطابق اُمرد، (یعنی بغیر ڈاڑھی والے نوخیز) اور خوبصورت لڑکے کی طرف محض نظر بھر کر دیکھنا بھی حرام ہے۔ خواہ اس کی طرف شہوت کے بغیر ہی ہو۔'' اس لیے کہ اس طرح وہ فتنہ سے مامون ہو جائے گا۔ پس مفہوم کے اعتبار سے یہ عورت کو دیکھنے کی طرح ہے، لہٰذا حرام ہے۔''[2]

## فصل، مصافحہ کے بارے میں

یہ جان لیجیے کہ ملاقات کے وقت مصافحہ، (یعنی دونوں کا ہاتھوں کو ملا کر سلام کہنا) ایسی

---

① جامع الترمذي، حديث:2729، سنن ابن ماجه، حديث:3702.

② اور میں نے یہ سب ''شرح المہذب'' کے ''کتاب النکاح'' کے شروع میں واضح کر کے رقم کر دیا ہے۔

سنت ہے جس پر (ملت اسلامیہ کے علماء کا) اتفاق ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مصافحہ (مشروع) تھا۔ تو انھوں نے کہا: ''ہاں۔''①

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ان کی توبہ کا قصہ ذکر ہوا ہے میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ (حضرت کعب رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: ''(توبہ کی قبولیت کے بعد) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے میری طرف آئے یہاں تک کہ انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔''②

اور صحیح اسناد کے ساتھ سنن أبي داود میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' کہ جو بھی دو مسلمان آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں تو ان دونوں کو جدا ہونے سے پہلے معاف کر دیا جاتا ہے۔''③

اور سنن أبي داود میں، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دو مسلمان آپس میں (ایک دوسرے کو) ملتے ہیں تو ان کو جدا ہونے سے قبل (اللہ تعالیٰ کے ہاں) معاف کر دیا جاتا ہے۔''④

اور امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی سنن کی کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم

① صحيح البخاري، حديث:6263، جامع الترمذي، حديث:2730.

② سنن أبي داود، حديث:5213 اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

③ سنن أبي داود، حديث: 5212، جامع الترمذي، حديث: 2728، سنن ابن ماجه، حديث:2703 اور یہ حدیث صحیح ہے۔

④ سنن أبي داود، حديث: 5213، جامع الترمذي، حديث: 2728، سنن ابن ماجه، حديث:2703 اور یہ حدیث صحیح ہے۔




میں آدمی اپنے بھائی یا اپنے دوست (وغیرہ) کو ملتے وقت اس کے لیے ٹیڑھا ہوتے ہوئے مڑ کر مل سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' تو اس آدمی نے کہا: ''کیا وہ (اس سے ملتے وقت) اس سے چمٹ کر اس کو بوسہ دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس آدمی نے (پھر) کہا: ''کیا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے ''مصافحہ'' کر سکتا ہے؟ (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن ہے۔ نیز اس باب میں (اور بھی) بہت سی احادیث ذکر ہوئی ہیں۔''

اور مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں حضرت عطاء بن عبداللہ الخراسانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو، (دلوں سے) بغض نکل جائے گا اور ایک دوسرے کو تحائف لیا اور دیا کرو، آپس میں محبت کرنے لگو گے اور (دلوں سے) کینہ اور دشمنی ختم ہو جائے گی۔''[2]

......میں کہتا ہوں: ''یہ حدیث مرسل ہے۔''

اور یہ بات جان لیجیے کہ ہر ملاقات پر مصافحہ کرنا مستحب عمل ہے۔ اور جہاں تک اس مصافحہ کا تعلق ہے جو کہ لوگوں نے صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد عادت کے طور پر اپنا لیا ہے تو اس انداز میں شریعت کے اندر اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ لیکن مصافحہ کر لینے میں بہرحال حرج نہیں ہے اس لیے کہ ''مصافحہ'' کی اصل (دلیل) اس کا سنت ہونا ہے اور لوگوں کا بعض (خاص) حالات میں اس سنت کی حفاظت کرنا اور اکثر احوال میں زیادہ تر اس سنت میں کمی اور کوتاہی کرنا اس مصافحہ کے حکم سے (اس عمل کو) خارج نہیں کر دیتا جو کہ شریعت میں

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2729، سنن ابن ماجه، حديث: 2702 اور یہ حدیث چند سطور پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔

[2] المؤطا: 908/2، اور اس کی اسناد معضل ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ مختلف وجوہ کی بناء پر متصل ہے جو سب کے سب ''حسن'' ہیں۔ (واللّٰہ أعلم)



وارد ہوا ہے۔

شیخ و امام ابو محمد عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''القواعد'' میں ذکر کیا ہے: ''کہ بدعات کی پانچ اقسام ہیں: واجب، حرام، مکروہ، مستحب اور مباح،...... (یہ ذکر کرنے کے بعد امام موصوف رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: ''کہ مباح بدعت کی مثالوں میں سے ایک مثال فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے۔ (واللہ اعلم)

میں کہتا ہوں: ''کہ نوخیز، خوبصورت چہرے والے لڑکے سے مصافحہ کرنے سے بچنا چاہیے اس لیے کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی حرام ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے کی ''فصل'' میں ذکر کیا ہے اور ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''کہ ہر وہ شخص جس کی طرف دیکھنا حرام ہے اس کو چھونا بھی حرام ہے۔'' بلکہ چھونا اس سے بھی سخت حکم رکھتا ہے (اور یہ بات معلوم ہے کہ) ایک اجنبی عورت کی طرف اس وقت دیکھنا جائز ہے جب کوئی شخص اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اسی طرح خرید و فروخت کے وقت اور کوئی چیز لینے اور دینے کے وقت بھی، مگر ایسے حالات میں بھی اس عورت کو چھونا جائز نہیں۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

مصافحہ چہرے کی رونق، تر و تازگی (اور اللہ کے حضور) معافی کی دعاء وغیرہ کے ساتھ مستحب عمل ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی نیکی ہرگز حقیر نہ جان، خواہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی (اور تر و تازہ چہرے) کے ساتھ ملو۔''[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں، آپس میں مصافحہ کرتے ہیں اور پیار و محبت اور خیر خواہی کے جذبے سے

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2626۔

سرشار آپس میں ہنستے مسکراتے ہیں تو (اس پر) ان دونوں کے مابین گناہ جھڑ جاتے ہیں [2] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو وہ مصافحہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے معافی طلب کرتے ہیں تو اللہ عز وجل ان دونوں کو معاف کر دیتے ہیں۔''

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دو (مسلمان) بندے اللہ کے لیے آپس میں محبت والفت کرنے والے ان میں سے ایک جب اپنے ساتھی کا سامنا کرتا ہے تو اس سے مصافحہ کرتا ہے، پھر وہ دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں تو وہ دونوں (ایک دوسرے سے) جدا نہیں ہوتے کہ ان کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [2]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی آدمی کا ہاتھ پکڑا تو اس شخص سے علیحدگی سے پہلے یہ دعاء پڑھی:

«اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ»

''اے اللہ! ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے۔'' [3]

[**فصل**]: اور کسی بھی شخص کے (احترام وعزت اور اس کے استقبال کے) لیے اپنی کمر کو جھکانا یا موڑنا ہر حال میں مکروہ (ناپسندیدہ) عمل ہے۔ اور اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

① امام ابن السنی کی کتاب حدیث:192,194 اور سنن أبی داود، حدیث:5211، نیز حافظ المنذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد میں اضطراب ہے۔

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، حدیث:193، اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

③ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، حدیث:203، نیز اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔

مروی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ہم گزشتہ دو فصلوں میں ذکر کر چکے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آدمی نے آنحضور ﷺ سے یہ سوال کیا کہ آیا وہ اس کے لیے جھک سکتا ہے؟ (یعنی پینترا بدل کر اور مڑ کر اس کے استقبال کو آ سکتا ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اور یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے چونکہ معارض (جو کہ اس سے ٹکراتی ہو) کوئی حدیث یا نص نہیں، لہٰذا اس کی مخالفت کی یہاں کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور کوئی شخص محض ایسے لوگوں کی وجہ سے جو علم یا راستبازی اور ان کے علاوہ دیگر بزرگی و شرافت کے اوصاف کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، دھوکے میں نہ آئے کہ انھوں نے ایسے کیا ہے یا کرتے ہیں (لہٰذا ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے) اس لیے کہ پیروی اصل میں تو اللہ کے رسول ﷺ کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''اور جو کچھ (دین کے معاملے میں) اللہ کے رسول ﷺ تم کو دیں تو اس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔''[1]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[2]

''پس چاہیے کہ وہ لوگ جو آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت مول لیتے ہیں (اس گھناؤنے فعل کے) انجامِ بد سے بچ جائیں کہ (ناگہاں) ان کو کوئی فتنہ (آزمائش) آ دبوچے یا ان کو دردناک عذاب آ پکڑے۔'' (اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)

اور ہم اس سے پہلے ''کتاب الجنائز'' میں حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی روایت ذکر کر چکے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے: ''صرف ہدایت کے راستوں کی پیروی کر، اور (اس باب میں) سالکین کی تعداد میں کمی، تجھ کو ضرر نہ پہنچائے۔ اور گمراہی کے راستوں سے

---

[1] الحشر 7. [2] النور 63.

بچ۔ اور (اس باب میں) ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں کثرت، تجھ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' اور اس بات کی توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

[**فصل**]: اور جہاں تک آنے والے (مہمان وغیرہ) کی کھڑے ہو کر عزت و احترام کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں ہمارے نزدیک پسندیدہ عمل یہی ہے کہ یہ اس شخص کے لیے مستحب ہے جو کہ ظاہری طور پر علم و راستبازی، یا شرف و بزرگی اور نیک نامی کی سرداری وغیرہ جیسے فضائل سے متصف ہو۔ اور (ان جیسے فضائل کے حامل لوگوں کے لیے کھڑا ہونا) صرف نیکی اور عزت و احترام کی خاطر ہو نہ کہ محض دکھلاوے اور (ان کی شخصیت میں) غلو کی خاطر اور یہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس پر ہی گزشتہ اہل علم ﷺ اور بعد والے علمائے حق کا عمل رہا ہے۔ نیز اس موضوع پر جو (تالیف کردہ) جز میں نے مرتب کیا ہے اس میں میں نے اَحادیث و آثار اور سلف صالحین کے وہ اَقوال و اَفعال جمع کیے ہیں جو ہمارے اس موقف (کی صحت) پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ نیز اسی ''جز'' میں میں نے مخالف دلائل کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کا واضح جواب بھی دے دیا ہے۔ تو جس شخص کو اس (مسئلہ) میں کوئی اشکال پیش آئے اور وہ اس (مرتب کردہ) ''جزء'' کا مطالعہ کرنے کی رغبت بھی رکھتا ہو تو مجھے امید ہے کہ اگر اللہ جل شانہ نے چاہا تو یہ اس کے اشکال دور کرنے میں مد و معاون ثابت ہوگا۔'' (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

[**فصل**]: نیک لوگوں کی، مسلمان بھائیوں کی اور پڑوسیوں، دوستوں اور عزیز و اقارب کی زیارت و ملاقات کے لیے جانا، ان کی عزت و احترام کرنا ان کے ساتھ نیک سلوک، خیر خواہی اور صلہ رحمی کرنا، انتہائی نیک اور ایسا مستحب عمل ہے کہ (شریعت میں) اس کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ مگر اس کا طریقۂ کار ان لوگوں کے مختلف حالات، مراتب اور (مصروفیت سے) فراغت کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور ہونا یہ چاہیے کہ کوئی شخص ان کی زیارت یا ملاقات ایسے انداز میں کرے جسے وہ ناپسند نہ کرتے ہوں اور ایسے اوقات میں کرے جن میں کسی کے آنے پر وہ خوش اور راضی ہوتے ہوں۔ اور اس موضوع پر بہت سی

مشہور احادیث و آثار موجود ہیں۔ جن میں سب سے عمدہ حدیث وہ ہے جو:

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "کہ ایک آدمی دوسری بستی میں مقیم اپنے بھائی کی زیارت کے لیے روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ بھیجا۔ تو جب وہ اس کے پاس پہنچا تو کہنے لگا: "تم نے کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے؟ تو اس شخص نے کہا: "اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے۔ میں اس کو ملنا چاہتا ہوں۔ فرشتے نے کہا: "کیا تم پر اس کی کوئی ذمہ داری ہے کہ جس کو پورا کرنے کے لیے تم جا رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا: نہیں، صرف اس لیے کہ میں اللہ کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں تب فرشتے نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں اور تیری طرف (اللہ تعالیٰ کا) یہ پیغام لایا ہوں کہ جس طرح تم اپنے (اس بھائی سے) اللہ کے لیے محبت کرتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ (بھی) تم سے محبت کرتے ہیں۔[1]

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ کی سنن کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے کسی مریض کی تیمار داری اور اپنے مسلمان بھائی کی زیارت (محض) اللہ تعالیٰ (کی رضا کے حصول) کے لیے کی تو ایک منادی (فرشتہ) اس کو (ان الفاظ سے) پکارتا ہے: "تم اچھے اور خوش رہو، اور عمدہ اور اچھی ہو آپ کے چلنے کی جگہ (یا مطلب یہ ہے کہ تم اچھے رہے اور عمدہ ہوا تمھارا راستہ) اور جنت میں تم نے گھر بنا لیا۔[2]

## فصل، انسان کے اپنے نیک ساتھی سے اس مطالبے کے بارے میں کہ وہ اس کی زیارت کے لیے کثرت سے آئے

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے

---

① صحیح مسلم، حدیث: 2517، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی فضیلت کا بیان ہے۔

② جامع الترمذي، حديث: 2009، سنن ابن ماجه، حديث: 1442 اور یہ حدیث "حسن" ہے۔ دیکھیے کتاب صحيح الجامع الصغير: 322/5.

ہیں: '' کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: ''اس کام میں آپ کے لیے کون سی چیز مانع، (یعنی رکاوٹ) ہے کہ آپ جو (پہلے سے) ہماری زیارت کو آتے ہیں تو اس سے زیادہ مقدار میں ہماری ملاقات کے لیے آیا کرو؟ تو (اس پر) یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا﴾

''اور ہم آپ ﷺ کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔'' [1]

## باب، چھینکنے والے کے جواب اور جمائی لینے کے بارے میں

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' بے شک اللہ تعالیٰ چھینکنے والے کو پسند کرتا اور جمائی لینے والے کو ناپسند کرتا ہے۔ تو جب تم میں کوئی چھینک لے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے تو ہر مسلمان پر جو بھی اسے سنے ضروری ہے کہ وہ (اس کے جواب میں) یہ کہے: «يَرْحَمُكَ اللهُ» کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے'' اور جہاں تک ''جمائی'' لینے کا تعلق ہے تو وہ صرف شیطان کی طرف سے (ہوتی) ہے۔ تو جب تم میں کوئی ایک جمائی لینا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ہمت کی حد تک اسے روکے (اس لیے کہ) جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔ [2]

میں کہتا ہوں'' علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے:'' اس کا مفہوم یہ ہے:'' کہ (اصل میں) چھینک آنے کا سبب محمود، (یعنی قابل تعریف اور اچھی چیز ہوتی) ہے اور (سرفہرست) جسم کا ہلکا پھلکا ہونا ہے جو کہ جسم کے (چاروں) اخلاط، (یعنی خون، بلغم، سوداء اور صفراء) کی کمی اور غذا کی

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6223، جامع الترمذي، حديث: 3157، مسند الامام أحمد: 231/12357,234.

[2] صحيح البخاري، حديث: 6223، صحيح مسلم، حديث: 2941، سنن أبي داؤد، حديث: 5028، جامع الترمذي، حديث: 2747، حديث: 2748.

تخفیف کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ ایسا عمل جس کی طرف (انسان کو) اکسایا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ شہوت کو کمزور کرتا اور (اللہ کی) اطاعت (کو بجالانے) میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ جبکہ جمائی (ہر اعتبار سے) اس کے برعکس ہے۔"(وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اسے چاہیے کہ وہ کہے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور اس کا بھائی یا ساتھی (جب سنے تو جواب میں) یہ کہے: «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» تو جب وہ «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کے الفاظ کہہ لے تو پھر (چھینکنے والا آگے سے) یہ الفاظ کہے: «یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ» کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت سے نوازے اور تمھاری حالت سنوار دے۔[1]

علمائے کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں «بَالَکُمْ» کا مطلب ہے «شَأْنَکُمْ» (یعنی تمھاری حالت)

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دو آدمیوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے جواب میں «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہ اللہ تجھ پر رحم فرمائے" کہا اور دوسرے کے جواب میں یہ الفاظ نہیں کہے۔ تو اس نے جس کی چھینک کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا تھا، کہا: کہ فلاں (شخص) نے چھینک لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہا اور میں نے (جب) چھینک لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (ان الفاظ میں) جواب نہیں دیا۔ (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص نے (چھینک لینے کے بعد) اللہ کی تعریف کی، (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہا۔ جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف نہیں کی۔"[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6224، سنن أبي داود، حديث:5033 اور امام نسائی عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ، حدیث:232.

[2] صحيح البخاري، حديث: 6225، صحيح مسلم، حديث: 2991، سنن أبي داؤد، حديث:5039، جامع الترمذي، حديث:2743، سنن النسائي، حديث: 222.

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب کوئی تم میں سے چھینک لے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) کہے تو تم اس کو «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دو، لیکن اگر وہ (چھینک لینے والا) اللہ تعالیٰ کی تعریف نہ کرے تو تم (بھی) اس کو جواب نہ دو۔''[1]

اور صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات (چیزیں اپنانے) کا حکم دیا ہے اور سات (کاموں) سے روکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیمار کی عیادت کرنے، جنازے کی پیروی کرنے، چھینک لینے والے کو (مشروع) جواب دینے، دعوت پر بلانے والے کی دعوت کو قبول کرنے، سلام کا جواب لوٹانے، مظلوم شخص کی مدد کرنے اور جائز قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔''[2]

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: ① سلام کا جواب لوٹانا۔ ② بیمار کی تیمارداری کرنا۔ ③ جنازے کی پیروی کرنا، (یعنی جنازے میں شرکت کرنا) ④ دعوت کو قبول کرنا۔ ⑤ چھینک لینے والے کو اس کی چھینک کا «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دینا۔ (اگر وہ چھینکنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے)''[3] اور صحیح مسلم کی روایت میں ذکر ہوا ہے: ''کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: ① جب تم اس سے ملو تو اسے ''سلام'' کہو۔ ② جب وہ

---

① صحيح مسلم، حديث: 2992.

② صحيح البخاري، حديث: 1239، صحيح مسلم، حديث: 2066، جامع الترمذي، حديث: 2800، سنن النسائي: 54/4.

③ صحيح البخاري، حديث: 1240، صحيح مسلم، حديث: 2162، سنن أبي داؤد، حديث: 5030، جامع الترمذي، حديث: 2738، سنن النسائي: 53/4.

(کھانے وغیرہ کی) دعوت دے تو اسے قبول کرو۔ ③ جب وہ تم کو اپنا خیر خواہ سمجھے تو اس کی خیر خواہی کرو (یا جب وہ تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اس کو نصیحت کرو،) ④ اور جب وہ چھینک لے اور (پھر) الحمد للہ کہے تو تم اس کی چھینک کا جواب «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر دو۔ ⑤ اور جب وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو۔ ⑥ اور جب وہ وفات پا جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔"

[**فصل**]: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چھینک لینے والے کے لیے مستحب (سنت) ہے کہ وہ چھینک لینے کے بعد «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے الفاظ کہے۔ لیکن اگر وہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ» کے الفاظ کہہ دے تو زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر وہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ» کہ تمام تعریفات ہر حال میں اللہ کے لیے ہیں" کے الفاظ کہے تو یہ افضل عمل ہے۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ الفاظ کہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ» اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی (یہ سنے تو وہ آگے سے) جواب میں یہ الفاظ کہے: «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» اور پھر وہ خود (چھینک لینے والا سن کر) یہ الفاظ کہے: «يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ» کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت سے نوازے اور تمھارے حالات درست کرے۔" ①

اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک آدمی نے ان کے پہلو میں (بیٹھے ہوئے) چھینک لی تو یہ الفاظ کہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ» کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں اور اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔" (اس پر) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اور میں (بھی یہی) الفاظ کہتا ہوں: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ» اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا (بلکہ آپ ﷺ نے) یہ تعلیم دی ہے کہ ہم یہ الفاظ کہیں: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

① سنن أبي داؤد، حديث: 5033، نیز یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

عَلٰی کُلِّ حَالٍ»[1]

میں کہتا ہوں" اور ہر اس شخص کے لیے جو چھینک لینے والے کو (اور بعد ازاں اس کی زبان سے اللہ کی تعریف) سنے'مستحب ہے کہ وہ (اس کے جواب میں) کہے: «یرحمك اللّٰہ» یا «یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ» یا «رَحِمَکُمُ اللّٰہُ» کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ اور (اسی طرح) چھینک لینے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ بھی بعد میں یہ الفاظ کہے: «یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ» یا «یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ» کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف فرمائے۔[2]

اور الموطا میں امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ حضرت نافع رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو پھر اس کو (جواب میں) یہ کہا جائے: «یَرْحَمُكَ اللّٰہُ» تو وہ (یعنی چھینک لینے والا) آگے سے یہ الفاظ کہے کہ:

«یَرْحَمُنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمْ وَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ»

"اللہ ہم پر بھی اور خاص تم پر بھی رحم فرمائے اور اللہ ہم کو اور تم کو معاف فرمائے۔"[3]

اور یہ (مذکورہ تمام اعمال) سنت کا حکم رکھتے ہیں ان میں کوئی چیز بھی واجب، (یعنی فرض) نہیں۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ "اَلتَّشْمِیْتُ" یعنی چھینک کا جواب دینا (اور وہ «یَرْحَمُكَ اللّٰہُ» کے الفاظ ہیں) سنت کفایہ ہے۔ اگر حاضرین میں سے کچھ لوگ یا ایک شخص ہی جواب میں یہ الفاظ کہہ دے تو وہ سب کی طرف سے کفایت کر جائیں گے۔ لیکن

---

① جامع الترمذي، حديث: 2735، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے زیاد بن الربیع کے علاوہ اور کسی (طریق) سے نہیں پہچانتے: اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حدیث: 3803 اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث: 3804.

② «یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ» ان الفاظ میں دعاء کرنے والے کا اپنے لیے دعاء کو مقدم کرنا مستحب ہے جب بھی وہ دعاء کرے۔ اور یہ بھی کہ وہ دعائیہ کلمات میں واحد کی بجائے جمع کی ضمیر لائے خواہ اس کا مخاطب شخص ایک ہی کیوں نہ ہو۔"

③ مؤطا امام مالك: 965/2 اور یہ موقوف (حدیث) صحیح ہے۔

افضل عمل یہی ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ جواب دے اور اس کی دلیل آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے جو گزشتہ صحیح حدیث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ «كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُوْلَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» ہر مسلمان پر جو بھی اس کو سنے ضروری ہے کہ وہ کہے «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» نیز چھینک کے جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہنے کے مستحب، (یعنی مسنون عمل) ہونے کے بارے میں جو کچھ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے یہ ہمارا مسلک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک سے وابستہ ائمہ کرام نے اس کے واجب، ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ تو قاضی عبدالوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ عمل سنت ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک ہمارے مسلک کی طرح اگر پوری جماعت میں سے ایک فرد نے بھی چھینک کے جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ دیا تو باقی تمام لوگوں کی جانب سے کافی ہوگا۔

اور ابن مزین رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ جماعت میں سے ہر ایک شخص کو انفرادی طور پر جواب دینا لازمی ہے۔ اور اسی کو امام ابن العربی رحمہ اللہ مالکی نے بھی اختیار کیا ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

[**فصل**]: گزشتہ حدیث رسول ﷺ کے ثبوت کی بناء پر چھینک لینے والا اگر اللہ کی تعریف (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے الفاظ نہ کہے) تو اسے جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کے الفاظ نہیں کہے جائیں گے اور کم از کم یہ تعریفی کلمات اور پھر اس کا جواب اور جواب میں چھینک لینے والے کے جوابی الفاظ اس قدر اونچی آواز میں ہوں کہ ہر ایک اپنے دوسرے ساتھی کی آواز کو سن سکے۔ (اور جواب دے سکے)۔

[**فصل**]: اگر چھینک لینے والا «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے علاوہ کوئی اور الفاظ کہے تو وہ (ایسی صورت میں) ''تشمیت'' یعنی «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کے جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔''

سنن ابی داود اور سنن الترمذی میں حضرت سالم بن عبید اللہ الاشجعی صحابی رسول ﷺ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اس حال میں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ قوم کے آدمی نے چھینک لی اور کہا: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہ اللہ کی تم پر سلامتی ہو۔'' تو اللہ کے رسول ﷺ نے (جواب میں) فرمایا: «وَعَلَيْكَ وَعَلٰى أُمِّكَ» اور

تجھ پر اور تیری ماں پر بھی (اللہ کی سلامتی ہو)، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی چھینک لے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، (پھر آپ ﷺ نے بعض تعریفی کلمات ذکر فرمائے۔) بعد ازاں فرمایا: ''اور جو اس کے پاس ہو وہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ کے الفاظ سن کر) جواب میں «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہے۔ اور پھر چھینک لینے والا اس کا جواب، ان پر یہ الفاظ کہہ کر لوٹائے: «يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ» کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ (سب) کو معاف فرمائے۔''[1]

[**فصل**]: جب کوئی شخص حالتِ نماز میں چھینک لے تو اس کے لیے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہنا مستحب ہے اور وہ اپنی آواز اتنی بلند کرے کہ صرف اپنے آپ کو سنائی دے، یہ ہمارا مسلک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک سے وابستہ ائمہ کرام کے اس بارے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ قول ہے (جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے) اور امام ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے تعریفی کلمات کہے اور تیسرا قول جسے امام سحنون رحمہ اللہ نے کہا ہے یہ ہے کہ ''نہ وہ جہری، (یعنی اونچی آواز میں) کہے اور نہ اپنے دل میں یہ الفاظ کہے۔''

[**فصل**]: سنت طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کو چھینک آئے تو وہ اپنا ہاتھ یا اپنا کپڑا یا اسی طرح کی کوئی اور چیز اپنے منہ پر رکھے اور (جہاں تک ہو سکے) اپنی آواز کو ہلکا رکھے اور سنن أبي داود اور سنن الترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ جب چھینک لیتے تو اپنا ہاتھ یا اپنا کپڑا اپنے منہ پر رکھتے اور اس طرح اپنی آواز کو پست رکھتے تھے۔''[2] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

---

① سنن أبي داود، حديث: 5029، جامع الترمذي، حديث: 2746، امام نسائی رحمہ اللہ نے عمل اليوم والليلة، حديث: 225، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرك: 3/267، نیز ان تمام محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک اس حدیث کی سند میں ایک راوی مبہم ہے۔ اس لیے کہ راوی ہلال بن یساف رحمہ اللہ نے سالم بن عبید کو نہیں پایا۔ (واللہ أعلم)

② سنن أبي داود، حديث: 5029، جامع الترمذي، حديث: 2746، نیز اس حدیث کی اسناد ''حسن'' ہے۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ چھینک اور جمائی لیتے وقت آواز کو اونچا کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔''[1]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی ہی کتاب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''کہ بلند آواز میں جمائی لینا اور سخت انداز سے چھینک مارنا شیطان کی جانب سے ہے۔''[2]

[**فصل**]: جب کسی شخص کو مسلسل چھینکیں آنا شروع ہو جائیں تو سنت (طریقہ) یہ ہے کہ (وہ آدمی جو سن رہا ہو) پہلی تین چھینکوں پر «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دے۔ (بعد ازاں اس کے لیے ضروری نہیں)۔

صحیح مسلم، سنن أبي داود اور سنن الترمذی میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ انھوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی نے چھینک ماری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) فرمایا: «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» پھر (اسی) آدمی نے دوسری چھینک لی تو (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: «اَلرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ» کہ آدمی کو زکام ہو گیا ہے۔ یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ اور سنن أبي داود اور سنن الترمذی کی روایت میں مذکور ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول کے پاس چھینک لی اور میں (وہاں) موجود تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا: «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» پھر اس نے دوسری یا تیسری چھینک لی تو اللہ کے رسول نے فرمایا: «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، هٰذَا رَجُلٌ مَزْكُوْمٌ»[3] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے

---

[1] امام ابن السنی کی کتاب حدیث: 268، نیز اس حدیث کی سند میں علی بن عروہ القرشی الدمشقی ''متروک'' راوی ہے۔ اسی لیے امام البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ''موضوع'' ہے۔ دیکھیے: ضعیف الجامع الصغیر: 2/126.

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 264 اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

[3] اللہ تجھ پر رحم فرمائے اس آدمی کو (تو) زکام ہو گیا ہے۔ (صحیح مسلم: حدیث: 2993، سنن ⇐ ⇐

ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

اور یہ روایت جو سنن أبي داوٗد اور سنن الترمذی میں حضرت عبید اللہ بن رفاعۃ (صحابی رسول ﷺ) سے مروی ہم کو ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ چھینک لینے والا تین مرتبہ (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کے الفاظ کے ساتھ) جواب دیا جائے گا تو اگر وہ اس سے زیادہ (مرتبہ) چھینک لے۔ تو اگر چاہے تو اس کو (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ کر) جواب دے اور اگر تو چاہے تو نہ دے۔ ضعیف ہے۔ اس بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''حدیث غریب ہے اور اس کی اِسناد مجہول ہے۔''[1]

---

⇐⇐ أبي داؤد، حدیث: 5037، جامع الترمذي، حدیث: 2744، سنن ابن ماجه، حدیث: 3714، سنن النسائي، حدیث: 223 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کو تیسری چھینک آنے پر یہ جواب دیا (کہ یہ آدمی تو زکام زدہ ہے) جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسری چھینک آنے پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے۔ (واللہ اعلم)

[1] سنن أبي داؤد، حدیث:5036، جامع الترمذي، حدیث:2745، نیز امام موصوف رحمہ اللہ کا کہنا ہے: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اِسناد مجہول ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے: ''کہ امام ترمذی کا اس حدیث پر ضعف کا اطلاق اچھا نہیں۔ اس لیے کہ روایت کی غرابت (محض غریب ہونے) سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کا اس کی ''اِسناد'' کے بارے میں یہ وصف بیان کرنا کہ وہ مجہول ہے تو اس سے انھوں نے ''سند'' کے تمام ''رجال'' (یعنی راوی) مراد نہیں لیے۔ اس لیے کہ اس کی اِسناد کے زیادہ تر راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں اگرچہ (کوئی راوی) مجہول ہے لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ اس میں ایک مسلمان ساتھی کے لیے بھلائی، صلہ رحمی اور الفت و محبت کی دعاء ہے جس پر عمل اور بھی ضروری ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبید اللہ بن رفاعہ کی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تین بار چھینکوں کا جواب دیا جائے گا اور اس کے بعد چھینک آنے پر جواب میں کہا جائے گا ''أَنْتَ مَزْكُوْمٌ'' کہ آپ کو زکام ہو گیا ہے۔ اور یہ اصل پر اضافہ ہے۔ جسے قبول کرنا واجب ہے اور اس پر عمل زیادہ ضروری ہے۔ (واللہ اعلم) نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مرسل اور موقوف ''شواہد'' ذکر کیے ہیں۔ دیکھیے: فتح الباری 10/605,606.

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں ایسی اِسناد کے ساتھ کہ اس میں ایک راوی ہے، جس کے حالات سے میں واقف نہیں ہو سکا اور نہ تحقیق کر سکا ہوں، جبکہ اس کی باقی اِسناد صحیح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب تم میں کوئی شخص چھینک لے تو چاہیے کہ اس کا ساتھی اس کو «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دے اور اگر تین بار سے زیادہ چھینک لیتا ہے تو وہ زکام زدہ (مریض کا حکم رکھتا) ہے۔ لہٰذا وہ تین بار کے بعد «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب نہ دیا جائے گا۔''①

اس مسئلہ میں علمائے کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ امام ابن العربی المالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ کہا گیا ہے کہ چھینک لینے والے کو دوسری چھینک کے بعد (جواب میں) یہ الفاظ کہے جائیں گے: «أَنْتَ مَزْكُومٌ» اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیسری چھینک پر اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوتھی چھینک پر (مذکورہ جواب دیا جائے گا) اور زیادہ درست یہی قول ہے کہ تیسری چھینک آنے پر کہا جائے۔ امام موصوف رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: ''کہ ان الفاظ «اِنَّكَ مَزْكُومٌ» کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اب ان میں سے نہیں رہے جن کو اس کے بعد «یَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دینا لازمی ہو، اس لیے کہ آپ کو زکام اور بیماری نے آلیا ہے (اور اب آپ بیمار شخص کے حکم میں ہیں) نہ اس لیے کہ چھینک کے جواب میں تساہل کی بناء پر اور اس کی اہمیت کو کم جانتے ہوئے جواب نہیں دیا جا رہا (بلکہ آسانی اور رخصت کے طور پر یہ کہا گیا ہے)

اور اگر یہ کہا جائے: ''کہ یہ حکم اس شخص کی بیماری اور زکام کی بناء پر ہے تو ایسی صورت میں تو یہ چاہیے تھا کہ اس (چھینکنے والے زکام زدہ شخص) کے حق میں (زیادہ سے زیادہ شفاء

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 251، نیز اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں: «وَلَا تَشْمِيتَ بَعْدَ ثَلَاثٍ» کہ تین بار چھینک کے بعد (چھینک کا مذکورہ) کوئی جواب نہیں۔ اور اس حدیث کی اِسناد بھی راوی سلیمان بن ابی داؤد الحرانی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور یہ محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک ''ضعیف'' راوی ہے۔ نیز یہی وہ آدمی ہے جس کے حالات کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نہیں جان سکے۔ اور نہ اس کے بارے میں تحقیق کر سکے ہیں۔ (واللہ أعلم)

کی ) دعاء کی جائے اور اس کو «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے جیسے جوابات سے (بار بار ) نوازا جائے۔ اس لیے کہ وہ اب تو دوسروں کی نسبت اس دعاء کا زیادہ حقدار ہے تو اس کا جواب یہ ہے: ''ہر چند کہ اس کے حق میں دعاء کرنا مستحب ہے مگر وہ دعاء نہیں جو کہ خاص چھینک کے جواب کے لیے مشروع ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے حق میں عافیت، سلامتی اور تندرستی وصحت وغیرہ کی دعاء ہونی چاہیے، نہ کہ صرف وہی دعاء ہو جو ایک چھینک لینے والے کے جواب کے لیے خاص ہے۔'' (واللہ اعلم )

[**فصل**]: جب کوئی شخص چھینک لے اور اس پر «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» نہ کہے تو جیسے ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ وہ شخص «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» جیسے الفاظ سے جواب نہیں دیا جائے گا اور اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے تعریفی کلمات ادا کرتا ہے مگر اس کو کوئی بھی انسان نہ سن سکا ہو تو اس کو بھی جواب دینا لوگوں پر ضروری نہیں۔ اور اگر پوری جماعت بیٹھی ہو اور بعض نے سن لیا ہو جبکہ بعض دیگر لوگ نہ سن سکے ہوں تو ایسی صورت میں پسندیدہ عمل یہی ہے کہ سننے والے ہی اس کو «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہہ کر جواب دیں، نہ کہ دوسرے لوگ بھی جو سن نہیں سکے اس لیے کہ ان پر جواب دینا ضروری نہیں رہا۔ (واللہ اعلم )

اور ابن العربی المالکی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے چھینک کا جواب دینے کے بارے میں اختلاف بیان کیا ہے جب وہ خود تو چھینک لینے والے سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات، (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ) نہ سن سکے ہوں لیکن انھوں نے اپنے کسی ساتھی سے چھینک کا جواب، (یعنی يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ) سن لیا ہو۔ تو ایسی صورت میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ بھی (اپنے ساتھی کی پیروی میں ) جواب کے طور پر «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» کہیں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے بھی اس آدمی کی چھینک لینے اور اس کے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہنے کو جان لیا ہے۔ (خواہ اپنے دیگر ساتھی کے ذریعے سے ہی سہی )۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں جواب نہیں دیا جائے گا۔ اس لیے کہ انھوں نے (براہِ راست ) چھینک لینے والے کی چھینک اور اس کے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے کلمات نہیں سنے۔

اور یہ بات جان لیجیے کہ اگر کوئی شخص (چھینک لینے کے بعد) سرے سے «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کے کلمات نہ کہے تو قریب والے شخص کے لیے اس کو یہ کلمات یاد دلانا مستحب ہے۔ اور یہی پسندیدہ عمل ہے۔

اور امام الخطابی رحمہ اللہ کی کتاب ''معالم السنن'' میں جلیل القدر امام حضرت ابراہیم النخعی رحمہ اللہ سے مروی اسی قبیل کی روایت ہمیں ملی ہے۔ اور یہ ''خیر خواہی، نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون اور امر بالمعروف کے اعمال میں سے ہے۔''

امام ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ وہ ایسا یہ گمان کرتے ہوئے نہ کرے کہ دوسرا شخص اس عمل کو بجالانے سے ہی ناواقف ہے اور وہ اس طرح اپنے گمان میں غلطی کر جائے، بلکہ درست بات یہی ہے کہ (اسے یاد دلانا) مستحب عمل ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور اصل نیکی کی توفیق اللہ کی جانب سے ہے۔''

## فصل، یہودی کے چھینک مارنے کے بارے میں

سنن أبی داود، سنن الترمذی اور ان کے علاوہ دیگر سنن کی کتابوں صحیح أسانید کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ یہودی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لیتے یہ امید کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے (جواب میں) یہ الفاظ کہیں: «يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ» کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ (مگر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے جواب میں صرف یہ الفاظ) فرماتے: «يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ» ''کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرما دے۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

---

[1] سنن أبي داود، حديث:5038، جامع الترمذي، حديث:2740، نیز اس حدیث کی اِسناد ''حسن'' ہے۔ اور اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' میں روایت کیا ہے۔ حدیث:232 اور امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی المسند:4/400 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی ''المستدرك'' میں روایت کیا ہے، 3/268.

[فصل]: مسند ''ابویعلیٰ الموصلی'' ① میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَدَّثَ حَدِيثًا فَعَطَسَ عِنْدَهُ فَهُوَ حَقٌّ»

اس حدیث کی اِسناد (کے تمام راوی) ثقہ اور ٹھوس ہیں سوائے بقیہ بن الولید کے۔ اس کے بارے میں ائمہ حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ اور زیادہ تر حفاظ اور ائمہ حدیث اس کی روایت سے دلیل پکڑتے ہیں۔ جب یہ شامی راویوں سے (حدیث) روایت کرے۔ نیز یہ حدیث معاویہ بن یحییٰ شامی سے بھی روایت کی گئی ہے۔

[فصل]: جب کوئی شخص ''جمائی'' لے تو سنت (طریقہ) یہ ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے اس کو روکے۔ اس ''صحیح حدیث'' کے ثبوت کی بناء پر جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے نیز یہ بھی سنت ہے کہ وہ (جمائی کے وقت) اپنا ہاتھ منہ پر رکھے۔ اس حدیث کی بناء پر جو ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: '' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جب تم میں سے کوئی ''جمائی'' لے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھے اس لیے کہ (ایسے موقع پر) شیطان (اس کے کھلے منہ میں) داخل ہو جاتا ہے۔ ②

میں کہتا ہوں کہ جمائی لیتے وقت ہاتھ کا منہ پر رکھنا مستحب ہے خواہ یہ جمائی نماز کی حالت میں آئے یا نماز کے علاوہ کسی اور وقت میں۔ ہاں مگر نماز پڑھنے والے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھنا اس وقت مکروہ ہوگا جب اسے ''جمائی'' یا اس طرح کی کوئی اور ضرورت لاحق نہ ہو۔'' (واللہ اعلم)

---

① مسند ابویعلیٰ الموصلی کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے نیز امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''الافراد'' میں نکالا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ یہ باطل ہے۔ خواہ اس کی ''سند'' سورج کی مانند ہو۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ''یہ موضوع ہے۔'' دیکھیے: ضعیف الجامع الصغیر: 191/5.

② صحيح مسلم، حديث: 2995، سنن أبي داؤد، حديث: 5027,5026.

# باب، کسی کی تعریف کرنے کے بارے میں

یہ بات جان لیجیے کہ اچھی صفات کی بناء پر انسان کی مدح اور اس کی تعریف کبھی تو اس کے سامنے ہوتی ہے اور کبھی اس کی غیر حاضری میں کی جاتی ہے۔ تو جہاں تک انسان کی عدم موجودگی میں اس کی تعریف کا تعلق ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ ہاں اگر تعریف کرنے والا بغیر تحقیق کیے محض انکل پچو لگا کر کسی کی (بے جا) تعریف کرے اور جھوٹ بولے تو اس کی یہ (گفتگو) جھوٹ کی بناء پر ناجائز ہوگی، نہ اس لیے کہ وہ محض تعریف کر رہا ہے۔ اور یہ مدح سرائی جو کہ جھوٹ (اور مبالغہ آمیزی) سے پاک ہے، جب کسی (خاص) مصلحت کی بناء پر ہو اور ایسے فساد (اور بگاڑ) کا سبب بھی نہ بنے کہ ممدوح (جس کی تعریف کی جارہی ہے) کو کسی فتنے میں مبتلا کر دے یا اسی طرح کی کسی اور معصیت کا پیش خیمہ ثابت ہو تو مستحب قرار پائے گی۔

......اور کسی (ممدوح) کے سامنے تعریف کرنے کے بارے میں ایسی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں جو کہ (کسی کی موجودگی میں تعریف کرنے کے) جواز اور استحباب کا تقاضا کرتی ہیں۔ نیز ایسی احادیث بھی ہیں جو اس ''تعریف'' سے روکتی ہیں۔ تو اسی صورت میں:

علمائے کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''کہ (دونوں قسم کی وارد) احادیث مبارکہ کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ممدوح (جس کی اس کی موجودگی میں تعریف کی جائے) کمال ایمان، یقین محکم، غیر معمولی قوت ارادی اور معرفت تامہ جیسی صفات کا اس حد تک مالک ہے کہ (ایسی تعریف سے) نہ وہ کسی فتنے کا شکار ہوتا ہو اور نہ کسی دھوکے میں مبتلا ہو سکتا ہو، اور نہ اپنے نفس کا اسیر ہو جاتا ہو تو پھر (اس کے منہ پر تعریف کرنا) نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ۔ اور اگر اس (ممدوح) سے ان (مذکورہ) امور میں سے کسی خصلت کا شکار ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا ہو تو (ایسی صورت میں) اس کی مدح سرائی انتہائی مکروہ (ناپسندیدہ) عمل ہے۔

## کسی شخص کی موجودگی میں اس کی تعریف کی ممانعت میں احادیث:

صحیح مسلم میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ایک

آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی (ان کی موجودگی میں) تعریف کرنا شروع کر دی۔ تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ (اس پر) غضبناک ہوگئے اور اپنے گھٹنوں کے بل جھک کر (یا بیٹھ کر) اس کے منہ پر کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔'' تو انھوں نے (جواب میں) فرمایا: ''بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جب تم تعریفیں کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکو۔''[1]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کسی (دوسرے) آدمی کی تعریف کرتے ہوئے اور اس میں مبالغہ کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے ہلاک کر دیا یا (اس ممدوح) آدمی کی پیٹھ کاٹ کر رکھ دی۔''[2]

اور صحیحین میں ہی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ایک آدمی کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا گیا تو اس کی ایک اور آدمی نے اچھائی (اور بھلائی) کی تعریف کی۔ جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا ستیاناس ہو! تو نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ کر رکھ دی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یہ الفاظ بار بار فرماتے رہے۔ اور اگر کوئی تم میں سے (کسی کی) لامحالہ، (یعنی ہر صورت میں) تعریف کرنا ہی چاہتا ہو تو وہ یہ الفاظ کہے: ''میرا خیال ہے کہ وہ ایسے ایسے اور ایسا ہے۔ اگر وہ سمجھتا ہو کہ وہ (حقیقتاً) ایسا ہی ہے اور اللہ (خود ہی) اس کا محاسبہ کرنے والا (کافی) ہے (لہٰذا وہ) اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کی تعریف نہ کرے (اور نہ کسی کا تزکیہ کرے)[3]

---

① صحيح مسلم، حديث:3002، 69، سنن أبي داؤد، حديث:4804، جامع الترمذي، حديث:2395.

② صحيح البخاري، حديث: 2663، صحيح مسلم، حديث:3001.

③ صحيح البخاري، حديث: 2662، صحيح مسلم، حديث:3000، سنن أبي داؤد، حديث:4805.

اور کسی کی تعریف میں جواز پر دلالت کرنے والی بے شمار احادیث ہیں مگر ہم یہاں ان میں سے بعض احادیث کے (اختصار سے) بعض حصے ذکر کرتے ہوئے (پوری احادیث کی طرف) اشارہ کرتے ہیں:

صحیح حدیث میں آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمانا: ''کہ تمہارا ان دو (ہستیوں) کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جن کا تیسرا ساتھی (خود) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔''①

ایک اور حدیث میں آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا: کہ آپ رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں'' مطلب یہ کہ تم ان لوگوں میں نہیں ہو جو اپنی چادروں کو تکبر کی بناء پر لٹکا کر (گھسیٹتے ہوئے) چلتے ہیں۔②

ایک اور حدیث میں آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا: ''اے ابوبکر! مت رو، بے شک اپنی صحبت اور اپنے مال کے اعتبار سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوست بناتا۔''③

ایک اور حدیث میں یہ ذکر ہوا ہے کہ (آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا) ''میں امید کرتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ ان میں سے ہوں گے۔'' (یعنی ان لوگوں میں سے جو جنت میں داخلے کے لیے تمام دروازوں سے بلائے جائیں گے)④

اور ایک (دوسری) حدیث میں یہ ذکر ہوا ہے کہ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا): ''کہ

① صحيح البخاري، حديث:3653، صحيح مسلم، حديث:2381، جامع الترمذي، حديث:3095.

② صحيح البخاري، حديث: 3665، صحيح مسلم، حديث: 2382، سنن الترمذي، حديث:3661.

③ صحيح البخاري، حديث3657,3656.

④ صحيح البخاري، حديث:3666، صحيح مسلم، حديث:1027، 86.

اس کو اجازت دے دو اور اسے جنت کی خوشخبری دے دو۔"①

اور ایک اور حدیث میں (آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ذکر ہوا ہے) کہ اے احد (پہاڑ) ٹھہر جا! پس تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود) ہیں۔②

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "(معراج کی شب) میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے ایک محل دیکھا۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟" (فرشتوں نے) کہا: عمر (رضی اللہ عنہ) کا ہے۔ تو میں نے اس میں داخل ہونا چاہا مگر مجھے تمھاری غیرت یاد آگئی۔ اس پر (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا میں آپ ﷺ پر غیرت کھاتا۔"③

اور ایک حدیث میں یہ بھی ذکر ہوا ہے (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:) "اے عمر رضی اللہ عنہ! شیطان کسی بھی راستے پر چلتے ہوئے تجھ کو نہیں ملا مگر یہ کہ وہ (لعین) آپ رضی اللہ عنہ کا راستہ بدل کر دوسرے راستے پر ہو لیا۔"④ (مطلب یہ کہ جب بھی کسی راستے پر شیطان کا عمر رضی اللہ عنہ سے سامنا ہو گیا تو اسنے وہ راستہ بدل لیا)

اور ایک حدیث میں (آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا): "کہ عثمان کے لیے کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دے دو۔"⑤

اور ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "(اے علی رضی اللہ عنہ) آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں۔"⑥

① صحيح البخاري، حديث:3674، صحيح مسلم، حديث:2403، جامع الترمذي، حديث:3711.

② صحيح البخاري، حديث:3699.

③ صحيح البخاري، حديث:3679، صحيح مسلم، حديث:2395.

④ صحيح البخاري، حديث:3683، صحيح مسلم، حديث:2396.

⑤ صحيح البخاري، حديث:3674، صحيح مسلم، حديث:2403.

⑥ صحيح البخاري:7/70.

اور ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”آپ اس بات سے راضی نہیں کہ آپ میرے ہاں اس طرح (مقام رکھتے) ہیں جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ہاں (مقام) تھا۔“ ①

اور ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”کہ میں نے آپ کے جوتوں کی آہٹ جنت میں سنی ہے۔“ ②

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو (شرف مخاطبت بخشتے ہوئے) فرمایا: ”اے ابومنذر! آپ کو علم مبارک ہو۔“ ③

اور ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا: ”آپ موت تک ”اسلام“ پر (قائم) رہیں گے۔“ ④

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے (مدینہ کے) انصار رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”آپ لوگ تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔“ ⑤

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے انصار رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی سے فرمایا: آپ دونوں (میاں بیوی) کے حسن سلوک سے اللہ تعالیٰ ہنسے یا خوش ہوئے۔“ ⑥

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: ”تجھ میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پسند کرتے ہیں: بردباری اور وقار۔ ⑦

اور یہ تمام مذکورہ احادیث جن کا میں نے (ابھی) ذکر کیا ہے صحیح اور مشہور ہیں لہٰذا میں

---

① صحيح البخاري، حديث:3706، صحيح مسلم، حديث:2404.

② صحيح البخاري، حديث:1149، صحيح مسلم، حديث:2458.

③ صحيح مسلم، حديث:810، سنن أبي داؤد، حديث:1460.

④ صحيح البخاري، حديث:3813، صحيح مسلم، حديث:2484.

⑤ صحيح البخاري، حديث:3785، صحيح مسلم، حديث:2508.

⑥ صحيح البخاري، حديث:4889,3798، صحيح مسلم، حديث2054,2053.

⑦ صحيح مسلم، حديث:2593.





ان پر مزید (نصوص کا) اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ نیز آنحضور ﷺ کے کسی کے سامنے اس کی مدح سرائی کرنے کی بہت زیادہ مثالیں ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کی ہیں۔ اور (اسی طرح) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور ان سے بعد میں آنے والے علمائے حق اور ائمہ مجتہدین جوامت کے پیشوا و مقتداء ہیں کی مدح سرائی کی مثالیں شمار سے باہر ہیں۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ)

امام ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ ''الاحیاء'' کے آخر میں ''کتاب الزکاۃ'' میں رقمطراز ہیں:
''جب کوئی انسان کسی کو صدقہ کے طور پر کوئی چیز دے تو صدقہ لینے والے شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ (صدقہ) دینے والا ایسے لوگوں میں سے ہے جو اس (احسان) پر شکر کے اظہار اور اسے (لوگوں میں) پھیلانے کو پسند کرتے ہیں تو (صدقہ) لینے والے کو چاہیے کہ وہ اس (صدقہ وغیرہ) کو (لامحالہ) چھپائے۔ اس لیے کہ اس (نیکی کے بدلے) حق کی ادائیگی (کا تقاضا) یہ ہے کہ وہ اس کی ظلم کے کاموں میں مدد نہ کرے۔ اور اس کا (صدقے کے بدلے) شکر کا مطالبہ کرنا ''ظلم'' ہے۔ اور اگر (اس کے برعکس) وہ یہ جان لے کہ (صدقہ دینے والا) نہ ''شکر'' کا اظہار پسند کرتا ہے اور نہ ہی (اس کی ادائیگی سے) وہ اس قسم کا کوئی ارادہ رکھتا ہے تو (ایسی صورت میں) اسے چاہیے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اس کے صدقے (کی نیکی) کو (عام لوگوں میں) بھی پھیلائے۔''

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس کو لوگوں کی تعریف کوئی نقصان نہ دے گی۔''

اسی طرح امام ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ، جو کچھ باب کے اوائل میں گزر چکا ہے، ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''جو شخص اپنے دل پر پہرہ دیتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان جیسے مفاہیم کی باریکیوں کو (بغائر نظر) ملاحظہ کرے۔ اس لیے کہ ان باریکیوں کو سمجھنے میں کوتاہی اور غفلت کے ہوتے ہوئے جسمانی اعضاء سے (سرزد ہونے والے) اعمال، تھکاوٹ و مشقت کی زیادتی اور فائدے کی کمی کی بناء پر، شیطان (مردود) کے لیے ہنسی اور مذاق کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور اسی قسم کے علم و معرفت کی بابت یہ کہا جاتا ہے: ''کہ اگر تم ایک مسئلہ جانتے

ہو تو وہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ نیز اسی ''علم'' کی وجہ سے ''عمر کی عبادت زندہ جاوید رہتی ہے اور جہالت کے سبب تمام عمر کی عبادت مر جاتی اور معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔'' اور اصل توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

## باب، انسان کی خود اپنی خوبیاں بیان کرنے اور اپنی تعریف کرنے کے بارے میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ﴾

''پس تم اپنی پاکیزگی آپ (خود) بیان نہ کرو۔''[1]

یہ بات جان لیجیے کہ اپنی آپ خوبیاں بیان کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں: مذموم، (یعنی جس کی مذمت شرع میں کی گئی ہے) ۲: محبوب (یعنی جس کو شریعت میں سراہا گیا اور پسند کیا گیا ہے)

① مذموم: یہ ہے کہ آدمی اپنی تعریف محض فخر و کبر، بڑائی کے اظہار اور اپنے ساتھیوں پر امتیازی فوقیت وغیرہ پانے کے لیے کرے۔

② محبوب: (یعنی پسندیدہ) یہ ہے کہ (اپنی تعریف میں) محض دینی مصلحتوں کو مد نظر رکھا جائے۔ جیسا کہ وہ شخص کسی کو نیکی کا حکم دے رہا ہو یا اس کو برائی سے روک رہا ہو یا کسی معاملے میں اس کی خیر خواہی کر رہا ہو۔ یا کسی مصلحت کی طرف اشارہ کر رہا ہو یا وہ شخص معلم (استاد) کی حیثیت میں یا مؤدب (ادب سکھانے والے) یا واعظ (نصیحت کرنے والے) یا (کسی حکم کے بارے میں) یاد دہانی کرانے والے یا دو افراد کے درمیان مصلح (اصلاح کرنے والے) کے مقام پر کھڑا ہو اور یا (اس تعریف سے اصل مقصود) اپنے آپ کو شر سے بچانا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور مصلحت کارفرما ہو تو وہ یہ نیت کرتے ہوئے اپنی خوبیاں بیان کر سکتا ہے کہ یہ طریقہ دوسروں کے

[1] النجم 32۔

ہاں اپنی بات منوانے اور ان کو اپنے اعتماد میں لینے کا سب سے قریب ترین (اور موثر) ہے۔ یا وہ یہ کہے: ''کہ یہ باتیں جو میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں، آپ ان کو میرے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں پائیں گے۔ لہٰذا ان کو (اچھی طرح) یاد کر لو یا اس طرح کے اور الفاظ کہہ سکتا ہے۔ اور کتاب و سنت میں اس مفہوم (کی تائید) میں اتنی زیادہ نصوص (اور دلائل) آئی ہیں جو کہ شمار نہیں کی جاسکتیں۔ جیسا کہ احادیث میں آنحضور ﷺ کے فرامین ہیں:

«اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ» ''کہ میں (اللہ کا) نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔

«اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ» ''کہ میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں۔''

«اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ» ''کہ میں سب سے پہلا ہوں جس کی (سب سے پہلے) زمین، (یعنی قبر) کھلے گی۔''

«اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰهِ وَ اَتْقَاکُمْ» ''کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جانتا اور اس سے ڈرتا ہوں۔''

«اِنِّی اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ» ''کہ میں تم سب سے زیادہ اپنے پروردگار کے پاس رات کے وقت ٹھہرتا ہوں۔'' اور اسی طرح اور بہت سی دلیلیں ہیں۔ (قرآن حکیم میں) حضرت یوسف علیہ السلام (عزیز مصر سے) کہتے ہیں: ﴿اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ ''مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا (اور ان کی بابت) خوب علم رکھتا ہوں۔''[1]

اور اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام (حضرت موسیٰ سے) کہتے ہیں:

﴿سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

''کہ آپ مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو نیکوکار لوگوں میں سے پائیں گے۔''[2]

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب (قصر امارت میں) ان کا محاصرہ کیا گیا جو کہ صحیح بخاری میں مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ انھوں نے (بلوائیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا): ''کیا

① یوسف 55 . ① القصص 27 .

تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''کہ جو شخص جیش عسرۃ'' (غزوۂ تبوک) کے لشکر (کے لیے سامانِ حرب) تیار کرے گا تو اس کے لیے (اس کے عوض) جنت ہے؟ تو میں نے اس کی تیاری کے لیے سامان دیا؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: جس شخص نے ''بئر رومہ'' (رومہ کا کنواں) کھودا، (یعنی کھود کر اس کو وقف کر دیا) تو اس کے لیے جنت ہے۔ تو میں نے وہ کنواں کھودا (اور اسے مسلمانوں کے نام پر وقف کر دیا) سو تم اس (اپنے پیغمبر ﷺ کی بات کی) تصدیق کرو جو کچھ انھوں نے فرمایا تھا۔ ①

اور صحیحین میں حضرت سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ جب اہل کوفہ نے ان کی یہ شکایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کی کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے احسان نہیں کرتے (مطلب یہ کہ نماز کو احسن انداز سے نہیں ادا کرتے) تو اس وقت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم میں عرب کا پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (پہلا) تیر چلایا اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ (کفار کے خلاف) لڑائی کرتے تھے۔ اور پھر انھوں نے ساری حدیث ذکر کی۔'' ②

---

① صحیح البخاري، حدیث: 2778 اور جیش عسرۃ، یعنی تنگی کا سفر اور عسرۃ کا لفظ ''یسرۃ'' کی ضد ہے۔ جس کا مطلب ہے ''آسانی۔'' اس سے مراد غزوہ تبوک ہے۔ اسے ''جَيْشُ الْعُسْرَةِ'' کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ یہ ''غزوہ'' ایک تو سخت گرمی کے موسم میں اور قحط سالی کے دور میں پیش آیا اور دوسرے یہ کہ سفر انتہائی دور کا اور تھکا دینے والا تھا۔ نیز دشمن (عیسائیوں) کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ تو ایسے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی تیاری کے لیے سات سو پچاس اونٹ اور پچاس گھوڑے دیے تھے اور اس کے علاوہ بھی تعداد ذکر کی گئی ہے۔ اور مزید یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک ہزار دینار نقد پیش کیے۔ اسی طرح: اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت وہاں ''بئر رومہ'' کے علاوہ اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا۔ تو آپ ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا: ''جس شخص نے بئر رومہ خریدا یا آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اسے کھودے گا تو اس کے لیے جنت ہے۔'' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیس ہزار 20000) درہموں میں کھودا اور خریدا اور پھر اسے مسلمانوں کے نام پر وقف کر دیا۔ اسے الکرمانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

② صحیح البخاري، حدیث: 3728، صحیح مسلم، حدیث: 2966، جامع الترمذي، حدیث 2367,2366.

اور صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور نفس (روح) کو پیدا کیا۔ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا میری جانب یہ عہد تھا کہ مؤمن کے علاوہ کوئی شخص مجھ سے محبت نہیں کرتا اور منافق کے سوا کوئی شخص مجھ سے بغض نہیں رکھتا۔ ①

اور صحیحین میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ہم کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے (سن کر) 70 سے کچھ اوپر (قرآنی) سورتیں اخذ کیں۔ اور تحقیق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات جان لی کہ میں ان میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جاننے والوں میں سے ہوں۔ حالانکہ میں ان سے بہتر نہیں۔ اور (اب) بھی میں یہ جان لوں کہ کوئی ایک (اللہ کی کتاب کے بارے میں) مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو میں اس کی جانب سفر کر کے جاؤں گا۔'' ②

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ ان سے اس قربانی کے جانور کی بابت پوچھا گیا جب وہ اپنے اصل مقام پر پہنچ جانے سے پہلے تھک کر بیٹھ جائے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کہ آپ واقف کار کے پاس پہنچے۔'' اس جملہ سے وہ اپنے آپ کو مراد لے رہے تھے۔ اور انھوں نے پوری حدیث بیان کی۔'' ③

اور اس قسم کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ شمار سے باہر ہیں اور یہ سب مثالیں اسی مفہوم پر محمول کی جائیں گی جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اصل توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

---

① صحيح مسلم، حديث: 78 اور اس میں اصل یہ الفاظ ہیں کہ ''بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ امی ہیں ان کا میرے حق میں یہ عہد تھا...... الحدیث۔

② صحيح البخاري، حديث: 5002، صحيح مسلم، حديث: 2462، سنن النسائي: 134/8.

③ صحيح مسلم، حديث: 1335، سنن أبي داؤد، حديث: 1763.

## **باب**، جو کچھ بیان اس کتاب، (یعنی کتاب السلام) میں گزر چکا ہے اس سے متعلقہ (چند اضافی) مسائل

[**مسئلہ**]: جو شخص آپ کو (اچھے انداز سے) بلائے تو اس کی پکار کے جواب میں «لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ» ''کہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں'' یا صرف «لَبَّيْكَ» کہنا مستحب ہے۔ اور اسی طرح وہ شخص جو کلمۂ ترحیب (یعنی خوش آمدید) کہتے ہوئے آپ کے پاس آئے یا وہ شخص جس نے آپ پر کوئی احسان کیا ہو یا اس کی ذات سے کوئی اچھا عمل سرزد ہو تو اس کے حق میں یہ الفاظ یا اسی مفہوم کے دیگر الفاظ کہنا (بھی) مستحب ہیں: «حَفِظَكَ اللّٰهُ» کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔'' اور «جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا» اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر بدلہ یعنی جزائے خیر دے۔ اور اس کے دلائل میں صحیح اور مشہور احادیث بہت زیادہ وارد ہوئی ہیں۔

[**مسئلہ**]: کسی شخص کا ایسے آدمی کے حق میں جو کہ اپنے علم و فضل یا راستبازی و اصلاح پردازی یا اسی طرح کی دیگر اچھی صفات کی بناء پر باعثِ عزت و احترام اور صاحب جاہ وجلال ہو اس قسم کے الفاظ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں: «جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِدَاكَ» کہ اللہ تعالیٰ کرے میں آپ پر فدا ہو جاؤں یا «فِدَاكَ أَبِيْ وَ أُمِّيْ» میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔ اور اس کے حق میں بھی صحیح اور مشہور احادیث میں کثرت سے دلائل موجود ہیں۔ جنھیں میں نے اختصار کے پیشِ نظر یہاں حذف کر دیا ہے۔''

[**مسئلہ**]: جب عورت کو خرید و فروخت کرتے وقت یا اس کے علاوہ دیگر ایسی جگہوں پر جہاں اس کے لیے گفتگو کرنا جائز ہے غیر محرم مردوں سے گفتگو کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے (اندازِ بیان) اور کلام کو بھاری اور سخت رکھے۔ اور نرم و نازک انداز سے احتراز برتے کہ مبادا (سننے والے کے دل میں) اس کے بارے میں کوئی لالچ یا طمع نہ پیدا ہو۔

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! میں سے امام ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''البسیط'' میں رقمطراز ہیں: '' کہ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! کا کہنا ہے: '' کہ عورت اکسائی جانے والی (اور متوجہ کی جانے والی) مخلوق ہے۔ لہٰذا جب وہ اجنبی مردوں سے مخاطب ہو تو وہ سخت اور روکھے پن کے انداز میں بات کرے۔ اس لیے کہ یہ طریقہ کسی شخص کو بھی اس کے بارے میں طمع یا حرص وغیرہ میں مبتلا ہونے سے دور کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح جب وہ کسی سسرالی رشتے کی بناء پر ہونے والے ''محرم'' سے مخاطب ہو تو تب بھی ایسا ہی انداز اختیار کرے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین، (یعنی رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات) کو ان الفاظ سے وصیت فرمائی ہے۔ حالانکہ (امت کے) اہلِ ایمان پر ان کی حرمت ہمیشہ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے۔''[1]

...... میں کہتا ہوں کہ ابوالحسن الواحدی رحمہ اللہ نے '' عورت کو اجنبی مرد سے بات کرتے وقت'' روکھا پن اور سخت انداز اختیار کرنے کے بارے میں جو کہا ہے بعینہٖ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ! بھی کہتے ہیں۔ اور ہمارے ائمہ رحمہم اللہ! میں سے ہی الشیخ ابراہیم المروزی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اپنی ہتھیلی کی پشت پر اپنے منہ سے پکڑ کر جواب دے۔ اور اصل حقیقت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔'' اور یہ جو امام الواحدی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے بارے میں کہا ہے کہ سسرالی رشتے سے بننے والا محرم (بھی) اجنبی، (یعنی غیر محرم) کی طرح حکم رکھتا ہے تو اس میں ضعف اور علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ اور یہی بات ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کے ہاں بھی مشہور ہے۔ اس لیے کہ یہ مرد عورت کو دیکھنے اور اس کے ساتھ تنہائی

[1] الاحزاب:

میں الگ ہونے کے جواز میں قریبی رشتہ دار کے محرم کی طرح ہوگا۔ (نہ کہ بالکل اجنبی غیر محرم کی طرح )۔ اور جہاں تک امہات المومنین کا تعلق ہے تو وہ صرف اہلِ ایمان کے ساتھ نکاح کی حرمت میں اور اپنے احترام کے واجب ہونے میں امہات یعنی ماؤں کا سا حکم رکھتی ہیں (نہ کہ اصلی ماؤں کا سا) اسی لیے ان کی آگے بیٹیوں سے (اہلِ ایمان کے لیے) نکاح کرنا جائز ہے۔ (واللہ اعلم)

# نکاح کے اَذکار کی کتاب اور اس کے متعلقہ مسائل

## باب، کسی عورت کے خاندان میں سے جو شخص اس کے ساتھ اپنی یا اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص کی منگنی کرنا چاہے تو کیا کہے؟

......اس بارے میں مستحب یہ ہے کہ منگنی کرنے والا (اس عمل کے آغاز میں) اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس پر ثناء اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے۔ اور (یہ الفاظ) کہے: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ» ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد ﷺ اس (اللہ) کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' (اور مزید یہ الفاظ کہے) کہ میں آپ کے پاس آپ کی فلاں نامی لڑکی یا آپ کی فلاں دختر نیک اختر جو فلاں شخص کی بیٹی ہے (کے ساتھ نکاح کے لیے منگنی) میں رغبت رکھتے ہوئے آیا ہوں۔ یا وہ اسی طرح کے کوئی اور الفاظ کہہ دے۔

سنن أبي داود اور سننِ ابن ماجہ اور ان کے علاوہ دیگر سنن کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر کلام، (یعنی بات) اور بعض روایات میں یہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں کہ'' ہر کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تعریف سے نہ کی جائے تو وہ بے برکت ہوتا ہے۔[1] اور ایک روایت

---

[1] سنن أبي داؤد، حديث: 4840، سنن ابن ماجه، حديث: 1894، سنن النسائي، حديث: 493، مسند أحمد: 359/2 اور یہ حدیث حسن ہے۔ نیز جس روایت میں ''أقطع'' کا لفظ ہے اسے امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ دونوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

میں «أَجْذَمُ» کے بجائے «أَقْطَعُ» کا لفظ ہے۔ اور دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔ یہ حدیث ''حسن'' ہے اور «أَجْذَمُ» کا مطلب ہے: ''جس کام میں برکت کم ہو۔''

اور سنن أبي داود اور سنن الترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں مرفوع روایت ملی ہے: ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ خطبہ (یا منگنی) جس میں تشہد نہ (پڑھا گیا) ہو تو وہ کوڑھ کی بیماری والے ہاتھ کی طرح ہے۔''[1]

## باب، آدمی کے اپنی یا اپنے علاوہ دوسرے کی بیٹی کو اہل خیر اور علم و فضل والوں کے سامنے پیش کرنے کے بارے میں تاکہ وہ اس سے نکاح کریں

صحیح بخاری میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا خاوند فوت ہو گیا تو، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: ''میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان پر (اپنی بیٹی) حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا تو میں نے یہ کہا: ''اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح کر دوں۔'' تو انھوں نے (جواب میں) یہ کہا: ''میں جلد ہی اپنے اس معاملے میں غور کروں گا۔'' (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: ''میں چند راتیں (انتظار کے لیے) ٹھہرا، پھر وہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) مجھے ملے اور کہا: ''میرے لیے یہی (معاملہ) ظاہر ہوا ہے کہ میں ان دنوں اپنی شادی نہ کروں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''(پھر) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے کہا: ''اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا نکاح حفصہ بنت عمر (رضی اللہ عنہا) سے کر دوں۔ تو اس پر حضرت ابوبکر

---

[1] سنن أبي داود، حديث:4841، جامع الترمذي، حديث:1106، نیز اس کی إسناد صحیح ہے اور ''تشہد'' سے مراد: «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ» ہے اور «الْيَدُ الْجَذْمَاءُ» یعنی کوڑھ زدہ ہاتھ۔ جذام زدہ آدمی کے جسم کی کھال اور گوشت سرخ ہو کر لوتھڑوں کی شکل میں نیچے گرتا ہے۔ اور حدیث میں ایسے مرض والے ''ہاتھ'' سے تشبیہ دینے سے کمی اور فائدے میں ''نقص'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔'' (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

صدیق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔'' اور پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔ [1]

## باب، عقد نکاح کے وقت کیا کچھ کہا اور پڑھا جائے؟

...... اس بارے میں مستحب، (یعنی سنت) یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت (تمہیدی) خطبہ پڑھا جائے جو ایسے اذکار و الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے جو ہم نے اس سے پہلے کے باب میں ذکر کیے ہیں اور یہ خطبہ ان الفاظ کی نسبت لمبا بھی ہو۔ خواہ خطبہ نکاح پڑھنے والا ''عاقد'' (یعنی نکاح کرنے والا) ہو یا کوئی اور۔ نیز خطبہ نکاح کے سلسلے میں سب سے افضل الفاظ درج ذیل حدیث میں وارد ہوئے ہیں جو سنن أبي داود، سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ اور سنن کی دیگر کتب میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ حاجت'' (یوں) سکھلایا ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِهٖ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَ مَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ، وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝﴾.

''تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے معافی

[1] صحيح البخاري، حديث: 5122، سنن النسائي: 83/6.

طلب کرتے ہیں اور اسی ذات کی اپنے جانوں کے شرور سے پناہ مانگتے ہیں۔
جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دے، تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ
(ذات) بھٹکا دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں (یہ) گواہی دیتا
ہوں کہ (ایک) اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں (یہ بھی) گواہی دیتا
ہوں کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں...... اے
لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی
(جان) سے اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں میں سے بہت سے
مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس ذات کے بارے میں تم
پوچھتے ہو اور رحمی (خونی) رشتوں (کو توڑنے) سے بھی بچو۔ بے شک اللہ تعالیٰ
تم پر نگہبان و نگران ہے۔[1] اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے
کا حق ہے اور تم اس حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو۔[2] (مطلب یہ کہ تمھاری
موت اسلام پر آئے اور تم آخر دم تک اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع و فرمانبردار رہو)
اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (اور سچی) بات کیا کرو۔ (نتیجتاً وہ اللہ)
تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور جو شخص
اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ بہت بڑی کامیابی سے
بہرہ ور ہوا۔[3] یہاں تک الفاظ تو سنن أبي داود کی روایت کے ہیں۔[4]
اور سنن أبي داود کی ہی ایک (دوسری) روایت میں "وَرَسُوْلُهُ" یعنی "تشہد" کے بعد یہ
الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں:

---

① النساء 1. ② آل عمران 102. ③ الاحزاب 71.

④ سنن أبي داود، حديث: 2118، جامع الترمذي، حديث: 1105، سنن النسائي: 89/6،
سنن ابن ماجه، حديث: 1892، نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں روایت کیا ہے۔ حدیث:
488 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں: 182/2.





«أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَ نَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ، مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَ مَنْ يَعْصِهِمَا فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهُ وَ لَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا»

"(اللہ تعالیٰ نے) اس کو قیامت قائم ہونے کے روبرو، حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے (تو) جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ ہدایت پا گیا اور جو ان دونوں ہستیوں، (یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ) کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچائے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ مذکورہ خطبہ اور آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی (اپنی زبان میں) کہے "میں تیرا نکاح اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر کرتا ہوں جو کہ اس نے (قرآن میں) فرمایا ہے: ﴿إِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ کہ (اس اپنی بیوی کو) معروف طریقے سے، اچھائی کے ساتھ اپنے پاس (روکے) رکھو یا (معاملات حد سے گزر جانے پر) احسان کے ساتھ اچھے انداز سے آزاد کر دو (یعنی طلاق دے دو۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ)...... اور اس خطبۂ (نکاح) کے کم از کم الفاظ یہ ہیں:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ) أُوْصِيْ بِتَقْوَى اللّٰهِ»

"تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمتیں ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، (یعنی تقویٰ اختیار کرنے) کی وصیت کرتا ہوں۔"

(واللہ اعلم)

اور یہ بات جان لیجیے کہ یہ خطبہ سنت (کا حکم رکھتا) ہے۔ اگر (نکاح خواں) اس سے

[1] سنن أبي داؤد، حدیث: 2119، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کچھ نہ پڑھے تب بھی علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ نکاح صحیح ہوگا...... اور امام داؤد ظاہری رحمہ اللہ سے یہ قول حکایت کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''(کہ خطبہ پڑھے بغیر) نکاح صحیح نہ ہوگا۔ لیکن محققین اہل علم رحمہم اللہ امام داؤد رحمہ اللہ کے اس اختلاف کو معتبر نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان (اکیلے) کی مخالفت سے یہ اس ''اجماع'' پر کوئی زد پڑتی ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

اور شوہر (جس کا نکاح پڑھا جا رہا ہو) کے بارے میں مختار (پسندیدہ) مذہب یہی ہے کہ وہ خود خطبہ نکاح میں سے کچھ نہ پڑھے (اور کچھ نہ کہے) بلکہ ولی (سرپرست) جب اس کو یہ کہے: ''کہ میں فلاں عورت سے تیرا نکاح کرتا ہوں'' تو وہ ساتھ ہی (جواب میں یہ) کہے: کہ میں نے اس کو اپنے نکاح کے لیے قبول کیا۔'' اور اگر وہ چاہے تو یہ الفاظ کہے: «قَبِلْتُ نِكَاحَهَا» کہ میں نے اس کو (بطورِ نکاح) قبول کیا۔'' لیکن اگر وہ آگے سے یہ الفاظ کہہ دے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ قَبِلْتُ» کہ تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ کے رسول پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمتیں ہوں میں نے یہ (عورت نکاح میں) قبول کی۔'' تو نکاح صحیح ہوگا۔ اور یہ کلام ''ایجاب'' (ولی کے قول) اور ''قبول'' (شوہر کے ہاں کرنے) کے درمیان کسی قسم کا ضرر (اور نقص) نہیں پیدا کرے گا۔ کیونکہ یہ ایسا (اٹل اور واضح) فیصلہ ہے جس کی بناء پر ہی اس کا عقد (نکاح) سے تعلق قائم ہوتا (اور دونوں میاں بیوی کے درمیان ازدواجی زندگی کا پہیہ متحرک ہوتا ہے)۔

اور ہمارے بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''کہ ایسے الفاظ سے نکاح باطل ہو جاتا ہے'' اور بعض کا کہنا ہے کہ نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ ایسے الفاظ میں ''قبول'' مستحب ہے۔ اور درست بات یہی ہے۔ جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہے کہ وہ ایسے الفاظ نہ کہے لیکن اگر وہ مخالفت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی کہہ دیتا ہے تو اس کا نکاح (بہرحال) باطل نہیں ہوگا۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

## باب، عقدِ نکاح کے بعد شوہر کو کیا الفاظ کہے جائیں؟

سنت (طریقہ) یہ ہے کہ اس کو (خیر و برکت کے) یہ الفاظ کہے جائیں: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ» کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو برکت دے۔ یا «بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ» کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت (بہا) دے۔" (وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ) اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا رکھے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو یہ الفاظ کہے جائیں: «بَارَكَ اللّٰهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا فِي صَاحِبِهٖ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ» کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں (میاں، بیوی) میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی کے بارے میں برکت عطاء کرے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا رکھے۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ انھوں نے شادی کی ہے (خیر و برکت کے) یہ الفاظ کہے:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ»

"کہ اللہ تعالیٰ آپ کو (شادی میں) برکت دے۔"[1]

اور ہم کو "صحیح" میں ہی مروی روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو، جب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی کی خبر دی، (خیر و برکت کے) یہ الفاظ کہے:

«بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ»

"کہ اللہ تعالیٰ آپ پر برکت (بہا) دے۔"[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5155، صحيح مسلم، حديث: 1427، مؤطا امام مالك: 545/1، سنن أبي داؤد، حديث: 2109، جامع الترمذي، حديث: 1093، سنن النسائي: 137/6۔

[2] صحيح البخاري، حديث: 6387، صحيح مسلم، حديث: 715، سنن أبي داؤد، حديث: 2048، جامع الترمذي، حديث 1100،1086، سنن النسائي: 69/6۔

اور سنن أبي داود، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب سنن میں "صحیح اَسانید" کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جب انسان اپنی شادی کرتا (اور آپ ﷺ کو خبر ہوتی) تو فرماتے:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ ، وَ بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»

"کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو (شادی میں) برکت دے اور تجھ پر (اپنی طرف سے) برکت (بہا) دے۔ اور تم دونوں (میاں بیوی) کو بھلائی (اور نیکی پر) اکٹھا رکھے۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"

[**فصل**]:...... اور شادی کے موقع پر (مبارکباد دیتے ہوئے) یہ الفاظ کہنا: «بِالرِّفَاءِ وَ الْبَنِيْنَ» "یعنی تم دونوں کے درمیان اتفاق و اتحاد رہے اور تم کو اولاد نصیب ہو" مکروہ، گردانا گیا ہے اور اس کی کراہت کی دلیل ان شاء اللہ عنقریب کتاب کے آخر میں «حِفْظُ اللِّسَانِ» کی کتاب میں آئے گی۔

## باب، شادی کی پہلی رات جب شوہر کے پاس اس کی بیوی آئے تو وہ کیا کہے؟

مستحب یہ ہے کہ (شوہر) اپنی بیوی سے پہلی ملاقات پر اللہ تعالیٰ کا نام لے، (یعنی بسم اللہ پڑھے) اور اس کی پیشانی (اپنے ہاتھ سے) پکڑ کر یہ دعائیہ کلمات کہے: «بَارَكَ اللّٰهُ لِكُلٍّ

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 2130، جامع الترمذي، حديث: 1091، سنن ابن ماجه، حديث: 1095 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں، حدیث: 259 اور امام ابن السنی رحمہ اللہ نے امام نسائی کے طریق سے حدیث: 609، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ «تَخْرِيْجُ أَحَادِيْثِ الشَّرْحِ الْكَبِيْرِ» میں کہتے ہیں: "کہ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ، امام الدارمی رحمہ اللہ، کتب سنن کے مؤلفین محدثین رحمہم اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابوالفتح القشیری رحمہ اللہ نے "الاقتراح" میں صحیح مسلم کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات: 79/6۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

وَاحِدٍ مِنَّا فِيْ صَاحِبِهٖ»۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے (جیون) ساتھی میں برکت عطا فرمائے۔'' اور اس کے ساتھ ہی کہے جو:

سنن أبي داود، سنن ابن ماجہ اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں اور ان کے علاوہ دیگر کتب سنن میں حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا اور (ان کے دادا) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے شادی کرے یا کوئی نوکر خریدے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ»

''اے اللہ! میں آپ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی (بھی مانگتا ہوں) جس پر آپ نے اس کو پیدا کیا ہے اور میں اس کی برائی سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس چیز کی برائی سے (بھی میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں) جس پر آپ نے اس کو پیدا کیا ہے۔'' اور جب وہ کوئی اونٹ خریدے تو وہ اس کی کوہان کی بلند چوٹی کو پکڑے اور یہی دعاء کرے۔''

...... اور ایک روایت میں یہ ذکر ہوا ہے: ''پھر شوہر کو چاہیے کہ وہ (اپنی بیوی) کی پیشانی کو پکڑے اور (اس) عورت اور خادم کے حق میں برکت کی دعاء کرے۔''[1]

---

[1] سنن أبی داؤد، حدیث: 2160، سنن ابن ماجه، حدیث: 1918، امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حدیث: 605، نیز امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرك: 185/2، اور کہا ہے کہ ''جو ہم نے ثقہ ائمہ کی روایت سے حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے (اس کے مطابق) صحیح ہے، اور امام الذہبی رحمہ اللہ نے اس کی موافقت کی ہے۔

## باب، جب شادی شدہ آدمی اپنی بیوی کے پاس (پہلی) ملاقات کے لیے آئے تو اس کے بعد اس آدمی کو کیا دعائیہ الفاظ کہے جائیں؟

صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں:
''کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (شادی کے بعد) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ملاقات کے لیے گئے۔ (بعد ازاں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی اور گوشت کا ولیمہ کیا...... اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث میں ولیمہ کی صفت اور مہمانوں کی کثرت جو ولیمہ پر بلائے گئے تھے، بیان کی، پھر کہتے ہیں: ''تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کی جانب چلے، اور فرمایا: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» کہ تم پر (اللہ تعالیٰ کی) سلامتی ہو اے اہل خانہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (جواب میں) کہا: «وَ عَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل (نئی بیوی) کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں برکت دے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اسی طرح) اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں گھومے پھرے اور ان سب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی (سلام و برکت کے دعائیہ) کلمات کہے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہے تھے اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) ان سب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے (بھی) جواب میں آپ کو وہی الفاظ کہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہے تھے۔''[1]

## باب، جماع (بیوی سے ہم بستری) کے وقت آدمی کیا دعاء کرے؟

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت زیادہ طرق کے ساتھ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4793، صحيح مسلم، حديث: 1428 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے المجتبیٰ: 79/6 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، حديث: 271۔





مروی مرفوع روایت ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس مباشرت (ہم بستری) کے لیے آئے تو وہ یہ کلمات پڑھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ ، وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا»

''اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے، اے اللہ ہم کو شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو (بھی) اس چیز سے دور رکھ جسے آپ ہم کو عطاء فرمائیں، تو جو بچہ بھی ان دونوں کے لیے (اس ہم بستری کے نتیجے میں) مقدر کیا جائے گا، شیطان اس کے لیے باعثِ ضرر (و تکلیف) نہ ہوگا۔''[1]

## باب، شوہر کے اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے' خوش طبعی کرنے اور الفت و محبت کی باتیں کرنے کے بارے میں

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے وہ کہتے ہیں: ''کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے کہا: ''کیا تم نے کنواری عورت سے شادی کی ہے یا شوہر سے جدا شدہ عورت سے؟ میں نے کہا: ''میں نے شوہر سے جدا شدہ عورت سے شادی کی ہے تو (اس پر) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم نے کنواری (عورت) سے شادی کیوں نہ کی کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔''[2]

اور جامع الترمذی اور سنن النسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ ایمان میں کامل وہ شخص ہے جو خُلق (عادت و اطوار) کے اعتبار سے سب سے اچھا

---

① صحيح البخاري، حديث: 5165، صحيح مسلم، حديث: 1434، سنن أبي داؤد، حديث: 2161، جامع الترمذي، حديث: 1092، سنن ابن ماجه، حديث: 1919، سنن النسائي، حديث: 266 اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَ اللَّيْلَةِ، حديث: 613۔

② صحيح البخاري، حديث: 6387، صحيح مسلم، حديث 110,715۔

اور اپنے اہل (بیوی اور گھر والوں) کے ساتھ شفقت (ومحبت) اور نرمی میں سب سے بڑھ کر ہے۔“[1]

## باب، شوہر کا اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت ادب (اور حیاء) کو ملحوظِ خاطر رکھنے کے بارے میں؟

یہ جان لیجیے کہ شوہر کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے (قریبی) رشتہ داروں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال نہ کرے، جن میں عورتوں کے ساتھ جماع (مباشرت اور ہم بستری) یا ان کو بوسے دینے یا ان سے معانقہ کرنے، (یعنی گلے ملنے) یا ان سے استمتاع (جنسی فائدہ اٹھانے) کے دیگر انداز کا ذکر ہو یا اس کی گفتگو ایسے موضوع پر مشتمل ہو یا وہ اس قسم کے موضوع سے کسی معاملے کی تائید میں دلیل لے رہا ہو، یا پھر اس قسم کی گفتگو سے میاں اور بیوی کے آپس میں جنسی تعلقات (واضح) سمجھے جارہے ہوں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”میں ایسا آدمی تھا جسے کثرت سے مذی آیا کرتی تھی۔ تو میں نے اس بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے (کچھ) دریافت کرنے میں حیاء محسوس کی، اس لیے کہ آپ ﷺ کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے نکاح میں تھیں تو میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ سے (میرا یہ مسئلہ) دریافت کریں۔“[2]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2615 اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ”السنن الكبرىٰ“ میں اور یہ ”مرسل“ ہے اس لیے کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔ ہاں اس کے دیگر شواہد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی موجود ہیں، جن کی بنیاد پر اس روایت کو سہارا ملتا ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

[2] صحيح البخاري، حديث: 269، صحيح مسلم، حديث: 303، موطا امام مالك: 40/1، سنن أبي داؤد، حديث: 209,206، جامع الترمذي، حديث: 114، سنن النسائي: 97,96/1.




## باب، بچے کی ولادت کے وقت اور عورت کو دردِ زہ شروع ہونے پر کیا پڑھا جائے؟

...... ایسے حالات میں دکھ اور تکلیف کے وقت پڑھی جانے والی وہ دعائیں کثرت سے پڑھی جانی چاہئیں جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جب ان کے ہاں (بچے کی) ولادت کا وقت قریب آیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ دونوں آئیں اور اس (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے پاس "آیت الکرسی" اور "سورۃ الأعراف" کی آیات ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ....﴾،[1] آخر آیت تک) اور معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھ کر دم کریں۔"[2]

## باب، بچے کے کان میں اذان کہنے کے بارے میں

سنن أبي داود، سنن الترمذی اور ان کے علاوہ دیگر کتب سنن میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم) سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (حضرت) حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز کی اذان کہتے ہوئے دیکھا، جب (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ولادت ہوئی۔" امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"[3]

---

① الاعراف 54.

② امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 625 اور اس کی اِسناد انتہائی ضعیف ہے۔ راوی موسیٰ بن محمد بن عطاء کی موجودگی کی بناء پر، جو کہ "منکر الحدیث" ہے نیز اس کی "سند" میں ایک راوی عیسیٰ بن ابراہیم القرشی بھی "منکر الحدیث" موجود ہے۔ ایک اور راوی موسیٰ بن ابی حبیب بھی ہے جو کہ "ذاهب الحديث" ہے اسی بناء پر امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کے "موضوع" ہونے پر قطعی حکم لگایا ہے۔ دیکھیے: کتاب الكلم الطيب، حاشیہ: 110.

③ سنن أبي داود، حديث: 5105، جامع الترمذي، حديث: 1514 اور ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور ⇐ ⇐

اور ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے: ''اس بارے میں مستحب یہ ہے کہ بچے کے دائیں کان میں (نماز والی) اذان کہی جائے اور اس کے بائیں کان میں ''نماز کی اقامت'' کے کلمات کہے جائیں۔

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے ہاں کوئی بچہ جنم لے تو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور اس کے بائیں کان میں اقامت[1] (کے الفاظ) کہے تو اس بچے کو (أُمُّ الصِّبْیَان)[2] مرگی کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

## باب، بچے کو گھٹی دیتے وقت دعاء کرنے کے بارے میں

سنن اَبی داؤد میں صحیح اِسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (نومولود) بچوں کو لایا جاتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں دعاء فرماتے اور ان کو گھٹی (بھی) دیتے تھے۔''[3] اور ایک روایت میں یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے برکت کی دعاء کرتے۔''

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت اَبی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتی ہیں: میں (جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پیٹ میں لیے) مکہ مکرمہ میں حاملہ ہوئی

---

⇐⇐ اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی۔ اور کہا ہے: ''کہ یہ حدیث صحیح الإسناد ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے: كتاب الفتوحات الرّبانية: 94/6.

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 628 اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، بلکہ امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ یہ ''موضوع'' ہے۔ دیکھیے: كتاب ضعيف الجامع الصغير: 257/5.

② أُمُّ الصِّبْیَان (یعنی بچوں کی ماں سے مراد وہ ہوا ہے جو بچوں کو (پیدا ہوتے ہی) لگ جاتی ہے اور بسا اوقات بچے اس (مرگی کے مرض) کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جنات وغیرہ ہیں۔

③ سنن أبی داؤد، حدیث: 51106 اور اس کی إسناد ''صحیح'' ہے۔

کھجور یا کوئی اور میٹھی چیز کو نرم کر کے بچے کے تالو میں لگانے کو تحنیک یا گھٹی دینا کہتے ہیں۔ (مترجم)

تو (اس دوران) مدینہ منورہ آئی، وہاں قباء (بستی) میں ٹھہری اور وہیں (بچے، یعنی عبداللہ رضی اللہ عنہ کو) جنم دیا، پھر میں ان کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لیا، پھر کھجور منگوائی اور اس کو (منہ مبارک میں رکھ کر) چبایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے (عبداللہ رضی اللہ عنہ) کے منہ میں تھوکا تو اس طرح سب سے پہلی چیز جو اس کے پیٹ میں پہنچی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی گُتی دی، پھر ان کے لیے خیر و برکت کی دعاء کی۔"[1]

اور صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "کہ میرے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی، تو میں اس کو لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "ابراہیم" رکھا، کھجور کی گُتی دی اور اس کیلئے برکت کی دعاء کی"[2] یہ آخری الفاظ «وَدَعَالَهُ بِالْبَرَكَةِ» "صحیح بخاری" کے ہیں۔ ان کے علاوہ روایت کے بقیہ الفاظ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ذکر ہوئے ہیں۔

① صحيح البخاري، حديث: 3909، صحيح مسلم، حديث: 2146.
② صحيح البخاري، حديث: 6198، صحيح مسلم، حديث: 2145.

# ناموں کی کتاب

## باب، (نومولود) بچے کا نام رکھنے کے بارے میں

......سنت یہ ہے کہ (نومولود) بچے کا نام پیدائش کے دن یا اس سے ساتویں دن رکھا جائے۔

اور بچے کا نام ساتویں دن رکھنے کے استحباب (سنت ہونے) کی دلیل وہ حدیث ہے جو "جامع الترمذی" میں حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ سے مروی ہمیں ملی ہے۔ وہ اپنے باپ (حضرت شعیب رحمہ اللہ) سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا سے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کا (پیدائش سے) ساتویں دن نام رکھنے، اس سے تکلیف دور کرنے، (یعنی سر مونڈنے) اور (اس کی طرف سے) عقیقے کا جانور ذبح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔"[1] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن ہے۔"

اور سنن أبی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب سنن میں "صحیح أسانید" کے ساتھ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کہ ہر بچہ اپنے "عقیقہ" کے ساتھ گروی رکھا جاتا ہے، (لہٰذا) اس کی پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف سے (عقیقے کا) جانور ذبح کیا جائے، سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔"[2]

---

① جامع الترمذي، حديث: 2834 اور امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حسن غریب ہے۔ نیز اس کے بعد آنے والی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بھی انھوں نے "حسن" کہا ہے جو کہ اس حدیث کی "شاہد" بھی ہے۔

② سنن أبي داود، حديث: 2838,2837، جامع الترمذي، حديث: 1552، سنن ابن ماجه، حديث: 3165، سنن النسائي: 16/7، نیز اس حدیث کی "اِسناد" صحیح ہے۔




امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

......اور جہاں تک بچے کی پیدائش کے دن اس کا نام رکھنے کی دلیل کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو سابقہ باب میں ہمیں روایت کردہ، ذکر کر دی گئی ہے۔

اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”رات کو میرے ہاں بچہ پیدا ہوا، تو میں نے اس کا نام، اپنے باپ (دادا) کے نام پر ابراہیم (علیہ السلام) رکھا۔“[1]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ”کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میں اس کو لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ (رضی اللہ عنہ) رکھا۔[2]

اور صحیحین میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ کا بیٹا المنذر جب پیدا ہوا، تو اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی ران مبارک پر رکھا اس حال میں کہ (اس کے باپ) حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ (پاس) بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس پر حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے بچے کو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے اٹھانے کا کہا تو وہ اس کو گھر کی طرف لے گئے، پھر جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (بچے کے بارے میں) یاد آیا تو فرمایا: ”بچہ کہاں ہے“؟ ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اس کو گھر کی طرف لوٹا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نام (کیا) رکھا ہے؟ ابو اُسید بولے: فلاں۔ (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں

---

① صحيح مسلم، حديث:2315.

② صحيح البخاري، حديث:1301، صحيح مسلم، حديث: 2144، سنن أبي داود، حديث:4951.

بلکہ اس کا نام اَلْمُنْذِرُ ہے۔ تو انھوں نے اسی دن اس کا نام ''اَلْمُنْذِرُ'' رکھ دیا۔[1]

## باب، شکم مادر میں گر جانے والے بچے کا نام رکھنے کے بارے میں

......ایسے بچے کا نام رکھنا ''مستحب'' ہے خواہ یہ نہ بھی معلوم ہو سکے کہ آیا وہ بچہ مذکر تھا یا مؤنث اور ایسی صورت میں ایسا نام منتخب کیا جائے جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے درست ہو سکتا ہو جیسے: ہند، ہُنید ہ، خارجہ، طلحہ، عُمیر اور زُرعۃ وغیرہ نام ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ ایسا بچہ جو مدتِ حمل پوری ہونے سے پہلے ہی شکم مادر میں گر جائے تو اس کا نام رکھنا مستحب، (یعنی مسنون عمل ) ہے، اس لیے کہ اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے، اور امام موصوف رحمہ اللہ کے علاوہ ان کے دیگر اصحاب رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے، جبکہ:

ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا یہ بھی کہنا ہے: کہ اگر بچہ نام رکھنے سے پہلے ہی فوت ہو جائے، تب بھی اس کا نام رکھنا مستحب ہے۔

## باب، اچھے نام رکھنے کے استحباب کے بارے میں

سُنن اَبی داوٗد میں جید اِسناد کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: '' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' بے شک تم اپنے اور اپنے آباء واجداد کے ناموں سے قیامت کے دن بلائے جاؤ گے۔ تو (اسی لیے ) اپنے نام اچھے اچھے رکھو۔''[2]

---

① صحيح البخاري، حديث:6191، صحيح مسلم، حديث:2149.

② سنن أبي داود، حديث: 4948 اور اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی ''صحیح'' میں بھی نکالا ہے۔ نیز اس کے رجال (راوی) ثقہ ہیں۔ ہاں البتہ'' سند'' میں دو راویوں عبداللہ بن ابی زکریا اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان ''انقطاع'' ہے۔ دیکھیے: کتاب جامع الأصول کا حاشیہ 1/ 357 (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

## باب، اللہ عزّ وجلّ کے ہاں سب سے پسندیدہ ناموں کے بیان کے بارے میں

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمھارے ناموں میں سے اللہ عزّ وجل کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔'' ①

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ ہم میں سے کسی آدمی کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام ''القاسم'' رکھا۔ اس پر ہم نے کہا: کہ ہم تجھے ''ابوالقاسم'' کی کنیت نہیں دیں گے اور نہ یہ (تیرے لیے) عزت کا باعث ہے، تو اس آدمی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے بیٹے کا نام ''عبدالرحمٰن'' رکھ دو۔ ②

اور سنن اَبی داوٗد، سنن النسائی اور دیگر کتبِ سنن میں حضرت ابو وہیب الجشمی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(اپنے اور اپنے بچوں کے نام) انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اور ان ناموں میں سب سے زیادہ سچے حارِث اور ہَمّام ہیں، اور ناموں میں سب سے بڑھ کر قبیح، (یعنی برے) حَرب اور مُرّۃ ہیں۔'' ③

---

① صحيح مسلم، حديث: 2132، سنن أبي داؤد، حديث: 4949، جامع الترمذي، حديث: 2835.

② صحيح البخاري، حديث: 6186، صحيح مسلم، حديث: 2133، سنن أبي داؤد، حديث: 4966، جامع الترمذي، حديث: 2845.

③ سنن أبي داؤد، حديث: 4950، سنن النسائي: 6/218،219، اور اس کی ''سند'' میں ایک راوی عقیل بن شبیب ہے جو مجہول ہے۔ نیز اس حدیث کے دیگر شواہد بھی ہیں۔

## باب، بچے کی پیدائش کے موقع پر مبارکباد دینے اور وصول کرنے والے کی جانب سے جواب دینے کے بارے میں

(نومولود) بچے کے باپ کو مبارکباد دینا مستحب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں: ''اس بارے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے، اس کی بناء پر مبارکباد دینا ''مستحب'' ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو مبارکباد کے یہ الفاظ سکھائے کہ کہو: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي الْمَوْهُوْبِ لَكَ وَ شَكَرْتَ الْوَاهِبَ ، وَ بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ رُزِقْتَ بِرَّهٗ» ''کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم ہبہ کئے گئے ہو، اس میں آپ کے لیے برکت دے اور تم ہبہ کرنے والی ذاتِ باری تعالیٰ کے شکر گزار رہو، اور وہ (بچہ) اپنی جوانی کو پائے، (یعنی اس کی عمر دراز ہو) اور آپ کے لیے نیکی و بھلائی (اور خیر و برکت) کے حصول کا ذریعہ ہو۔''

اور اسی طرح مبارکباد دینے والے کو یہ کلمات کہہ کر جواب لوٹانا بھی مستحب ہے: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكَ وَ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا وَ رَزَقَكَ اللّٰهُ مِثْلَهٗ» ''کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے (ہر کام میں) برکت دے، آپ پر (اپنی فیوض و) برکات بہا دے اور آپ کو بہتر اجر سے نوازے اور آپ کو (بھی) اسی مثل (نیک اور پاکیزہ بچہ) عطاء فرمائے۔ یا پھر (اس کی جگہ یہ الفاظ کہے)، «أَجْزَلَ اللّٰهُ ثَوَابَكَ» کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت زیادہ (اجر و) ثواب سے نوازے یا اسی قبیل کے دیگر الفاظ بھی کہہ سکتا ہے۔

## باب، ناپسندیدہ نام رکھنے سے منع کرنے کے بارے میں

صحیح مسلم میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم اپنے بچوں کے نام کبھی یہ نہ رکھنا: يَسَار ، رَبَاح ، نَجَاح اور أَفْلَح [1] (اس لیے کہ ان ناموں میں سے کسی نام کے ساتھ پکار کر) تم کہو

[1] يَسَار: آسانی تونگری۔ رَبَاح: فائدہ، نفع۔ نَجَاح: کامیابی، مراد پانا۔ أَفْلَح: مطلوب میں کامیاب ہونا۔ فعل ماضی۔ (مترجم)




کہ وہ یہاں ہے لیکن وہ نہ ہوتو یہ چار نام ہیں۔ تم مجھ پر ان سے (زیادہ) نہیں بڑھاؤ گے۔''①

اور سنن أبي داؤد وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے اور اس میں بھی کسی بچے کا نام «بَرَكَة» رکھنے سے روکا گیا ہے۔②

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے، وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ (باعثِ ذلت اور) رُسوا کن نام اس آدمی کا ہے جو «مَلِكُ الْاَمْلَاك» کا نام رکھا جائے، اور امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ باعثِ غضب اور سب سے بڑھ کر خبیث وہ آدمی ہے جو «مَلِكُ الْاَمْلَاك» (یعنی مال و متاع کا مالک) نام رکھا جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حقیقی مالک نہیں ہے۔③ اور ایک صحیح روایت میں حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: کہ «مَلِكُ الْاَمْلَاك» ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے ''شاہنشاہ'' (یعنی بادشاہوں کا بادشاہ)۔

## باب، انسان کا اپنے کسی بیٹے یا خادم یا شاگرد یا اس طرح کے کسی اور شخص کو ادب سکھانے، بری عادات سے پھیرنے اور روکنے کی خاطر، قبیح (یعنی بُرے) نام سے پکارنے کے بارے میں

امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عبداللہ بن بُسر المازنی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

① صحيح مسلم، حديث: 2137، سنن أبي داؤد، حديث: 4958، جامع الترمذي، حديث: 2838.

② سنن أبي داؤد، حديث: 4960، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور صحيح مسلم، حديث: 2138.

③ صحيح البخاري، حديث: 6205، صحيح مسلم، حديث: 2143، سنن أبي داؤد، حديث: 4961، جامع الترمذي، حديث: 2839.





سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ (اور بُسر "باء" کے ضمہ اور "سین" کے سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے)۔ وہ کہتے ہیں: "کہ میری ماں نے مجھے انگوروں کا گچھا دے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں بھیجا، تو میں نے اس سے پہلے کہ (پورا گچھا) آپ ﷺ کے پاس پہنچا دوں، اس میں سے کچھ کھا لیا۔ پس جب میں وہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ لیا اور کہا: «یَا غُدَرُ» یعنی اے بڑے دھوکے باز۔"[1]

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں وہ طویل حدیث ملی ہے، جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی واضح کرامت پر مشتمل ہے، اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک (پوری) جماعت کی میزبانی کی اور ان کو اپنے گھر میں بٹھایا، اور (خود) اللہ کے رسول ﷺ کی طرف چلے گئے، (اس طرح) آپ کو واپس آنے میں دیر ہوگئی، پھر جب واپس آئے تو کہا: "کیا تم نے ان (مہمانوں) کو رات کا کھانا کھلا دیا ہے؟ تو ان (کے گھر والوں) نے (جواب میں) کہا: نہیں تو اس پر اپنے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: «یَا غُنْثَرُ» (یہ لفظ غین کے ضمہ، نون کے سکون، پھر "ثاء" کے فتحہ اور ضمہ دونوں حرکات سے پڑھا گیا ہے)، یعنی اے کمینے! (بعد ازاں) آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو رسوائی کی بددعا دی اور سخت برا بھلا کہا۔[2]

## باب، جس شخص کے نام کی پہچان نہ ہو تو اسے کس انداز اور کن الفاظ سے پکارا جائے؟

ایسے شخص کو بلاتے وقت ایسے الفاظ اور عبارت استعمال کیے جائیں، جو اس کے لیے اذیت کا باعث نہ ہوں اور نہ ان میں جھوٹ (کا شائبہ) ہو اور نہ حد سے زیادہ خوشامد (اور نہ

---

① امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 403 اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

② صحيح البخاري، حديث: 602، صحيح مسلم، حديث: 2058، سنن أبي داود، حديث: 3270.

مبالغہ)، جیسے آپ کا یہ کہنا کہ:

«يَا أَخِيْ، يَا فَقِيْه، يَا فَقِيْر، يَا سَيِّدِي، يَا هٰذَا، يَاصَاحِبَ الثَّوْبِ الْفُلَانِيِّ، يَا صَاحِبَ النَّعْلِ الْفُلَانِيِّ، يَا صَاحِبَ الْفَرَسِ الْفُلَانِيِّ، يَا صَاحِبَ الْجَمَلِ، يَا صَاحِبَ السَّيْفِ، يَا صَاحِبَ الرُّمْحِ»

''یعنی (اے بھائی! اے فقیہ! اے فقیر! اے میرے آقا! اے یہ شخص! اے فلاں کپڑے والے! اے فلاں جوتے والے! اے فلاں گھوڑے والے! اے اونٹ والے! اے تلوار والے! اے نیزے والے) یا اسی طرح کے دیگر الفاظ جو کہ پکارنے والے اور جس شخص کو پکارا جائے دونوں کے (ظاہری) حالات پر صادق آتے ہوں۔''

اور سنن أبي داود، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ میں ''حسن بإسناد'' کے ساتھ حضرت بشیر بن معبد رضی اللہ عنہ جو کہ ''ابن الخَصَاصِيَة'' کے نام سے معروف ہیں، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس حال میں کہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ ناگہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنے اوپر جوتے رکھے ہوئے قبروں کے درمیان چلتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَاصَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ» اے جوتوں والے تیرے لیے بربادی (خرابی) ہو، اپنے جوتے (نیچے) پھینک دے، اور پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔''[1]

میں کہتا ہوں: «السِّبْتِيّ» وہ جوتا ہوتا ہے جس پر بال نہ ہوں۔

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت جاریہ انصاری صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی آدمی کا نام یاد نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے (پکارتے وقت) کہتے: «يَا

[1] سنن أبي داود، حديث: 3230، سنن النسائي: 296/4، سنن ابن ماجه، حديث: 1568 اور یہ حدیث قبل ازیں گزر چکی ہے۔

ابنَ عَبْدِ اللّٰہِ» یعنی اے عبداللہ کے بیٹے۔ [1]

## باب، بیٹے، طالب علم اور شاگرد کو اپنے باپ، استاد اور اپنے شیخ کا نام پکارنے کی ممانعت کے بارے میں

امام ابن السنی رحمہ اللہ کتاب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک لڑکا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے کہا: ''یہ کون شخص ہے''؟ وہ بولا: ''میرا باپ ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا: ''تو پھر اس کے آگے نہ چل، نہ اس کو (اور لوگوں کے سامنے) گالی وغیرہ کے لیے پیش کر، (یعنی اس کے لیے ایسے حالات نہ پیدا کر کہ لوگوں کو تجھے اور تیرے باپ کو ملامت کرنے کا موقع میسر آجائے) اور نہ اس سے پہلے (کسی بھی جگہ) بیٹھ اور نہ اس کو اس کے نام کے ساتھ پکار۔'' [2]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ ہی کی کتاب میں صاحب جلالت، بندۂ نیکوکار، السید عبیداللہ بن زَحْر رحمہ اللہ (زاء کے فتحہ اور ''حاء'' کے سکون کے ساتھ پڑھا گیا ہے) جن کی راستی (اور اخلاص) پر اتفاق ہے، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''کہ یہ عادات نافرمانی کے اعمال میں سے کہی گئی ہیں کہ تم اپنے باپ کا نام لے کر اسے پکارو اور راستے میں اس کے آگے آگے ہو کر چلو۔ [3]

---

[1] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 1-4، نیز اس کی اسناد ضعیف ہے۔ دیکھیے: ضعیف الجامع الصغیر: 200/4.

[2] امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب حدیث: 397، نیز اس کی اسناد ضعیف ہے۔ ہاں البتہ اس کے مفہوم کی تائید میں ''شواہد'' موجود ہیں۔ جنھیں امام الہیثمی رحمہ اللہ نے کتاب مجمع الزوائد 8/137، میں ذکر کیا ہے۔

[3] ابن السنی کی کتاب حدیث: 398 اور سند میں راوی عبیداللہ بن زُحر صدوق ہے۔ ان سے خطا بھی سرزد ہوئی ہے۔ دیکھیے تفصیل: کتاب التقریب: 1/533.

## باب، پہلے سے نامزد کئے گئے نام کو بدل کر اس سے اچھا نام اختیار کرنے کے بارے میں

......اس باب کے ضمن میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جو کہ قبل ازیں (نومولود بچے کا نام رکھنے کے) باب میں حضرت منذر بن أبي أسید رضی اللہ عنہما کے قصہ کے تحت ذکر کی جا چکی ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں حدیث ملی ہے: ''کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام (پہلے) بَرّہ (بہت زیادہ نیکو کار) تھا، تو ان سے کہا گیا کہ تم اپنے تئیں نیک اور پرہیز گار باور کراتی ہو۔ تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام (بھی) زینب رکھ دیا۔ ①

اور صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت أبي سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت ہے۔ وہ (خود) کہتی ہیں: ''کہ میرا نام «بَرّة» رکھا گیا تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا نام ''زینب'' رکھ دو۔ وہ کہتی ہیں: کہ (اس طرح) جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں تو ان کا نام ''بَرّة'' یعنی انتہائی نیکو کار اور زاہدہ تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''زینب'' رکھ دیا۔ ②

اور صحیح مسلم میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام (پہلے) «بَرّة» تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (یا کوئی اور) ان کے پاس سے ہو کر واپس لوٹے تو یہ کہا جائے کہ وہ «بَرّة» (یعنی نیکی و اچھائی) سے ہٹ کر باہر آ گئے۔ ③

---

① صحیح البخاري، حدیث:6192، صحیح مسلم، حدیث:2141.

② صحیح مسلم، حدیث:2142.

③ صحیح مسلم، حدیث:2140.

صحیح بخاری میں حضرت سعید بن المسیب بن حزن سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد اللہ کے نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا کیا نام ہے''؟ تو انھوں نے جواب دیا: «حَزْنٌ» (یعنی شدت اور سختی) اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَنْتَ سَهْلٌ» (یعنی آپ تو ''سہل'' آسان ہیں) انھوں نے آگے سے کہا: ''جو نام میرے باپ نے رکھا ہے، میں اسے تبدیل نہیں کروں گا۔'' حدیث کے راوی حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کہ اس واقعہ کے بعد ہمارے اندر ہمیشہ سختی اور تلخی باقی رہی۔''[1]

اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے (ان کی بہن) عَاصِيَة، (یعنی گناہگار) کا نام بدل دیا اور فرمایا: «أَنْتِ جَمِيلَةٌ» یعنی تم تو سیرت و کردار کی بہت خوبصورت ہو۔[2] (مطلب یہ کہ آج سے تمھارا نام جمیلہ ہے)

اور صحیح مسلم میں ہی یہ ذکر ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دختر کو عَاصِيَة کہہ کر پکارا جاتا تھا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا نام (عاصیہ بدل کر) جمیلہ رکھ دیا۔

اور سنن أبي داود میں حسن اِسناد کے ساتھ حضرت اسامہ بن اَخدَری صحابیِ رسول ﷺ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے...... اور أَخْدَرِيّ...... ہمزہ کے فتحہ، دال کے فتحہ اور ان دونوں حرفوں کے مابین «خاء» کے سکون، (یعنی جزم) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ کہ ایک آدمی جسے «أَصْرَم» (یعنی کناروں سے کٹے کانوں والا یا بے آب و گیاہ، بیابان) نام سے پکارا جاتا تھا، ان لوگوں کے گروہ میں تھا جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: «أَصْرَم» تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم «زُرْعَة» ہو۔[3]

---

① صحيح البخاري، حديث: 6190.

② صحيح مسلم، حديث: 15،14،2139، سنن أبي داود، حديث: 4952.

③ سنن أبي داؤد، حدیث: 4954، نیز اس میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس نام (اصرم) کو اس لیے بدل دیا کہ اس میں ''صرم'' (مصدر)، یعنی قطع تعلق کے معانی پائے جاتے ہیں، اور اس حدیث کی ⇦⇦

(یعنی کھیتی باڑی کے قابل زمین)۔

اور سنن أبي داود، سنن النسائی اور ان کے علاوہ دیگر کتبِ سُنن میں حضرت ابو شریح ہانی الحارثی صحابیٔ رسول ﷺ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ جب وہ (ابو شریح رضی اللہ عنہ) اپنی قوم سمیت (وفد کی صورت میں) رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی قوم کو ان (ابو شریح) کی کنیت «أَبُو الْحَكَمِ» کہہ کر پکارتے سنا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے انھیں بلایا اور کہا: «إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَ إِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكْنٰى بِأَبِي الْحَكَمِ؟» کہ بے شک ''حَکَم'' (یعنی حکم جاری کرنے والا اور دو گروہوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا) تو وہ اللہ ہے، اور اسی ذات کی طرف ہی ہر معاملہ اور فیصلہ لوٹ کر جانے والا ہے، تو تمہاری کنیت «أَبُو الْحَكَمِ» کیسے پڑ گئی؟ تو انھوں نے جواب دیا ''میری قوم کے لوگ جب بھی آپس میں کسی بات پر اختلاف کرتے ہیں تو وہ میرے پاس چلے آتے ہیں اور میں ہی ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور میرے کیے ہوئے فیصلے پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا: ''یہ کتنا اچھا عمل ہے! کیا تمھاری کوئی اولاد بھی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: (ہاں تین بیٹے) شُریح، مسلم اور عبداللہ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ تو انھوں نے کہا: سب سے بڑا بیٹا شُریح ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «فَأَنْتَ أَبُوْ شُرَيْحٍ» کہ تم (آج سے) ابو شُریح ہو۔[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں[2] کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ''الْعَاصِي، عَزِيز، عَتَلَة، شَيْطَان، الْحَكَم، غُرَاب، حُبَاب، شِهَاب، ناموں کو بدل دیا۔ (اور مؤخر الذکر نام کی

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 4995، سنن النسائي: 227،226/8 اور عراقی رحمہ اللہ اپنی ''الأمالي على المستدرك'' میں کہتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام ابوداود، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام الحاکم رحمہم اللہ نے نکالا ہے۔ دیکھیے: الفتوحات الربانية: 127/6.

[2] سنن أبي داود: 242،241/5.

جگہ) ہاشم نام رکھا۔[1] نیز آپ ﷺ نے حَرْب (جنگ و جدال) کی جگہ «سِلْم» (امن و سلامتی) نام رکھا، «اَلْمُضْطَجِع» (لیٹنے والا) کی جگہ «اَلْمُنْبَعَث» (اٹھنے والا، ہوشیار و بیدار) نام رکھا، اور ایک زمین کا قطعہ جسے «عَفِرَة» (بانجھ پن)[2] کے نام سے پکارا جانے لگا اسے آپ ﷺ نے «خَضِرَة» (سرسبز و شاداب) نام سے موسوم فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے «شِعْبُ الضَّلَالَة» (گمراہی کی گھاٹی) کا «شِعْبُ الْهُدٰی» (رشد و ہدایت کی گھاٹی) نام رکھا اور «بَنُو الزِّنْيَة» (زیب و زینت کی اولاد) کا نام «بَنُو الرِّشْدَة» (یعنی حلالی اولاد، شرعی نکاح کے بدلے میں پیدا ہونے والی اولاد) رکھا اور «بَنُو مُغْوِيَة» (جبراً اغوا کر لی جانے والی اولاد) کا نام بدل کر آپ نے «بَنُو رِشْدَة» (یعنی جائز نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد) رکھا۔

امام ابوداود رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: ''کہ میں نے اس روایت کی اسانید کو اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا ہے۔ اور

...... میں کہتا ہوں: لفظ «عَتْلَة» عین کے فتح اور تاء کے سکون، (یعنی جزم) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ بات ابن ماکولا رحمہ اللہ نے کہی ہے، اور وہ کہتے ہیں: ''عبدالغنی رحمہ اللہ نے کہا ہے: کہ لفظ عَتَلَة میں تاء بھی فتحہ (زبر) کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔ وہ (موصوف رحمہ اللہ) مزید کہتے ہیں: ''کہ ان کا نام اللہ کے نبی ﷺ نے عَتْلَة سے بدل کر عُتْبَة رکھ دیا تھا اور یہ

---

[1] اَلْعَاصِی: نافرمان، گناہگار۔ عَزِیز: ہر چیز پر غالب جسے کوئی عاجز نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ عَتْلَة: لوہے کی وہ بڑی لاٹھ جس سے دیواریں گرائی جاتی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لوہے کا وہ بڑا ہتھیار جس سے درختوں کو اکھیڑا اور پتھروں کو توڑا جاتا ہے۔ شَیْطَان: بری روح، سرکش، نافرمان خواہ وہ انسان ہو یا جن یا اس سے مراد سانپ بھی ہے۔ نیز ابلیس کو بھی قرآن حکیم میں شیطان کہا گیا ہے۔ اَلْحَکَم: حکم جاری کرنے والا، فریقین کے مابین فیصلے صادر کرنے والا۔ غُرَاب: کوا، ایک سیاہ شریر پرندے کا نام ہے۔ حُبَاب: سانپ۔ حَبَاب بمعنی بلبلہ یا کسی چیز کی انتہاء۔ شِہَاب: آگ کا انگارہ، ٹوٹنے والا ستارہ یا نیزہ کا پھل۔ ہَاشِم: کسی شے کو توڑنے والا (مترجم)

[2] ''عَفِرَة'' (عَفِرَةٌ بانجھ پن) اللہ کے نبی ﷺ یہ نام ناپسند کرتے تھے، اس لیے کہ ''عَاقِر'' بانجھ عورت کو کہتے ہیں اور شَجَرَةٌ عَاقِرٌ یعنی وہ درخت جو پھل نہ دے۔

صاحب عتبہ بن عبد السُّلمی ہیں۔

## باب، نام کو مختصر یا اس کے آخری حروف کو حذف کرنے کے جواز کے بارے میں جب موسوم اس میں کوئی حرج محسوس نہ کرے

صحیح بخاری میں کثرتِ طرق کے ساتھ مروی حدیث ہمیں ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک پوری جماعت کے ناموں کو مختصر کیا اور انھی میں سے آپ ﷺ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر پکارنا ہے: «يَا أَبَا هِرّ» [1] ''کہ اے ابوہریرہ۔''

اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو «يَا عَائِشُ» [2] اور حضرت اَنْجَشَہ رضی اللہ عنہ کو «يَا أَنْجَشُ» کہہ کر پکارنا۔ [3]

اور امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب (عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَة) میں مذکور ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو «يَا أُسَيْمُ» اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کو «يَا قُدَيْمُ» کہہ کر پکارا۔ [4]

## باب، کسی شخص کو ان القابات سے پکارنے کی ممانعت کے بارے میں جنھیں وہ ناپسند کرتا ہو

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

① صحيح البخاري، حديث:6202,6201، باب مَنْ دَعَا صَاحِبَهُ فَنَقَصَ مِنِ اسْمِهِ حَرْفًا یہ باب ہے جو شخص اپنے ساتھی کو پکارے تو اس کے نام کے آخر سے ایک حرف کم کر دے۔

② صحيح البخاري، حديث:3768، صحيح مسلم، حديث:2447، سنن أبي داؤد، حديث:5232، جامع الترمذي، حديث:3876، سنن النسائي:69/7.

③ صحيح البخاري، حديث:6211,6210,6209.

④ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب، حديث:396,413.

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾

''اور ایک دوسرے کو برے لقب نہ دو۔''[1]

اور اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کو ایسے لقب سے پکارنا جسے وہ اپنے لیے ناپسند کرتا ہو، حرام ہے، خواہ وہ اس کی اپنی کسی صفت کی نشاندہی کرتے ہوں جیسے: أَعْمَشُ (آنکھوں سے چندھا)، أَجْلَحُ (سر کے دونوں اطراف سے گنجا)، أَعْمیٰ (اندھا)، أَعْرَجُ (لنگڑا)، أَحْوَلُ (بھینگا بہت زیادہ حیلہ باز)، أَبْرَصُ (برص کی بیماری میں مبتلا)، أَشَجّ (زخمی سر والا)، أَصْفَرُ (زرد رنگ والا)، أَحْدَبُ (کبڑا آدمی)، اَصَمّ (بہرہ آدمی)، أَزْرَقُ (نیلے رنگ والا)، أَفْطَسُ (چپٹی ناک والا)، أَقْطَعُ (کٹے ہاتھ والا)، زَمِن (وقت)، مُقْعَد (سیٹ، بیٹھنے کی جگہ)، أَشَلّ (سوکھے ہاتھ والا، بے کار ہاتھ والا) یا اس کے والدین میں سے کسی کی طرف منسوب صفت پر دلالت کرتے ہوں، جبکہ ایسے القابات میں سے کسی ایک لقب کے ساتھ کسی معروف آدمی کو پکارنا کہ اس کے بغیر اس کی پہچان و شناخت نہ ہو سکتی ہو اس کے جائز ہونے پر علماء کرام کا اتفاق ہے اور اس کی بھی بہت زیادہ اور مشہور دلیلیں موجود ہیں، جنھیں میں نے یہاں اختصار کے پیش نظر حذف کر دیا ہے۔

## **باب:** ایسے لقب کے ساتھ، جسے صاحبِ لقب پسند کرتا ہو، پکارنے کے جواز اور استحباب کے بارے میں

اور ان میں ایک تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن عثمان اور لقب ''عتیق'' ہے۔ اکثر علمائے کرام، محدثین عظام رحمہم اللہ اور سیرت نگار و مؤرخین وغیرہ کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''عتیق'' ان کا نام تھا۔ اسے حافظ ابوالقاسم بن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأطراف'' میں حکایت کیا ہے۔ اور درست بات پہلی ہے۔ نیز اہلِ علم کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ خیر (بھلائی) کا لقب ہے، جبکہ انھوں نے حضرت

[1] الحجرات 11.

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ''عتیق'' نام سے موسوم ہونے کے اصل سبب پر اختلاف کیا ہے۔ تو اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی متعدد ذرائع سے ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «أَبُوْ بَكْرٍ عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ» [1] کہ ابوبکر تو اللہ تعالیٰ کے، جہنم کی آگ سے آزاد کردہ ہیں۔'' راوی کہتے ہیں: '' پھر اسی دن سے آپ رضی اللہ عنہ ''عتیق'' کے نام سے پکارے جانے لگے۔

حضرت مصعب بن زبیر رحمہ اللہ اور دیگر اہل نسب کہتے ہیں کہ آپ کا ''عتیق'' نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپ کے حسب نسب میں کوئی ایسا عیب یا نقص نہ تھا جس سے آپ کی شخصیت داغ دار ہوتی، اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی کہے گئے ہیں۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

اور انھیں میں سے «أَبُوتُرَاب» حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا لقب بھی ہے۔ اور آپ کی کنیت أَبُوالْحَسَن تھی۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو مسجد میں سوئے ہوئے اس حالت میں پایا کہ آپ پر مٹی پڑی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ» ابوتراب اٹھیے، ابوتراب اٹھیے۔ [2] تو اسی وقت سے آپ کا یہ عمدہ اور خوبصورت لقب آپ کی شخصیت کی پہچان بن گیا۔

اور صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: '' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ سب سے محبوب نام تھا اور آپ رضی اللہ عنہ اس نام کے پکارے جانے سے انتہائی خوش ہوتے تھے۔ یہ الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔

اور انھیں میں سے «ذُوالْيَدَيْن» ہیں۔ ان کا اصل نام اَلْخِرْبَاق تھا۔ (یہ خاء کے کسرۃ، یعنی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔) آپ رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ لمبے تھے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں ذُو الْيَدَيْن کہہ کر پکارتے تھے، اور ان کا نام اَلْخِرْبَاق تھا۔ امام

[1] جامع الترمذي، حديث: 3679، نیز امام موصوف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے۔''

[2] صحيح البخاري، حديث: 6204.

بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ «کِتَابُ الْبِرِّ وَ الصِّلَةِ» کے آغاز میں روایت کیا ہے۔

## باب، کنیتوں کے جائز ہونے اور اہلِ علم و فضل کو ان کے ساتھ مخاطب ہونے کے استحباب کے بارے میں

اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ باب اس بات کی نسبت زیادہ شہرت رکھتا ہے کہ اس میں ہم پہلے سے نقل شدہ کوئی بات ذکر کریں اور اس کے حق میں موجود دلائل ہر خاص و عام سب کے لیے مشترک ہیں۔ نیز ادب کا تقاضا ہے کہ اہل علم و فضل سے ان کی اچھی کنیتوں کے ساتھ مخاطب ہوا جائے۔ جیسا کہ ان کی خدمت میں کوئی خط لکھتے وقت اور اسی طرح ان کے حوالے سے کوئی روایت بیان کرتے وقت یہ کہا جائے: «حَدَّثَنَا الشَّيْخُ» کہ فلاں کے بیٹے فلاں جو کہ امام ابوفلاں ہیں نے روایت بیان کی یا اسی جیسے دیگر الفاظ کے ساتھ، اور یہ بھی ادب کے قرینوں میں سے ہے کہ آدمی (خود) اپنی کتاب یا کسی اور (نوشتہ) میں اپنی کنیت ذکر نہ کرے سوائے اس کے کہ اس کنیت کے ذکر کیے بغیر اس کی شناخت ناممکن ہو یا وہ کنیت اس کے (اصل) نام سے زیادہ شہرت رکھتی ہو۔

امام النحاس رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر تو کنیت (نام کی نسبت) زیادہ شہرت اختیار کر جائے تو تب کنیت کا ذکر کیا جائے اور اس سے اوپر والے، (یعنی استاد) کا نام لیا جائے، پھر اسے اس کے معروف نام یا کنیت وغیرہ کے ساتھ ملا دیا جائے۔ جیسے «اَبَا فُلَانٍ» کہ جو فلاں کا باپ ہے۔

## باب، اولاد میں سے سب سے بڑے بچے کے نام پر کنیت رکھنے کے بارے میں

ہمارے نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت "ابوالقاسم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھی گئی۔ اور اسی باب کے ضمن میں حضرت ابوشُریح رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے، جو ہم نے قبل ازیں "پہلا نام بدل کر اس سے اچھا نام

اختیار کرنے کے باب" میں ذکر کی ہے۔

## باب، آدمی کے اپنی اولاد کے بجائے کسی دوسرے کی اولاد کے ناموں پر کنیت رکھنے کے بارے میں

یہ باب اس قدر وسیع ہے کہ ایسی کنیتوں سے معروف اور متصف لوگ شمار سے باہر ہیں اور ایسا کرنے میں (بظاہر) کوئی حرج نہیں۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

## باب، چھوٹے لڑکے اور جس شخص کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو، کی کنیتوں کے بارے میں

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہمیں روایت ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حُسنِ اخلاق میں تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے، اور میرا ایک بھائی تھا جسے أَبُو عُمَیر کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ یہاں راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے أَبُو فَطِیم کہا تھا...... اور جب ان کے بھائی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: «یَا أَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ» کہ اے ابوعمیر نُغَیر (پرندے) کا کیا بنا؟ اور نُغَر اس وقت (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کے ساتھ) کھیلا کرتا تھا۔[1]

اور سنن أبی داود اور دیگر کتب سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری ساری سہیلیاں اپنی کنیتیں رکھتی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔

---

① صحیح البخاري، حدیث: 6203، صحیح مسلم، حدیث: 2150 اور امام نسائی رحمہ اللہ کی کتاب عَمَلُ الْیَوْمِ وَ اللَّیْلَة، حدیث: 332۔ اس حدیث میں سچے مزاح اور بچوں کے ساتھ شفقت و محبت اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق، انتہائی درجے کی تواضع کے ساتھ ساتھ محبت و کرم اور عالی ظرف ہونے کا بیان ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

راوی کہتے ہیں: ”آپ ﷺ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما لے رہے تھے اور یہ عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت أبی بکر رضی اللہ عنہم کے بیٹے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ”اُم عبداللہ“ کی کنیت سے پکاری جاتی تھیں۔ ①

...... میں کہتا ہوں ”کہ یہی بات زیادہ درست اور معروف ہے۔“

اور وہ روایت جو امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہمیں ملی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی محترم ﷺ سے میرے ہاں ادھورا بچہ متولد ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اور اس طرح میری کنیت ”ام عبداللہ“ رکھ دی ...... اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ ②

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اکتعین میں ایک پوری جماعت بلکہ کئی گروہ ایسے تھے جن کے ہاں اولاد پیدا ہونے سے قبل انکی کنیتیں تھیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابوحمزہ اور دیگر صحابہ کرام، تابعین عظام رحمہم اللہ اور ان کے بعد سے لے کر آج تک کے لوگ جو شمار سے باہر ہیں اور اس طرح کی کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ سابقہ شرط کی موجودگی میں محبوب عمل ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

## باب: ابوالقاسم کنیت رکھنے کی ممانعت کے بارے میں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک پوری جماعت جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

① سنن أبی داؤد، حدیث: 4970، ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی اسے اسی طرز پر نکالا ہے۔ امام ابن السنی رحمہ اللہ کی کتاب میں حدیث: 418 اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

② امام ابن السنی کی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَة، حدیث: 419 اور ابن علان رحمہ اللہ کہتے ہیں، اس کی سند کے راویوں میں ایک راوی داؤد بن المحبر ہے اور یہ جیسا کہ ”الکاشف“ میں مذکور ہے بصری ہے اور واہی یعنی غافل ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ کچھ بھی نہیں۔“

«سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تُكَنُّوْا بِكُنْيَتِيْ»

''کہ میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیتیں نہ رکھو۔''[1]

میں کہتا ہوں: کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے کے بارے میں علماء نے تین مختلف مذاہب پر اختلاف کیا ہے:

① امام شافعی رحمہ اللہ اور آپ کی موافقت کرنے والوں کا کہنا ہے کہ کسی آدمی کے لیے ''ابوالقاسم'' کنیت رکھنا جائز نہیں خواہ اس کا نام ''محمد'' ہو یا کوئی اور نام ہو۔ اور ہمارے اکابرین علماء میں سے جن لوگوں نے یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے وہ (اپنے وقت کے) بڑے ائمہ، حفاظ، فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ کی جماعت میں شمار ہوتے ہیں، جیسے امام ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ نے، امام ابو محمد البغوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''التہذیب'' کے ''کتاب النکاح'' کے آغاز میں اور امام ابوالقاسم بن عساکر رحمہ اللہ نے ''تاریخ دمشق'' میں۔

② امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے خواہ اس کا نام ''محمد'' ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور۔ اور آپ رحمہ اللہ مذکورہ حدیث میں ممانعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ خاص کرتے ہیں، (یعنی یہ ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نہیں)۔

③ اس ضمن میں تیسرا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کا نام ''محمد'' ہو اس کے لیے ''ابوالقاسم'' کنیت رکھنا جائز نہیں، جبکہ کسی دوسرے نام والے کے لیے جائز ہے۔ ہمارے ائمہ میں سے ابوالقاسم الرافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''لگتا ہے کہ یہ تیسرا مذہب زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ لوگ ہر دور اور ہر زمانے میں بغیر کسی مخالفت کے یہ کنیت رکھتے رہے ہیں اور ان تینوں میں یہی وہ مذہب ہے جس کے کہنے والے کی، مذکورہ حدیث میں ظاہری مخالفت پائی جاتی ہے۔

اور یہ کنیت رکھنے پر لوگوں کا اتفاق اس وجہ سے ہوا کہ (ہر دور اور ہر زمانے میں) خود

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6188,6187، صحيح مسلم، حديث: 2134,2133، سنن أبي داود، حديث: 4965، جامع الترمذي، حديث: 2844.

یہ کنیت رکھنے والے اور دوسروں کو اس کی اجازت دینے والے اپنے وقت کے وہ کبار ائمہ کرام رحمہم اللہ اور اہل حل وعقد بزرگ تھے، جن کی دینی امور میں اقتداء کی جاتی رہی، اور اس بارے میں مطلق جواز امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کو تقویت دیتا اور اس کی تائید کرتا ہے، وہ یہ کہ ہر امتی شخص کے لیے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔ اور حدیث میں مذکور نہیں (یعنی مخالفت) نبی مکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ کنیت رکھنے کی ممانعت کا سبب یہودیوں کا اس غرض سے ابوالقاسم کنیت رکھنا تھا، تاکہ وہ اس سے آنحضرت ﷺ کو ایذاء اور تکلیف پہنچائیں اور اس کنیت سے پکارتے وقت اہانت آمیز انداز اختیار کرسکیں۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اب یہ سب زائل ہو چکا ہے۔ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ)

## باب، کسی کافر یا بدعتی اور فاسق شخص کی کنیت رکھنے کے جواز کے بارے میں جب اس کے بغیر اس کی پہچان نہ ہو سکے یا اس کا اصل نام ذکر کرنے پر فتنہ کا خدشہ ہو

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ﴾ "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود بھی) ہلاک ہوگیا۔"[1] اور ابولہب کا نام عبدالعزّیٰ تھا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی کنیت کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ کنیت اس کی پہچان کی علامت بن گئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام کراہت کی بناء پر نہیں لیا گیا کیونکہ وہ صنم (بت) کا بندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اور صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ایک گدھے پر سوار ہوکر وہاں تشریف لے گئے، پھر پوری حدیث ذکر کی۔ تا آنکہ آنحضور ﷺ کا عبداللہ بن اُبی بن سلُول منافق کے پاس سے گزرنا، پھر راوی کہتے ہیں: "پس اللہ کے نبی ﷺ چلے، یہاں تک

[1] أبي لهب ۱.

کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ گئے۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے سعد! جو کچھ ابو حباب نے کہا ہے، وہ تم نے نہیں سنا؟ (اور ابو حباب سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی لے رہے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اس نے ایسے ایسے کہا ہے اور پھر راوی نے پوری حدیث روایت کی۔''

میں کہتا ہوں: ''ابوطالب کنیت کا حدیث میں بار بار تذکرہ ہوا ہے اور ان کا اصل نام عبدمناف تھا۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے «هٰذَا قَبْرُ أَبِيْ رِغَالٍ» کہ یہ ابورغال کی قبر ہے۔ [1]

اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں اور یہ سب اس وقت درست ہوگا جب وہ شرط موجود ہوگی، جس کا ذکر ہم پہلے ''ترجمہ'' میں کر چکے ہیں، اگر وہ شرط مفقود ہو تو پھر کوئی بھی شخص اپنے نام سے زیادہ کچھ اضافہ نہ کرے۔ جیسا کہ:

صحیحین میں مروی ہمیں روایت ملی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کو خط لکھتے وقت یہ لکھا: «مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلٰی هِرَقْلَ» کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے ہرقل کی طرف۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام لیا نہ خط میں اس کی کنیت ذکر کی اور نہ ہی اس کا لقب مَلِكُ الرُّوْمِ لکھا اور وہ قیصر تھا۔ اور اس جیسی بہت زیادہ مثالیں ملتی ہیں۔ اور ہم مسلمانوں کو تو ان کفار پر (بولنے اور مخاطب ہونے میں) سختی اور شدت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ان کی کنیتوں کا ذکر کریں، ان کے لیے نرم لب ولہجہ اختیار کریں اور بات کرتے وقت کسی شگفتگی اور الفت و محبت وغیرہ کا اظہار کرتے پھریں۔

## **باب**، آدمی کی کنیت ابوفلاں اور ابوفلانہ اور اسی طرح عورت کی کنیت امّ فلاں اور اُمّ فلانہ رکھنے کے جواز کے بارے میں

...... یہ جان لو کہ ایسا کرنا جائز ہے اور ان سب صورتوں کے اپنانے میں کوئی حرج نہیں

[1] سنن أبي داؤد، حديث: 3088، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے ابوداؤد رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے نکالا ہے۔ دیکھیے: تفاصیل ''الفتوحات الربانية'': 4/ 214.




ہے، اس لیے کہ امت کے سلف صالحین ؒ میں سے صحابہ کرام، تابعین عظام ؒ کے کئی گروہوں نے اور اسی طرح ان ہستیوں کے بعد آنے والے بزرگوں نے بھی ابوفلانہ وغیرہ الفاظ سے کنیتیں رکھی ہیں ان میں سے ایک خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی تین کنیتیں تھیں۔ أَبُوْ عَمْرٍو، أَبُوْ عَبْدِاللّٰه اور أَبُو لَيْلٰى۔ اور انھی میں سے حضرت ابوالدّرداء اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ الدّرداء الکبریٰ صحابیہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کا اصل نام خَيْرَة تھا اور آپ کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت ام الدّرداء الصغریٰ ہیں، جن کا نام هُجَيْمَة تھا۔ یہ موصوفہ تابعیہ تھیں، جلیل القدر فقیہہ، علم و فضل اور عقل و دانش میں اونچا مقام رکھتی تھیں، اور انھیں میں سے ایک حضرت ابولیلیٰ عبدالرحمٰن ابن أبي لیلیٰ کے والد محترم بھی ہیں اور آگے آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ لیلیٰ رضی اللہ عنہا ہیں، یہ دونوں (حضرت ابولیلیٰ اور حضرت ام لیلیٰ) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اور انھی میں سے ایک حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کئی ایک گروہ بھی ہیں جن میں حضرت ابورَیحانہ، حضرت ابورِمثہ، حضرت ابوریمہ، حضرت ابوعَمرہ بشیر بن عَمرو، حضرت ابو فاطمہ اللیثی (جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا اصل نام عبداللہ بن انیس ہے) حضرت ابومریم الأزدی، حضرت ابورقیہ تمیم الداری، حضرت ابوکریمہ المقدام بن معدی کرب ہیں اور یہ سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہیں۔

اور تابعین کرام ؒ میں سے، حضرت ابوعائشہ مسروق بن الأجدع (کٹی ہوئی ناک والا) اور دوسری بے شمار اللہ کی مخلوق ہے۔

امام السمعانی ؒ کتاب ''الأنساب'' میں رقمطراز ہیں کہ موصوف ؒ کا نام مسروق اس لیے رکھا گیا کہ بچپن میں آپ ؒ کو ایک انسان نے چوری، (یعنی اغواء) کر لیا تھا، بعد ازاں آپ ؒ مل گئے۔''

اور اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خود ابوہریرہ کنیت رکھنا صحیح أحادیث سے ثابت ہے۔

# یادداشت

# یادداشت

# مرکزالکتاب کاقیام

(وقت کی پکار، وقت کی ضرورت)

مرکز ہذا کے تحت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے دینی لٹریچر کے فروغ اور کتاب وسنت پر مشتمل تعلیمات کی نشر واشاعت کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ سلسلہ صلاح وفلاح کے ضمن میں مطبوعہ درج ذیل 4 کتابیں طبع ہو کر قارئین تک پہنچ چکی ہیں۔

1۔ حج وعمرہ (ضیوف الرحمن الی البلد الحرام)

عبدالقوی لقمان کیلانی، خطیب مرکزی جامع مسجد دبئی متحدہ عرب امارت

ایم فل علوم اسلامیہ، ایم اے عربی واسلامیات، فاضل درسِ نظامی، فاضل مدینہ یونیورسٹی

2۔ علم کے آداب (عربی سے اردو ترجمہ)

عبدالقوی لقمان کیلانی

3۔ ایمان کے تین اجزاء (عربی سے اردو ترجمہ)

عبدالقوی لقمان کیلانی

4۔ کتاب الاذکار للامام النووی (عربی اُردو ترجمہ)

عبدالقوی لقمان کیلانی

مرکزالکتاب